MOULANA ABDUL HAKEEM SIALKOTI (d-1067 A. D.)
LIFE AND WORKS

THESIS SUBMITTED FOR THE DEGREE OF

Doctor of Philosophy

IN

Arabic Literature

BY

NAHIM-UN-NISA

Under the Supervision of

DR. MASUD ANWAR ALAVI

(READER)

DEPARTMENT OF ARABIC
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY
ALIGARH (INDIA)

1997

مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی

حیات اور کارنامے

(مقالہ برائے پی۔ ایچ۔ ڈی)

عربی ادب

مقالہ نگار :

نعیم النساء

نگراں :

ڈاکٹر مسعود انور علوی (ریڈر)

شعبۂ عربی

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ (یو۔ پی) انڈیا

سنہ ۱۹۹۷ء

انتساب :

میں اس علمی کاوش
کو
اپنے والدین
کی
ذات بابرکات کے نام
معنون کرنے کی سعادت حاصل کرتی ہوں
جن کی دعاہائے نیم شبی کے فیض سے
مجھے تحصیل علم
اور
لکھنے پڑھنے کی توفیق ملی
اور
انشاءاللہ آئندہ بھی
ادبی مشاغل کی راہیں
ہموار ہوں گی۔

تلخیص

سر زمین ہندوستان ابتداءً اسلام ہی سے آفتاب نبوت کی کرنوں سے منور اور ہر دور میں ماہرین علوم دینیہ علماء اکرام صوفیہ اور بزرگان دین کی بڑی تعداد سے معمور رہی ہے ۔ ہندوستان میں اسلام دو راستوں سے داخل ہوا خشکی اور تری ۔ خشکی کا راستہ درہ خیبر کا تھا ۔ جہاں سے ترکوں پٹھانوں اور مغلوں نے چوتھی صدی کے آخر اور پانچویں صدی کے آغاز سے داخل ہونا شروع کیا لیکن اس سے صدیوں پہلے اہل عرب تاجر اور سوداگر کی حیثیت سے سندھ مالابار اور گجرات تک بحر ہند کے پورے ساحل پر پھیل چکے تھے چنانچہ ان مسلمانوں نے جگہ جگہ مسجدیں تعمیر کیں جو ابتدائی درسگاہ کی حیثیت سے استعمال ہوتی تھیں اور ان میں علماء فضلاء و درس و تدریس کی خدمت دیتے تھے ۔

12 - 711ء میں جب سندھ پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا تو یہ رفتہ رفتہ اور بھی مضبوط ہوگیا ۔ غوری و غزنوں کا دور آیا تو پھر ہندوستان اور سمرقند و بخارا جو علوم و فنون کے مرکز تھے ایک ہوگئے اور اس طرح عربی علوم کے ماہرین ہندوستان جوق در جوق آنے لگے ادب فقہ حدیث تفسیر منطق اور فلسفہ وغیرہ علوم اب عرب سے نکل کر ہندوستان پہنچے اور سر زمین ہند علوم عربیہ کا عظیم ترین مرکز بن گئی ۔ تیرھویں صدی عیسوی تک یہاں ہر فن کے علماء کا اجتماع ہوگیا اور پھر خلجیوں اور تغلق خاندان کے بادشاہوں کا دور آتا ہے جنھوں نے اپنے پیش رو ظہیر الدین محمد بابر جلال الدین محمد اکبر وغیرہ جو اس خاندان کے دو معارف پرور بادشاہ ہیں اور جنھوں نے اپنی انفرادی دلچسپیوں سے ہندوستان کو علوم و فنون کا گہوارہ بنادیا تھا ۔ اسی خاندان

سے ان دو عظیم بادشاہوں کا تعلق بھی ہے جنھوں نے نہ صرف آباواجداد کی روش پر چل کر دکھایا بلکہ ان سے بھی زیادہ علماء کی قدر و منزلت کی اور اپنی زر پاشیوں سے ماہرین علوم و فنون کو معاشی فارغ البالی عطا کرکے خدمت علوم و فنون پر لگادیا یہی وہ مبارک دور ہے جس میں مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کی علمی صلاحیتیں ابھرتی ہیں اور وہ اپنی خدا داد ملکہ و بصیرت سے ادب اور فقہ کے قدیم سرمایہ میں اضافہ کرتے ہیں ۔

افسوس کا مقام ہے کہ ایسے فرید العصر عالم پہ ہندوستان میں کوئی تحقیقی علمی کام نہیں ہوا اور آج بھی ان کی ہمہ گیر شخصیت کے تہ در تہ پہلو پر وہ خفاء میں ہیں ۔ میں سابق صدر شعبہ عربی پروفیسر محمد راشد صاحب کی ممنون ہوں جنھوں نے اس موضوع کی منظوری عطا کی چنانچہ میری پی۔ایچ ڈی کے تحقیقی مقالہ کا موضوع "مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی ـــ حیات اور کارنامے" ہے مقالہ ہذا کو پانچ ابواب میں حسب ذیل عنوانات کے تحت مرتب کیا گیا ہے ۔

باب اول ۔ عہد مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے سیاسی سماجی اور علمی و ادبی حالات

باب دوم ۔ وطن خاندان ولادت تعلیم و تربیت اساتذہ علمی مشاغل وفات اولاد تلامذہ اور رفاہی یادگاریں ۔

باب سوم ۔ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے معاصر علماء ۔

معاصرین میں صرف چھ علماء کو اولیت دی گئی ہے ۔

1 ۔ شاہ محب اللہ الہ آبادی

2 ۔ ملا عبدالسلام دیوی

3 - سعد اللہ خاں

4 - شیخ عبدالحق محدث دہلوی

5 - حضرت میاں میر لاہوری اور

6 - ملا محمود جونپوری

باب چہارم - علمی و ادبی کارنامے

باب پنجم - مولانا سیالکوٹی کا علمی مرتبہ اور مقام

کسی ایسے موضوع یا علمی شخصیت پر تحقیق کرنا جس پر کم سے کم ہندوستان میں کوئی کام نہ ہوا ہو نہایت مشکل مرحلہ تھا چنانچہ اس دشوار علمی کام کے لئے اللہ تعالی نے تمام دنیاوی سہولتیں اور مواقع عطا کئے - میں اپنے کرم فرماؤں جناب ڈاکٹر ظہور الحق اور ڈاکٹر سعد انور علوی صاحب ریڈر شعبہ عربی جو میرے تحقیقی سفر کے یکے بعد دیگرے رہبر و راہ نما رہے ہیں کی انتہائی ممنون ہوں جن کی سرپرستی نے کام کرنے کا حوصلہ دیا - خاص طور پر ڈاکٹر مسعود انور علوی صاحب جن کی پر خلوص شفقت نے تحقیق و جستجو کی دشوار گذار راہوں میں قدم قدم پر میری رہنمائی کی یہاں تک کہ میرے تحقیقی سفر کی تمام مشکلیں آسان ہوگئیں -

چنانچہ اس مقالے کی تکمیل کے سلسلے میں میں نے پاکستان کا سفر بھی کیا جس میں مجھے کامیابی ملی - اور سیالکوٹ میں مجھے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کا مزار دیکھنے کا موقع میسر ہوا اس طرح تصاویر کے ذریعہ ان کی آخری آرام گاہ کو اپنے مقالے کے لئے محفوظ کر لینے کی دیرینہ خواہش کی تکمیل ہوئی

جس کی مختلف کاپیاں مقدمے کے بعد منسلک ہیں - اور اس دشوار اور اہم کام کے لئے اللہ تعالی نے تمام دنیاوی سہولتیں اور مواقع عطا کئے -

آخر میں تمام کرم فرماؤں اور احباب کی بھی ممنون ہوں جنھوں نے اس مقالے کی تیاری میں میرے حوصلے بڑھائے ان کا شکریہ ادا کرنے کا سوچتی ہوں مگر الفاظ نہیں ملتے - اس سب کے باوجود وہ تمام جانتے ہیں کہ میرے دل و دماغ کی لوح پر ان کے نام کیسے احساس تشکر کے ساتھ ثبت ہیں - لہذا ان سب کے شکریے کی یہ سطور لکھ کر صحیح معنوں میں مجھے احساس ہوا کہ ہاں اب یہ مقالہ مکمل ہے -

باب اول ـــ عہد مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی

سیاسی حالات ـــ

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کی پیدائش میں اختلاف ہونے کے باوجود ایک بات طے ہے کہ ان کا عہد دسویں صدی کا نصف آخر اور گیارھویں صدی کا اوائل ہے لہذا یہ عہد ہندوستان میں مغل سلطنت کا عہد ہے ۔ جس میں یکے بعد دیگرے تین نامور حکمراں جلال الدین محمد اکبر (1556ء/963ھ) تا 1605ء/1014ھ) نورالدین جہانگیر (1605ء/ 1014ھ تا 1527ء/1036ھ) اور شہاب الدین شاہ جہاں (1627ء/1036ھ تا 1658ء/1068ھ) تخت پر بیٹھے اور مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے ایک طویل عمر پا کے عہد شاہ جہانی کے خاتمہ کے ساتھ ساتھ داعی اجل کو لبیک کہا ۔

ہندوستان میں مغلوں کی آمد سیاسی اعتبار سے ایک نئے دور کا آغاز ہے کیونکہ ہندوستان کو سیاسی اعتبار سے صحیح استحکام صرف اکبر کے دور حکومت میں نصیب ہوا اس نے کم عمری میں ہی سیاسی سرگرمیاں اپنے اتالیق بیرم خاں کی سرپرستی میں شروع کیں اور صرف چند سالوں میں اس کی سلطنت بنگال سے افغانستان تک اور کشمیر سے لے کر دکن میں دریائے گوداوری تک پھیل گئی اکبر نے اپنے پچاس سالہ عہد حکومت میں اتنی بڑی سلطنت قائم کردی تھی جس کی مثال ملنا مشکل ہے ۔

اس کا انتظام سلطنت بڑا قابل تعریف تھا اور اس نے ہر محکمہ میں بڑی مفید اصلاحات کیں اپنی حکومت کو پندرہ صوبوں میں تقسیم کیا اس نے ملکی نظام ایسے انداز سے مرتب کیا جو تمام مغلیہ دور میں برقرار رہا ۔ اس نے ہندوؤں

اور مسلمانوں کے ساتھ ایک سا سلوک کیا ۔ اکبر کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سلیم نورالدین جہانگیر کے لقب سے تخت نشین ہوا اسے اکبر سے وسیع و عریض سلطنت ورثے میں ملی تھی اس لئے اس نے نہایت تدبر سے کام لیتے ہوئے ملک کے اندرونی نظام کو مضبوط اور مستحکم کیا ۔ بہت سے مفید قوانین بنائے اور کئی اصلاحات جاری کیں اس کا عہد سیاسی اعتبار سے پر امن رہا ہے ۔

دسویں اور گیارھویں صدی میں ہندوستان کے افق پر شہنشاہ جہانگیر اور شاہ جہاں دو ایسے ستارے تھے جن کی وجہ سے اسے سونے کی چڑیا کا نام دیا گیا ۔ شاہ جہاں کے عہد کے اہم سیاسی واقعات میں پرتگالی ہنگامہ ہے 1633ء میں اس نے پرتگالیوں کو مستقل طور پر ہندوستان سے نکال دیا ۔ اس کے دور میں اگرچہ بلخ و قندھار میں بڑی بڑی لڑائیاں لڑی گئیں مگر سلطنت کے دوسرے حصوں میں امن و امان رہا ۔ مختصر یہ کہ دسویں اور گیارھویں صدی میں ہندوستان کا ماحول نہایت پر امن تھا ۔ اس وقت کے مغلیہ دور کو عہد زرین کہا جاتا ہے اس زمانہ کے تینوں بادشاہ اپنی مثال آپ تھے اکبر کا شمار دنیا کے بہترین سپہ سالاروں میں ہوتا تھا ۔ اس کی تیزگامی نیزہ بازی نشانہ بازی دشمنوں پر بجلی کی شرعت کے ساتھ یورش حیرت انگیز حد تک تھی جہانگیر اگرچہ ناز و نعم میں پلا بڑھا تھا لیکن ضرورت کے وقت وہ بھی بہادر سپاہی بن جاتا تھا شاہ جہاں کو اپنے جنگی تجربات پر اس قدر بھروسہ تھا کہ جب بلخ و قندھار میں اپنے لڑکوں کو بھیجا تو دارالسلطنت دھلی میں بیٹھ کر ان کو ھدایات بھیجتا تھا ۔

سماجی و مذہبی حالات

عہد اکبری میں ہر شعبے میں قابل قدر اضافے ہوئے اس کے علاوہ یہ دور صحیح معنوں میں ٹھوس ترقی کا دور تھا ۔ لیکن اس کی ذات اس کے جاری کردہ مذہب "دین الہی" کی وجہ سے مجروح ہوگئی ۔ وہ ایک ذہین اور جدت پسند حکمراں تھا ۔ چنانچہ اس کے تجربات سے جہاں سلطنت کو فائدہ پہنچا وہیں نقصان بھی ہوا چونکہ اس کی سب سے بڑی حماقت صرف مذہبی امور میں ہی ہوئی تھی علاوہ ازیں اکبری دور میں مصوری اور موسیقی کو بھی بڑا فروغ ہوا اس کے درباری موسیقاروں میں تان سین بہت مشہور تھا ۔ علم واجب کی سرپرستی اس نے کی اور مختلف زبانوں سے فارسی میں کتابیں ترجمہ کرائیں ۔ چنانچہ اکبر کے بعد جب جہانگیر تخت نشیں ہوا تو ہندوستان اس وقت مذہبی اعتبار سے اکبر کے ملحدانہ طریقہ پر گامزن تھا ۔ جسے اس نے آپسی اتفاق اتحاد پیدا کرنے کے لئے اپنایا تھا ۔ چنانچہ اس نے اپنے دور میں شیخ احمد سرہندی کی مدد سے کافی حد تک مذہبی اصلاحات کیں ۔ جہانگیر کے عہد میں فن مصوری اپنے نقطہ عروج کو پہنچا اس کے علاوہ قدرتی نظاروں سے دلی لگاؤ ہونے کی وجہ سے متعدد بار کشمیر گیا اور کئی عمارات اور باغات بنوائے ۔ اس نے مجموعی طور پر اپنے بیس سالہ عہد حکومت میں زندگی کے ہر شعبے میں قابل قدر ترقی کی وہ علم و ادب کا دلدادہ موسیقی و مصوری کا شائق اور قدرتی نظاروں سے اس کی دلچسپی جنون کی حد تک تھی۔

جہانگیر کے بعد شاہ جہاں کے تیس سالہ عہد حکومت کو سلاطین تیموری کا زرین عہد کہا گیا ہے اس کے عہد میں جیسا ملک میں امن و امان

اور خوشحالی تھی پہلے کبھی نہ تھی ۔ فتوحات کا دور تو اکبر کے عہد میں ختم ہو چکا تھا اور ان کے بعد آنے والے فرمانروا ہندوستان کی ثقافتی سماجی و مذہبی حالت میں برابر سدھار کر رہے تھے صنعت و حرفت ترقی پر تھی ۔ اس دور میں تمام شعبوں کو فروغ ملا غرضیکہ ہندوستان اس وقت اپنی ثقافتی سماجی و مذہبی حالت کے لحاظ سے نقطہ عروج پر تھا ۔

علمی و ادبی حالات

اکبر کی وفات گیارھویں صدی کے اوائل میں ہوئی اس وقت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی جملہ علوم سے فراغت کے بعد اکبر کے مدرسہ لاھور میں سرکاری مدرس کے فرائض انجام دے رہے تھے ۔ انھوں نے ہندوستان کے تینوں خوشحال دور دیکھنے کے بعد شاہ جہاں کے عہد کے خاتمہ کے ساتھ ھی رحلت فرمائی اگرچہ اکبری دور کی عظمت عام طور پر صرف سیاسی حیثیت سے مانی جاتی ھے لیکن در حقیقت یہ دور علمی حیثیت سے بھی کم درخشاں نہیں اس نے ان پڑھ ہونے کے باوجود علم و فن کی غیر معمولی سرپرستی کی ۔ اس کے عہد میں جیسے جلیل القدر علماء ہوئے ویسے ہندوستان کی تاریخ میں کسی بادشاہ کے زمانہ میں نہیں ہوئے ۔ اس کے علاوہ تصنیف و تراجم کا اس نے سلسلہ شروع کیا کہ دارالسلطنت ایک طرح کی اکاڈمی بن گئی ۔

اس کے بعد جہانگیر کے دور کو نہ صرف مغلیہ دور میں بلکہ پورے ہندوستان کی تاریخ میں ایک خاص مقام حاصل ھے کیونکہ اسے بابر کا علمی ذوق اور اکبر کی علمی ادبی روایات ورثے میں ملی تھیں اسی وجہ سے وہ علم و ادب

کے افق پر ماہتاب بن کر چمکا ۔ اور جب جہانگیر نے تقریباً ستر سال کی عمر میں وفات پائی اس وقت مولانا سیالکوٹی اپنے شباب کو الوداع کہہ چکے تھے ۔ اور برابر اپنے ذوق و شوق کے مطابق تدریس و تصنیف میں منہمک تھے ۔

جہانگیر کے بعد شاہ جہاں نے بھی ہندوستان میں ایسی علمی فضا قائم کی جس سے نہ صرف علمی مقام بلند ہو بلکہ ایسے یکتائے روزگار پیدا ہوں جو علوم و فنون میں کامل دستگاہ رکھتے ہوں اور اپنی اس کاوش میں وہ بڑی حد تک کامیاب بھی رہا ۔ اگرچہ اسے اپنے آباو اجداد کی طرح علمی انہماک نہ تھا اور نہ ہی اس نے ان کی طرح کوئی علمی یادگار چھوڑی ہے لیکن اس کے دربار کی علمی فضا ۔ اس کی فیاضیاں و زر پاشیاں اور اس کے علاوہ داراشکوہ اورنگزیب مراد اور جہاں آرا وغیرہ کی اعلی تعلیم و تربیت اس کے ذوق کی شہادت ہیں اس کا دور فارغ البالی اور خوشحالی کا دور تھا ۔ اس نے ہندوستان کو علم و ادب کا گہوارہ بنادیا ۔ اس نے اکبر و جہانگیر کے قائم کردہ مدارس کو نہ صرف قائم رکھا بلکہ ان کو مزید ترقی دی ۔ مختصر یہ کہ دسویں اور گیارھویں صدی میں ہندوستان اپنی علمی و ادبی حیثیت سے نہایت ہر درخشاں دور میں داخل ہو چکا تھا ۔ امن و خوشحالی کا ہر طرف دور دورہ تھا ۔ مغلیہ خاندان کے فرمانرواؤں نے زندگی کے ہر شعبے میں ایسی بے مثال سرپرستی کی کہ اس کی مثال پوری اسلامی دنیا میں نہیں ملے گی۔

باب دوم ـــــ حیات مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی

یوں تو ہر صدی میں ہندوستان میں مایہ ناز علماء و فضلاء پیدا ہوئے رہے ہیں لیکن دسویں اور گیارھویں صدی ہجری کا زمانہ ہندوستان کی علمی

تہذیبی تمدنی اور ثقافتی تاریخ کا سب سے زیادہ روشن اور تابناک باب ہے اس دور میں ہندوستان میں ایسے ایسے پھول کھلے جن کی عطر بیزیوں سے ایک زمانہ مستفید ہوا اس دور میں سب سے زیادہ شہرت مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی کو حاصل ہوئی وہ مغل شہنشاہ اکبر کے عہد میں پروان چڑھے اور جلد ہی دنیا کے سامنے ایک مصلح دین کی حیثیت سے جلوہ گر ہوئے ۔

وطـــن ـــ

ان کا پیدائشی وطن سیالکوٹ ہے جس کی قدیم تاریخ یوں ہے کہ پانڈوؤں نے اسے آباد کیا اور راجہ سیالے اپنے نام کی مناسبت سے اس کا نام سیالکوٹ رکھا ۔

خـــاندان ـــ

مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی کی ابتدائی زندگی کے بارے میں بہت کم معلومات ہیں کہ ان کے والد کا نام شمس الدین تھا ان کے علاوہ نہ تو ان کے آباو اجداد کا پتہ چلتا ہے اور نہ حسب نسب کا بہر حال انھیں یہ شرف حاصل ہے کہ اپنے خاندان کے وہ پہلے فرد ہیں جنھوں نے اپنے علمی کمالات کے سبب شہرت حاصل کی ۔

پیـــدائـــش ـــ

اگرچہ ان کی پیدائش کے بارے میں اختلاف ہے لیکن اس سلسلے میں عہد عالمگیری کے مشہور تذکرے "مرآتہ العالم" کے مؤلف کے بیان کو اولیت دی گئی ہے ۔ بختاور خاں اپنی تصنیف "مرآتہ العالم" میں ان کا سال پیدائش 988ھ

بتاتا ہے اور لفظ حفظ سے اس نے ان کی تاریخ ولادت نکالی ہے چونکہ بختاور خاں (م - 1094ھ) ان کے فرزند مولانا عبداللہ اللبیب کا معاصر اور نیازمند تھا اس لئے اس کا بیان قابل قبول ہے -

تعلیم و تربیت —

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی جیسی عہد ساز شخصیت کے استاد بھی انھی کے جیسے نامور اور مشہور زمانہ تھے اور یہ معروف ہستی ملا کمال الدین کشمیری (م - 1017ھ) کی تھی - ان کی ابتدائی تعلیم کے بارے میں بہت کم معلومات ہیں خیال کیا جاتا ہے کہ انھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور اس کے بعد ملا کمال الدین کشمیری کے سامنے زانوے تلمذ تہ کرکے جملہ علوم کی تکمیل کی -

مشاغل —

اگرچہ مولانا عبدالحکیم کی ولادت عہد اکبری میں ہوئی تھی لیکن ان کی رسائی اس کے دربار تک نہیں تھی بلکہ انھوں نے اکبرآباد کے شاہی مدرسے میں اپنے وقت کے مشہور شاعر قدسی کے ساتھ فرائض تدریس انجام دیئے اس کے علاوہ لاہور کے مدرسے میں بھی سرکاری مدرس مقرر کئے گئے اور اسی دوران وہ "فاضل لاہوری" کے لقب سے مشہور ہوئے اس کے علاوہ جہانگیر اور شاہ جہاں نے اپنے اپنے عہد میں بہت سے علماء و فضلا کی قدر شناسی کی انھیں میں ملا سیالکوٹی کی ذات بابرکات بھی تھی انھوں نے ان کی علمی کاوشوں کو تسلیم کیا - اگرچہ ان کا دربار متعدد اسلامی ممالک کا ملجاو ماوا بنا ہوا تھا مگر ان میں ان کا مرتبہ بہت بلند اور نمایاں تھا -

وفـــات ـــ

بالآخر 12 یا 18 ربیع الاول 1067ھ/1656ء میں وہ آفتاب غروب ہوگیا جس کی ضوفشانیوں سے پورا ہندوستان منور تھا ۔ اگرچہ ان کی وفات کے سلسلہ میں تذکرہ نگاروں کے یہاں متضاد رائیں ملتی ہیں لیکن معاصر ہونے کی بناء پر محمد صالح کنبوہ کی تصنیف "عمل صالح" کے بیان کو فوقیت دی گئی ہے۔

اولاد ـــ

تاریخ و تذکرہ کی کتب میں مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے صرف ایک بیٹے "عبداللہ اللبیب" کا نام ملتا ہے اس کے علاوہ کشمیر کی بعض تاریخوں میں ان کے بعض ورثاء کے نام ملتے ہیں ۔ ان کے علاوہ ایک اور نامور عالم محی الدین کشمیری اور مولوی غلام مصطفی کا ذکر بھی ملتا ہے ۔

تـــلامـــذہ ـــ

خیال کیا جاتا ہے کہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی جیسی عہد ساز شخصیت کے ہزاروں تلامذہ ہوں گے لیکن جو فہرست دستیاب ہوئی وہ بہت مختصر ہے لہذا ان میں سے چند شخصیات کا قدرے تفصیل سے تذکرہ کیا گیا ہے ـــ

1 - قاضی عبدالرحیم مرادآبادی

2 - سید اسماعیل بلگرامی (متوفی - 1088ھ)

3 - مولانا شیخ محمد افضل جونپوری (977ھ تا 1062ھ/1651ء)

4 - شیخ عبدالعزیز اکبرآبادی (متوفی - 1088ھ)

5 - چندربھان برہمن (متوفی - 1073ھ/1663ء)

6 - ملا عصمت اللہ سہارنپوری (متوفی - 1039ھ/30-1629ء)

7 - مولوی محمد معظم ساکن بنہ (متوفی - 1158ھ/1745ء)

8 - ملا عبد الوہاب پر سروری (متوفی - 1059ھ)

9 - مولوی محمد قنوجی (متوفی - 1007ھ)

رفاہی یادگاریں ـــ

مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی کو شاہ جہاں کی طرح تعمیرات اور رفاہ عامہ کے کاموں کا بھی شوق تھا - اور اس کی شہادت ان کی تعمیر کردہ وہ عمارتیں ہیں جو سیالکوٹ میں آج تین سو سال گذرنے کے باوجود بھی قائم ہیں انھوں نے اپنی قیام گاہ کے قریب ہی ایک عظیم الشان مسجد اور مدرسہ تعمیر کرائے تھے مولانا کی یہ مسجد آج بھی تحصیل بازار سیالکوٹ میں موجود ہے - اس کے علاوہ انھوں نے مسافروں کے لئے کارواں سرائے اور حمام بھی تیار کرائے 1275ھ میں انگریزوں نے اس عمارت کو خیراتی شفا خانے میں بدل دیا اور بعد میں اسی شفاخانے نے موجودہ سول ہسپتال کی صورت اختیار کی انھوں نے ایک خوبصورت باغ کی بنیاد بھی ڈالی تھی - اس کے علاوہ ان کی یادگاروں میں سیالکوٹ کا تالاب بھی ہے لیکن ان کی سب سے خوبصورت یادگار وہ عیدگاہ ہے جس میں آج بھی ہزاروں بندگان خدا سال میں دو مرتبہ اپنے معبود حقیقی کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں -

باب سوم - معاصرین مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی

کسی شخصیت کے علمی مقام کو سمجھنے کے لئے اور اس کے علمی مقام کے تعین کے لئے صرف واقعات کی فہرست اورسنین و اعداد کا مجموعہ کافی نہیں

ہے بلکہ اس کے عصری رجحانات اور معاصرین کی علمی و تحقیقی خدمات کا تفصیلی جائزہ بھی لیا جانا ضروری ہے -

چونکہ ہندوستان میں دسویں اور گیارھویں صدی ہجری کا زمانہ سلطنت مغلیہ کا وہ زرین دور ہے جس نے سیکڑوں نہیں علماء و فضلا پیدا کئے ہیں جن میں سے بیشتر آسمان علم و معرفت کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے چنانچہ ان کے علمی مقام کو اور ان کے علمی کارناموں کی قدروقیمت کا اندازہ کرنے کے لئے ان کے معاصرین کا مطالعہ ازحد ضروری ہے چنانچہ اس باب میں صرف انھیں چند نابغہ روزگار ہستیوں کے حالات قدرے وضاحت سے بیان کئے گئے ہیں جو ان سے کسی نہ کسی اعتبار سے قریب رہے یا اپنے بتحر علمی اور تصنیفی و تالیفی کارناموں کی وجہ سے نمایاں شہرت کے حامل ہیں ـــــ

1 - شاہ محب اللہ الہ آبادی (996ھ/1587ء تا 1057ھ/1648ء)

2 - ملا عبدالسلام دیوی (متوفی - تقریباً 1070ھ/1659ء)

3 - شیخ عبدالحق محدث دہلوی (958ھ/1551ء تا 1054ھ/1642ء)

4 - علامہ سعد اللہ خاں (999ھ/1591ء تا 1066ھ/1656ء)

5 - حضرت میاں میر لاہوری (957ھ تا 1045ھ)

6 - ملا محمود جونپوری (1015ھ تا 1062ھ)

باب چہارم - علمی و ادبی کارنامے ـــــ

جیسا کہ گذشتہ ابواب میں عرض کیا جاچکا ہے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی اپنے دور کے باکمال عالم تھے ان کا دائرہ تصنیف و تالیف خاصا وسیع تھا - وہ

تفسیر فقہ عقائد کلام منطق فلسفہ صرف و نحو اور علم فرائض میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور ان تمام علوم میں ان کی تالیفات موجود ہیں ان کا تصنیفی میدان بیشتر شروح و حواشی کا رہا ہے اور انھی کی وجہ سے وہ علمی دنیا میں مشہور و معروف ہیں ۔ ان کی تالیفات عام طور پر ان کے مربی و قدردان مغل شہنشاہ شاہ جہاں کے نام معنون ہیں اگرچہ ان کے شروح و حواشی متداول درسی کتابوں پر ہی ہیں مگر یہ محض رسمی نہیں تھے بلکہ اپنے اپنے فنون کے اندر ادبیات عالیہ کی حیثیت رکھتے ہیں ان سے اسلامی فکر کی ثروت میں بیش بہا اضافے ہوئے مختلف مؤرخین اور تذکرہ نگاروں کی نگارشات کی مدد سے ان کی تصنیفات درج ذیل ہیں ۔

فن تفسیر ـــ

حاشیہ تفسیر بیضاوی ـــ

مولانا عبدالحکیم اپنے مدرسے میں تفسیر بیضاوی کا درس دیتے تھے اور اس کی اہمیت سے بھی خوب واقف تھے اسی لئے انھوں نے اس پر اپنا شہرہ آفاق حاشیہ لکھا جو نامکمل ہے یعنی پہلے ڈھائی پاروں کی شرح ہے چونکہ یہ حصہ اہم مسائل سے متعلق ہے اس لئے انھوں نے اس کی تشریح کو ضروری سمجھا ۔ ان کے حاشیہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ یہ آج بھی مختلف عربی مدارس میں شامل نصاب ہے اس کے مخطوطات مختلف لائبریریوں میں موجود ہیں اس کے علاوہ یہ طبع بھی ہوچکا ہے۔

حاشیہ علی الکشاف یہ اب ناپید ہے ۔

فقہ ــــ

حاشیہ علی التلویح ــــ

مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی نے اصول فقہ کی مستند کتاب "التلویح" پر حاشیہ لکھا "تلویح توضیح" کا سب سے اہم حصہ "مقدمات اربعہ" ہیں اور مولانا عبد الحکیم اس باب میں منفرد ہیں انھوں نے صرف اس کے مقدمات اربعہ کو ہی اپنی کاوش فکر کا موضوع بنایا ہے ۔

حاشیہ علی الحسامی ــــ

تلویح توضیح کے بعد اصول فقہ کی دوسری متداول کتاب "الحسامی" ہے اس پر بھی بہت سے علماء نے حواشی لکھے لیکن ان تمام میں صرف مولانا سیالکوٹی کو اس درجہ مقبولیت حاصل ہے کہ ان کا حاشیہ مطبوعہ ہے اس کے علاوہ اس کا ایک قلمی نسخہ پشاور میں موجود ہے ۔

علم کلام ــــ

حاشیہ علی الخیالی (حاشیہ شرح عقائد النسفیہ) ــــ

اس حاشیہ کے قلمی نسخے دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال لائبریری اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ لائبریری میں ہیں ۔ اس کے علاوہ 1235ء میں آستانہ سے 1297ھ میں مصر سے 1870ء میں دہلی سے اور 1901ء میں قازان سے شائع ہو چکا ہے ۔

حاشیہ علی شرح عقائد جلالی (حاشیہ شرح العقائد العضدیہ)

ان کا یہ حاشیہ اب ناپید ہے

حاشیہ علی المواقف ـــ

المواقف جو قاضی عضد الدین الایجی کی شہرۂ آفاق تصنیف ہے لیکن مولانا سیالکوٹی نے یہ میر سید شریف جرجانی کی شرح المواقف پر تحریر کیا ان کا یہ حاشیہ مکمل نہیں بلکہ پانچویں وقف تک ہے مصر و استنبول میں غالباً تین حاشیے "شرح المواقف" کے طبع ہوئے ان میں سے ایک مولانا سیالکوٹی کا بھی ہے ۔

منطق و فلسفہ ـــ

حاشیہ علی میر قطبی و حاشیہ علی قطبی ـــ

بر عظیم پاک و ہند میں منطق و فلسفہ کے موضوع پر بےشمار کتابیں لکھی گئیں یہ واحد غیر دینیاتی موضوع ہے جس پر عربی زبان میں کتب تحریر ہوئیں اور ہندوستانی علماً نے اس میں دلچسپی لی ۔ چونکہ عہد مغلیہ میں معقولات نے بڑی اہمیت حاصل کی اس لئے مولانا سیالکوٹی نے میر قطبی پر حاشیہ تحریر کیا اور اسے بھی دیگر تصنیفات کی طرح شاہ جہاں کے نام معنون کیا ۔

حاشیہ شرح مطالع

حواشی در کنار حکمتہ العین

حاشیہ علی میبذی (حاشیہ شرح ہدایتہ الحکمتہ)

نحو بلاغت

حاشیہ شرح صراح الارواح

حاشیہ علی حاشیہ عبد الغفور

تکملہ حاشیہ عبد الغفور علی الجامی

حاشیہ علی المطول

حاشیہ شریفیہ ـــ میر غلام علی آزاد بلگرامی نے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کی تصنیف میں حاشیہ شریفیہ کا بھی ذکر کیا ہے مگر یہ نام مبہم ہے انھوں نے اس کا نام حاشیہ مطول کے فوراً بعد کیا ہے اس لئے خیال کیا جاتا ہے کہ شائد اس سے مراد میر سید شریف کا حاشیہ مطول ہو جو عام طور پر "میر مطول" کے نام سے مشہور ہے -

مستقل تصانیف ـــ

الرسالتہ الخاقانیہ ـــ

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے زیادہ تر علوم مروجہ کی مشہور درسی کتب کے حواشی ہی لکھنے پر اکتفا کیا اور ان کی مستقل تصانیف کی تعداد بہت کم ہے لیکن بیشتر ازیں ان شروح و حواشی کی قدر و منزلت بھی جسے "الدارتہ الثمینہ فی علم الواجب تعالی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے چونکہ اسلامی عقائد و نظریات کی تشریح و توضیح سے ان کو خاص دلچسپی تھی اسی لئے انھوں نے اس موضوع پر بہت سی کتابوں پر قابل قدر حواشی تحریر کئے کہا جاتا ہے کہ انھوں نے بعض مستقل تصانیف چھوڑی ہیں لیکن جہاں تک راقمہ کی معلومات کا تعلق ہے ان کی مستقل تصانیف میں "الرسالتہ الخاقانیہ" ہی واحد تصنیف ہے جس کے قلمی نسخے دنیا کی مختلف لائبریریوں میں محفوظ ہیں -

مستفرق ـــ

مولانا سیالکوٹی کی اس شہرہ آفاق تصنیف کے بعد ان کی دوسری تصنیفات میں "دلائل التجدید" رسالہ کا ذکر بھی ملتا ہے اس کے علاوہ ان کی دوسری

تصنیفات میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے منسوب ان کی مشہور عالم تصنیف "غنیتہ الطالبین" کا فارسی ترجمہ بھی ہے انھوں نے یہ ترجمہ اپنے وقت کے ولی کامل اور شیخ عارف " بلاول لاھوری"کی فرمائش پر کیا تھا ۔ ان کے علاوہ تذکرہ نگاروں نے ان کتب کا بھی تذکرہ کیا ہے مگر یہ کتابیں نہ کہیں طبع ہوئیں اور نہ ہی ان کے مخطوطات کا پتہ چلتا ہے ۔

زبدتہ الافکار

القول المحیط

حاشیہ شرح تہذیب

کتاب شہود وغیرہ

باب پنجم — علمی مرتبہ اور مقام —

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی عہد شاہ جہانی کی ان مایہ ناز ہستیوں میں سے ہیں جن کا علمی بتحر دینی بصیرت مجتہدانہ ذوق اور احکام اسلامی کی کلیات و جزئیات پر کامل دسترس عوام و خواص کے نزدیک مسلم تھی ان کی شخصیت اپنے معاصرین میں اس حیثیت سے ممتاز ہے کہ انھیں علوم عقلیہ و نقلیہ میں بڑی مہارت تھی وہ ایک فاضل مصنف اور انشاء پرداز بھی تھے جس طرح وہ درس و تدریس میں مہارت فن کا ثبوت دیتے تھے اسی طرح تصنیفات و تالیفات میں زور قلم اور متانت بیان کا پورا دھیان رکھتے تھے ۔ ان کے ذاتی کمالات ان کا تقوی نیز ان کا علمی بتحر معاصرین میں ان کے علمی مرتبہ و مقام کو متعین کرنے کے لئے کافی ہے ان کی شہرت ان کی زندگی میں ہی قسطنطنیہ

ایران ترکی وغیرہ میں پہنچ چکی تھی ان کا تصنیفی میدان شروح و حواشی کا رہا ہے ۔

استاذ کی حیثیت سے ـــ

مولانا سیالکوٹی کو شاہ جہاں نے سیالکوٹ میں ایک بہت بڑی جاگیر عنایت کی تھی ۔ انھوں نے اپنی قیام گاہ کے قریب ہی ایک عظیم الشان مدرسہ اور مسجد تعمیر کی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ مدرسہ آج کی اصلاح میں اسلامی یونیورسٹی کی شکل اختیار کرگیا ۔ ایک استاد کا جو مقام اور ذمہ داریاں ہوتی ہیں وہ مکمل طور پر ان کی ذات میں پائی جاتی ہیں ۔

مصنف کی حیثیت سے ـــ

درس و تدریس کی معروف ترین زندگی گذارنے اور عوام و خواص میں گہرے مراسم ہونے کے باوجود مولانا سیالکوٹی تصنیفی و تحقیقی ذوق بھی رکھتے تھے ان کی شخصیت اس حیثیت سے بھی منفرد ہے تصنیفی میدان میں جب ہم ان کو دیکھتے ہیں تو ان کے تگ و تاز کا محور مختلف موضوعات ہیں وہ تفسیر علم کلام منطق و فلسفہ نحو بلاغت اصول فقہ وغیرہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے ان تمام علوم میں آپ کی یادگار تصانیف ہیں ۔

مفسر کی حیثیت سے ـــ

ان کی شہرت دیگر حیثیات کے علاوہ ایک مفسر کی حیثیت سے بھی ممتاز ہے "تفسیری خدمات میں جہاں انھوں نے ایک طویل عرصہ تک طالبان علوم

نبوت کو قرآنی علوم سے فائدہ پہنچایا وہیں ان سورتوں کی تفسیر لکھکر اپنے موضوع پر منفرد تفسیر تیار کی ۔ ان کا حاشیہ بیضاوی دوسرے مفسرین کے مقابلے میں آسان ہے ان کا یہ حاشیہ دوسرے پارے کے 3/4 تک ہے علامہ بیضاوی چونکہ شافعی مکتب کے پیرو تھے چنانچہ فقہ حنفی سے وابستگی ہونے کی وجہ سے وہ اپنے مکتب فکر کے تمام دلائل و شواھد کا پورا دفاع کرتے ھیں گویا ان کا یہ حاشیہ بیضاوی کا سنی ایڈیشن ہے ۔

اصول فقہ کے ماھر کی حیثیت سے ـــ

ان کی شہرت ایک اصولی کی حیثیت سے بھی بہت زیادہ ہے فقہ کے موضوع پر ان کے مشہور حواشی نے ان کو حیات جاوداں عطا کردی ہے اس کے علاوہ ان کے علمی مقام کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی تمام کتب خواہ وہ کسی بھی موضوع پر ھوں اپنی معلومات اور انداز بیان کے اعتبار سے بے نظیر ھیں اور تین صدیاں گذرنے کے باوجود قدیم یا جدید کتابوں میں سے کوئی بھی ان کا بدل نہ بن سکیں ۔ ھندوستانی علماء میں صرف مولانا عبدالحکیم ھی کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان کا نام ھی اس تالیف کی عمدگی و برتری کا بذات خود ضامن ہے ۔

T-5227

ادیب کی حیثیت سے ـــ

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کی تحریروں کا مطالعہ جب ھم اس حیثیت سے کرتے ھیں تو معلوم ھوتا ہے کہ وہ مفسر مجتہد کلام و فلسفہ کے ماھر ھونے کے ساتھ ساتھ زبان و ادب کے نشیب و فراز سے بھی واقف تھے ۔

مندرجہ بالا سطور میں مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے علمی مرتبہ و مقام کے تعین کیلئے ھم نے ان کی شخصیت کا مطالعہ جن مختلف پہلوؤں سے کیاھے ان سے بآسانی یہ معلوم ھوجاتا ہے کہ واقع ھر حیثیت سے انکا علمی مقام بہت بلند ہے ۔

MOULANA ABDUL HAKEEM SIALKOTI (d-1067 A. D.) LIFE AND WORKS

ABSTRACT

THESIS SUBMITTED FOR THE DEGREE OF

Doctor of Philosophy

IN

Arabic Literature

BY

NAHIM-UN-NISA

Under the Supervision of

DR. MASUD ANWAR ALAVI

(READER)

DEPARTMENT OF ARABIC
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY
ALIGARH (INDIA)

1997

مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی

حیات اور کارنامے

(مقالہ برائے پی۔ ایچ۔ ڈی)

عربی ادب

مقالہ نگار :

نعیم النساء

نگراں :

ڈاکٹر مسعود انور علوی (ریڈر)

شعبۂ عربی

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ (یو۔ پی) انڈیا

۱۹۹۷ء

T5227

T-5227

Phones [External : 7162
Internal : 234

DEPARTMENT OF ARABIC
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY
ALIGARH—202002

Dated .....

TO WHOM IT MAY CONCERN

This is to certify that the thesis entitled ***"Maulana Abdul Hakeem Sialkoti (D.1067 A.D.) Life and Works"*** submitted by ***Ms. Nahim-un-nisa***. This is original contribution to the field of literature. Therefore it is now forwarded for the award of Ph.D. in Arabic.

Dr. M.A. Alavi
SUPERVISOR

بسم الله الرحمن الرحيم

انتساب :

میں اس علمی کاوش
کو
اپنے والدین
کی
ذات بابرکات کے نام
معنون کرنے کی سعادت حاصل کرتی ہوں
جن کی دعاہائے نیم شبی کے فیض سے
مجھے تحصیل علم
اور
لکھنے پڑھنے کی توفیق ملی
اور
انشاءاللہ آئندہ بھی
ادبی مشاغل کی راہیں
ہموار ہوں گی۔

فہرست عنوانات :

صفحہ نمبر

○ مقدمہ — الف تا ی

○ باب اوّل :

عہد مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی ——— 1 - 53

— سیاسی حالات 1

— سماجی و مذہبی حالات 18

— علمی و ادبی حالات 36

○ باب دوم :

حیات مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی ——— 54 - 113

— وطن 56

— خاندان 58

— ولادت 59

— تعلیم و تربیت 60

— اساتذہ 61

— علمی مشاغل 65

— وفات 76

— اولاد 81

— تلامذہ 89

— رفاہی یادگاریں 109

صفحہ نمبر

○ باب سوم :

معاصرین مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی ——— 114 - 204

— شاہ محب اللہ الہ آبادی 115

— ملا عبدالسلام دیوی 133

— شیخ عبدالحق محدث دہلوی 146

— علامہ سعد اللہ خاں 164

— حضرت میاں میر لاہوری 172

— ملا محمود جونپوری 181

○ باب چہارم :

علمی و ادبی کارنامے ——— 205 - 321

— تفسیر 217

— فقہ 240

— عقائد و علم کلام 248

— منطق و فلسفہ 272

— علم نحو و بلاغت 288

— مستقل تصانیف 299

— متفرق 320

○ باب پنجم :

علمی مرتبہ اور مقام ——— 322 - 341

— مصنف کی حیثیت سے 324

— مفسر کی حیثیت سے 331

— اصول فقہ کے ماہر کی حیثیت سے 333

— ادیب کی حیثیت سے 336

○ مآخذ و مراجع 342 - 350

مقدمه

مقدمہ

سر زمین ہندوستان ابتداً اسلام ہی سے آفتاب نبوت کی کرنوں سے منور رہی اور ہر دور میں ماہرین علوم دینیہ علماً صوفیاً کرام اور بزرگان دین کی بڑی تعداد سے معمور رہی ہے ۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت سے مسلمان اس سر زمین کی طرف متوجہ ہو گئے تھے اور پھر انفرادی اور اجتماعی طور پر ائمہ محدثین اور علماً و صوفیہ اور فقہا یہاں تشریف لاتے رہے ۔

یہاں جن علماً اسلام نے علم و عمل اور زہد و تقوی کی قندیلیں روشن کیں ان میں تبع تابعین کے زمرہ میں کئی اہم شخصیتوں کے نام ملتے ہیں ۔

"اسرائیل بن موسی" تجارت کی غرض سے ہندوستان آئے تھے ۔

"ربیع بن صبیح ۔ ایک اسلامی فوج کے ہمراہ مجاہد کی حیثیت سے وارد ہوئے تھے اور ایک بیماری کے سبب یہیں ان کا انتقال ہوا اور اسی سر زمین میں مدفون ہوئے ۔

ابو معشر نجیح سندھی الاصل تھے لیکن سندھیوں اور مسلمانوں کی ایک جنگ میں گرفتار ہوکے حجاز چلے گئے تھے اور وہیں کے ہوکر رہ گئے ۔

عربوں کے عہد میں سندھ علم و ادب کا گہوارہ بن چکا تھا ۔ محمد بن قاسم جو سندھ کا فاتح تھا اس کی معارف پروری اور علم دوستی کا پتہ اس بات سے چلتا ہے کہ اس نے سندھ میں جگہ جگہ مساجد تعمیر کروائیں تھیں ۔ اور اس کی یہاں سے واپسی کے بعد ان مساجد نے درس و تدریس کے مراکز کی حیثیت اختیار کرلی جنھوں نے دنیا کو ایسے صاحب بصیرت علماً دیئے جنھوں نے

عالم اسلام میں اپنی عظمت کا سکہ جمایا ۔

عربوں کے عہد میں دیبل کا شمار اسلام کے عظیم علمی مراکز میں ہوتا تھا ۔ دیبل میں بڑے نامور علماء حفاظ قراء محدثین اور مفسرین مقیم تھے ۔ اور ایک عالم ان کے فیضان علم سے سیراب ہو رہا تھا ۔ یہاں کے مشہور ترین علماء میں احمد بن محمد بن ہارون المقری الدیبلی ۔ علی بن موسی محدث ۔ خلف بن محمد الموازینی ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ دیبلی ۔ ابو العباس احمد بن نصر بن الحسینی القاضی الدیبلی ۔ ابوالقاسم شعیب بن محمد بن احمد بن سعید علی بن احمد بن محمد دیبلی وغیرہ ہیں ۔

دیبل کے بعد سندھ میں علم و ادب اور صنعت و تجارت کا دوسرا مرکز منصورہ تھا ۔ دیبل کی طرح منصورہ بھی اہل علم و فضل کا مرکز تھا ۔ منصورہ کے علماء میں ابو جعفر عبداللہ بن اسماعیل بن ابراہیم المعروف بابن بویہ ابو محمد عبداللہ بن جعفر بن حرہ اور ابوبکر احمد بن محمد منصوری بکرآبادی وغیرہ کافی شہرت رکھتے ہیں (1)

الغرض ہندوستان میں عربوں کی آمد کے بعد ہی سے اسلامی علوم و فنون اور عربی زبان و ادب کی ترویج و اشاعت شروع ہوگئی تھی چنانچہ ہندوستان کے مختلف گوشوں میں ایسے بڑے بڑے نامور اور نابغہ روزگار علماء فقہاء ادباء اور شعراء پیدا ہوئے جنھوں نے نہ صرف اپنے ملک میں بلکہ بیرون ملک خصوصاً عرب

---

(1) قاضی اطہر مبارکپوری ۔ رجال السند و الہند : 284 ۔ یاقوت الحموی معجم البلدان: 258. محمد معصوم بھکری تاریخ سندھ : 23 سید سلیمان ندوی ۔ عرب و ہند کے تعلقات : 14 ۔ سید سلیمان ندوی ۔ عربوں کی جہاز رانی : 59

دنیا میں اپنے متبحر اور علمی فضیلت کا سکہ جمایا اور خراج تحسین حاصل کیا۔

علامہ حسن صغانی لاہوری (570/1174ء) — 650ھ/1252ء)
صاحب مشارق الانوار طنبویہ من صحاح الاخبار المصطفویہ اور العباب الزاخر
علاء الدین علی بن احمد مہائمی (م 835ھ/1431ء) صاحب تیسیر الرحمان و
تیسیر المنان - شیخ مبارک ناگوری (1001ھ/1592ء) صاحب منبع عیون المعانی
شیخ ابوالفیض فیضی (1004ھ/1595ء) صاحب سواطع الالہام شیخ احمد بن
ابو سعید (1130ھ/1718ء) صاحب تاج العروس فی شرح القاموس۔ علامہ غلام
علی آزاد بلگرامی (1200ھ/1785ء) صاحب سبحتہ المرجان فی آثار ہندوستان
اور السبحتہ المیسارتہ نیز بانی درس نظامی ملا نظام الدین محمد فرنگی محلی
(1161ھ/1748ء) ملا عبدالعلی بحرالعلوم (1225ھ/1810ء) لکھنؤ کے
خاندان اجتہاد کے افراد خیرآبادی خاندان کے نامور حضرات اور دہلی کے
ولی اللہی خاندان کے بزرگوں کے علاوہ لاتعداد مشاہیر ایسے ہیں جن کے
علم و فضل کا اعتراف اپنوں بیگانوں سبھی نے کیا ہے ۔

موجودہ ہندوستان کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اس خیال کو مدنظر
رکھیں کہ آج دنیا بھر میں مسلمانوں کو جو بھی تھوڑی بہت سرفرازی حاصل
ہے وہ بڑی حد تک اسلاف کے عظیم الشان کارناموں اور علمی وقار کی بناء پر ہے
چنانچہ یہ وقت کا اہم تقاضا ہے کہ ایسی مایہ ناز ہستیاں جو گوشہ گمنامی میں
ہیں اور لوگ ان کے کارناموں کو تو کیا ناموں سے بھی بس یونہی واقف ہیں
ان پر تحقیقی کام کرکے ان کی شخصیت کو اجاگر کیا جائے تاکہ ان کے علمی و
ادبی سرمایہ سے لوگ زیادہ سے زیادہ مستفید ہوسکیں ۔ ہندوستان کے فارسی
علی و شعرا پر تو کچھ کام ہوا ہے مگر عربی علماء میں سے بکثرت ابھی بھی
گوشہ گمنامی میں ہیں ۔

ڈاکٹر زبید احمد نے ہندوستانی عربی ادب میں —

The Contribution of India to Arabic Literature

کے نام سے کام کیاتھا - اور اسی طرح ماضی قریب میں سید عبدالحئی رائے بریلوی مرحوم نے " الثقافتہ الاسلامیتہ فی الھند " اور "نزھتہ الخواطر" مرتب کرکے اس میدان میں قابل قدر پیش رفت کی تھی لیکن ڈاکٹر زبید احمد کا کام اس وقت کے لحاظ سے تو بہت اہمیت کا حامل تھا - چونکہ جس وقت انھوں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا تھا اس وقت وسائل بہت محدود تھے - تمام کتب خانوں سے استفادہ کرنا انتہائی دشوار تھا - لیکن دور حاضر میں یہ کتاب اراتہ الطریق کا فریضہ انجام دے رہی ہے البتہ سید عبدالحئی نے اہل علم اور تحقیق کے طالب علموں کے لئے نمایاں کارنامہ انجام دیا ہے - اس کے بعد ہندوستان میں اس موضوع پر سست رفتاری سے کام ہوتا رہا اور موجودہ دور میں بھی اہل علم و تحقیق نے اس جانب کچھ توجہ دی ہے لیکن ابھی تک ہندوستان میں عربی ادب کا یہ بیش بہا خزانہ پردۂ خفا میں ہے اور اس کو منظر عام پر لانے کی سعی مسلسل جاری ہے - شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں بھی اس پر تحقیق کا سلسلہ تیزی کے ساتھ جاری ہے - جناب ڈاکٹر مسعود انور علوی ریڈر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی نے اس سلسلہ میں "عربی زبان و ادب میں اودھ کا حصہ" "کواکب" اور "اودھ کے چند عربی علما" جیسی کتب تحریر کرکے اس کام کو مزید آگے بڑھایا ہے -

ہندوستان میں مغلوں کی آمد بلا شبہ تاریخ عالم کا ایک عظیم الشان واقعہ ہے تعلیمی و تہذیبی نقطہ نظر سے مغلوں کی آمد نے ہندوستان کی حیات اجتماعیہ کے دامن کو بےشمار گل ولالہ سے بھر دیا تھا - اور ان کی آمد سے

معیشت و معاشرت اور تعقل و تفلسف کی ایسی ایسی لہریں اٹھیں جن سے صدیوں پہلے اور بعد کے دور دراز گوشے تک متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے -

ظہیر الدین محمد بابر اور اس کا جانشین ہمایوں دونوں معارف پروری اور علماء نوازی میں نمایاں مقام رکھتے تھے اس دور کے جن مقتدر علماء نے ہندوستان کے علمی افق کو تابناک بنائے رکھا ان میں ملا حسین واعظ کاشفی شیخ سیف الدین تفتا زانی میر جمال الدین محدث شیخ زین الدین خوافی خاں شیخ عبدالقدوس گنگوہی شیخ امان اللہ پانی پتی شیخ محمد غوث گوالیاری کافی مشہور ہیں -

عہد اکبری کی علمی سرگرمیاں بھی کچھ کم نہیں ہیں بلکہ بعض فنون میں اس دور میں خاص طور سے کام ہوا ہے - جو سلسلہ پہلے سے یہاں چلا آرہا تھا وہ یہاں بھی جاری رہا اور اکبر نے اپنی حکومت کے ابتدائی سالوں میں علماء نوازی کی بہترین مثال قائم کی تھی اگرچہ بعض اسباب کی وجہ سے اس کی یہ خصوصیت باقی نہ رہ سکی - تاہم اس کے دور میں بڑے بڑے ماہرین فن موجود تھے - اور ہر سطح پر علوم دینیہ کی خدمت کر رہے تھے - شیخ عبدالنبی گنگوہی شیخ الاسلام عبداللہ سلطانپوری ابوالفضل اور فیضی وغیرہ اس دور کی مشہور شخصیات ہیں - عہد جہانگیری علوم و فنون کی سرپرستی کے لئے کافی شہرت رکھتا ہے - بادشاہ نے چونکہ تعلیم و تربیت اچھی پائی تھی اس لئے اس کے گرد علماء و فضلاء کا اجتماع رہتا تھا - عبدالحق محدث دہلوی اور شیخ احمد سرہندی عہد جہانگیری کی ممتاز ہستیاں ہیں - جن کے اثرات ہندوستان کے ذہن و فکر پر بڑے دور رس پڑے -

جہانگیر کے بعد جس علم پرور بادشاہ اور تہذیب و تمدن کے معمار کے ہاتھوں میں حکومت آئی وہ شاہ جہاں ہے اس نے خاندان مغلیہ کی روایت کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ اس میں تنوع بھی پیدا کیا ۔ جہاں تک عہد شاہ جہانی کا تعلق ہے وہ اپنی علمی جدوجہد اور معارف پروری کے لئے ہر دور سے نمایاں ہے تاریخ شاہد ہے کہ عہد شاہ جہانی نے دنیا کو وہ جلیل القدر فقیہہ مفسر محدث اور ماہرین علم و فن عطا کئے جو اپنی متبحر علمی اور دینی بصیرت کے لئے منفرد مقام رکھتے ہیں ۔ اسی علمی و دینی فضا میں مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کی صلاحتیں ابھرتی ہیں مسند درس و تدریس اگرچہ انھوں نے بہت پہلے عہد اکبری ہی میں سنبھال لی تھی اور ہزاروں تشنگان علم و معرفت ان کی طرف رجوع بھی کر رہے تھے اور ان کا قائم کردہ مدرسہ اس وقت کے ہندوستان کی اسلامی یونیورسٹی میں تبدیل ہو چکا تھا ۔ لیکن ان کو صحیح عروج عہد شاہ جہانی میں حاصل ہوا ۔

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کی زندگی پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو وہ عزم و استقلال اور ہمت و حوصلے کے کوہ ہمالیہ پر نظر آتے ہیں جو کام بھی انجام دیا پورے عزم و استقلال کے ساتھ انجام دیا ۔ انھوں نے الحاد اکبری کا جس شان سے مقابلہ کیا اور ہندستانی مسلمانوں کو ذہنی طور پر بلندی کے اس مقام پر لاکھڑا کیا کہ زمانہ قال اللہ و قال الرسول کے فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھا ۔

ان کو شیخ کمال الدین کشمیری نے ابتدائے تعلیم سے ہی خصوصی تربیت میں رکھ کر اس نہج سے سنوارا تھا کہ انھوں نے تا عمر مسلمانان ہند

کی قیادت کی - وہ اپنے جملہ اوصاف کے لحاظ سے بدیع الزماں نادرالعصر اور یکتائے روزگار اور محاسن اعمال اور بلند اخلاق و کردار کے لحاظ سے بالکل منفرد اور بے مثال تھے ان کا علمی ذوق اور خوب سے خوب تر کی تلاش و جستجو انھیں درس و تدریس کے علاوہ جب تصنیف و تالیف کی طرف بھی متوجہ کرتی ہے تو کئی قابل قدر کتب کی شرحیں اور حواشی عالم وجود میں آتے ہیں جن کی علمی شہرت اور ادبی و دینی مقام بڑے بڑے نامور علماء کو خراج تحسین پیش کرنے پر مجبور کردیتا ہے -

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے اپنی فقہانہ عقدہ کشائیوں اور مفسرانہ نکتہ سنجیوں کی بدولت دنیائے علم و ادب میں ایک بلند مقام حاصل کرلیا - اور ان کی علمی بصیرت نے ان میں قرون اولی کے اسلاف کا رنگ پیدا کردیا تھا۔ لیکن افسوس کا مقام ہے ایسے فرید العصر عالم (جن کی فقیہانہ موشگافیوں اور مفسرانہ نکتیہ سنجیوں سے آج بھی عربی مدارس کی فضائیں اور در و دیوار گونج رہے ہیں) پر ہندوستان میں کوئی تحقیقی علمی کام نہیں ہوا اور آج بھی ان کی ہمہ گیر شخصیت کے تہ در تہ پہلو پردۂ خفا میں ہیں میں سابق صدر عربی پروفیسر محمد راشد کی بھی ممنون ہوں جنھوں نے اس موضوع کی منظوری عطا کی - چنانچہ میری پی - ایچ - ڈی کے تحقیقی مقالہ کا موضوع "مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی حیات اور کارنامے" ہے - مقالہ ہذا کو پانچ ابواب میں حسب ذیل عنوانات کے تحت مرتب کیا گیا ہے -

باب اول - عہد مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے سیاسی سماجی اور علمی و ادبی حالات -

باب دوم - وطن خاندان ولادت تعلیم و تربیت اساتذہ علمی مشاغل وفات اولاد تلامذہ اور رفاہی یادگاریں -

باب سوم - مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے معاصر علماء (معاصرین میں صرف چھ علماء کو اولیت دی گئی ہے) -

1 - شاہ محب اللہ الہ آبادی

2 - ملا عبدالسلام دیوی

3 - سعد اللہ خاں

4 - شیخ عبدالحق محدث دہلوی

5 - حضرت میاں میر لاہوری اور

6 - ملا محمود جونپوری ہیں

باب چہارم - علمی و ادبی کارنامے

تفسیر فقہ عقائد و علم کلام منطق و فلسفہ علم نحو و بلاغت مستقل تصانیف متفرق

باب پنجم - مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کا علمی مرتبہ و مقام

مقالہ کے آخر میں ان کتب کی فہرست بھی دیدی گئی ہے جن سے بالواسطہ استفادہ کیا گیا یا جن سے حوالہ کا کام لیا گیا -

کسی ایسے موضوع یا علمی شخصیت پر تحقیق و جستجو کا عزم کرنا جس پر آج تک کم سے کم ہندوستان میں کوئی تحقیق و تلاش کا کام نہ ہوا ہو جوئے

شیر لانے سے کم نہیں ہے اور ایک ادنی طالب علم کے لئے تو سخت آزمائشی مرحلہ ہے لیکن جب فضل ایزدی شامل حال ہو تو دشوار گذار راستوں کے لئے خضر راہ بھی میسر ہو جاتے ہیں ۔

چنانچہ اس مقالے کی تکمیل کے لئے میں نے پاکستان کا سفر بھی کیا جس میں مجھے کامیابی ملی ۔ اور سیالکوٹ میں مجھے مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی کا مزار دیکھنے کا موقع ملا اس طرح تصاویر کے ذریعہ ان کی آخری آرام گاہ کو اپنے مقالے کے لئے محفوظ کرلینے کی دیرینہ خواہش کی تکمیل ہوئی جس کی مختلف کاپیاں مقدمے کے بعد منسلک ہیں ۔ اور اس دشوار اور اہم کام کے لئے اللہ تعالی نے تمام دنیاوی سہولتیں اور مواقع عطا کئے اور ان کے لئے ضروری وسائل بھی مہیا کئے اور آج جب تحقیقی کام اپنے اختتامی مراحل طے کر چکا ہے تو بے ساختہ اپنے رب کریم کے لئے زبان پر شکر و احسان کے کلمات جاری ہیں ۔

میں اپنے کرم فرماؤں جناب ڈاکٹر ظہور الحق صاحب ریڈر شعبہ عربی اور جناب ڈاکٹر مسعود انور علوی صاحب ریڈر شعبہ عربی جو میرے تحقیقی سفر میں یکے بعد دیگرے رہبر و راہ نما رہے ہیں کی انتہائی ممنون ہوں جن کی سرپرستی نے کام کرنے کا حوصلہ دیا اور جن کے قیمتی مشوروں نے سمت سفر کے تعین میں آسانی فراہم کی ۔ میں خاص طور پر ڈاکٹر مسعود انور علوی صاحب کی تہہ دل سے مشکور ہوں جن کی پر خلوص شفقت نے تحقیق و تلاش کی دشوار گذار راہوں میں قدم قدم پر میری رہنمائی فرمائی اور اپنے علمی و تحقیقی کرم بے پایاں سے اتنا نوازا کہ میرے تحقیقی سفر کی تمام مشکلیں آسان ہوگئیں ۔

آخر میں ان تمام کرم فرماؤں اور احباب کی بھی ممنون ہوں جنھوں نے اس مقالے کی تکمیل اور تحقیقی سفر کے لئے میرے حوصلے بڑھائے اور مجھے امنگ عطا کی - ان کا شکریہ ادا کرنے کے لئے سوچتی ہوں مگر الفاظ نہیں ملتے اس سب کے باوجود وہ تمام احباب اور کرم فرما جانتے ہیں کہ میرے دل و دماغ کی لوح پر ان کے نام کیسے احساس تشکر کے ساتھ ثبت ہیں -

اس مقالے کی ترتیب و تحریر میں ان سب ساتھیوں عزیزوں دوستوں کی مجھ پر بڑی عنایات ہیں لہذا ان کے شکریے کی یہ سطور لکھ کر صحیح معنوں میں مجھے احساس ہوا کہ ہاں اب یہ مقالہ مکمل ہے -

نعیم النساء

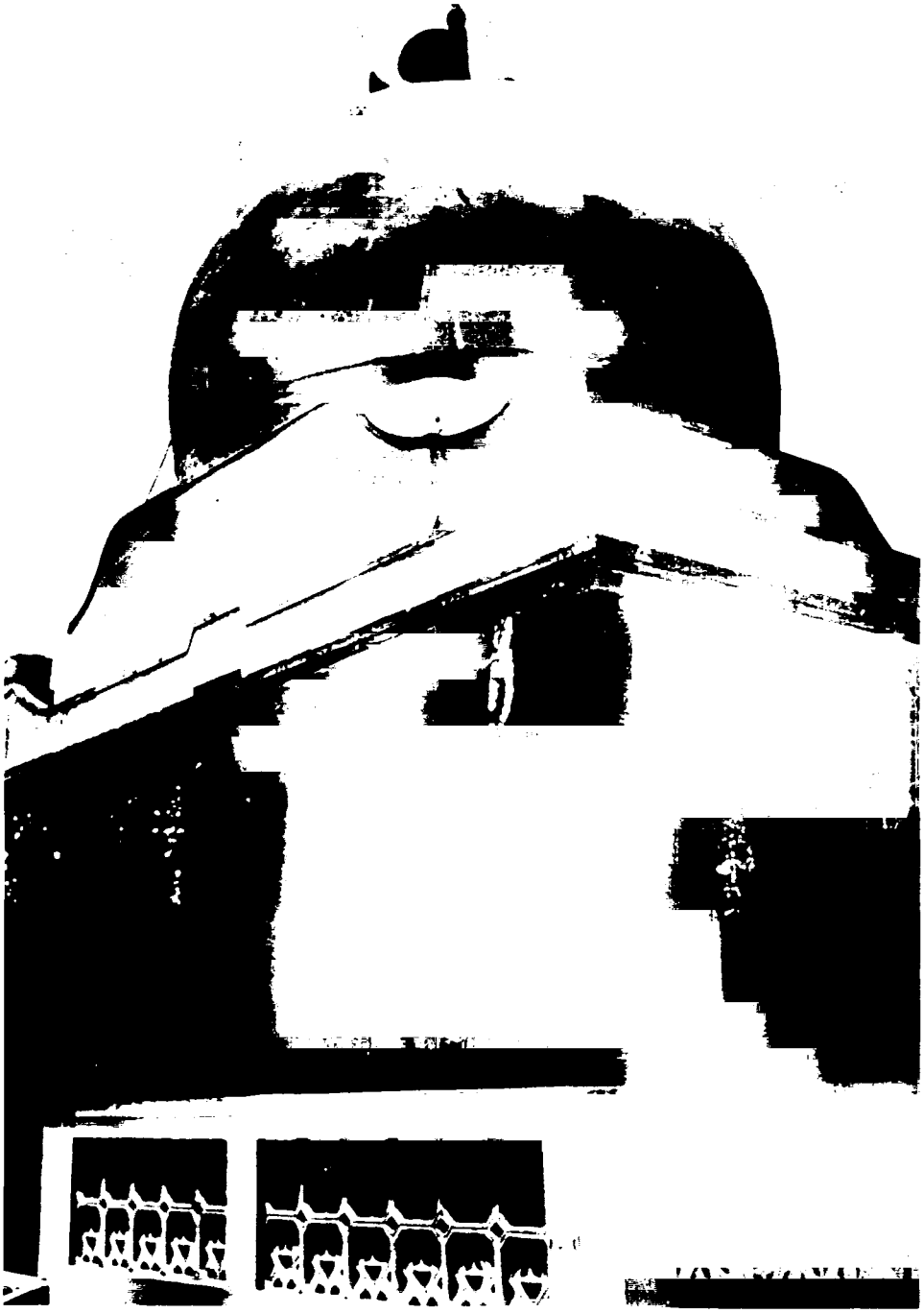

مزار مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی

مزار کا صدر دروازہ

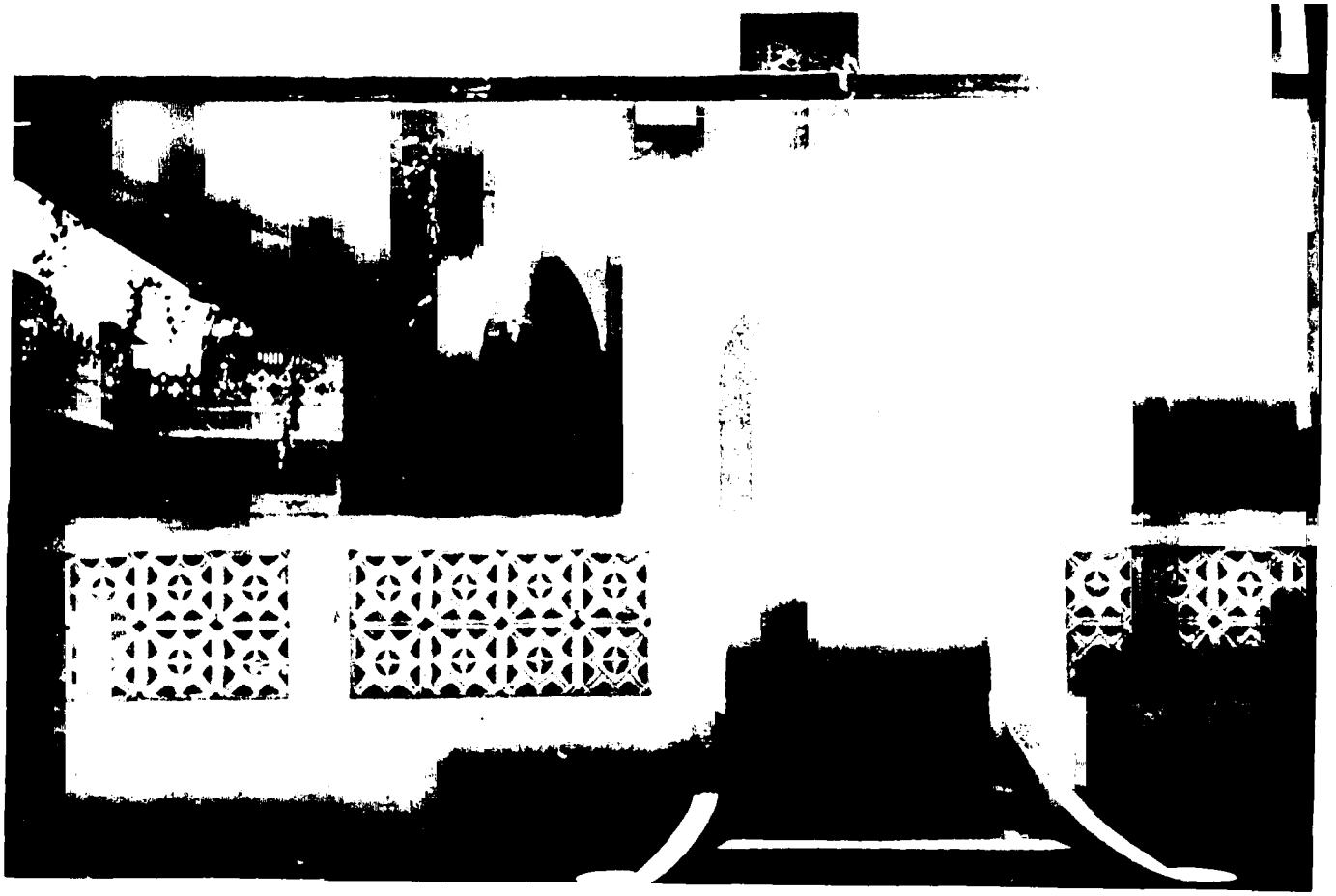

داخلے کا راستہ

مزار پر نصب شدہ کتبہ

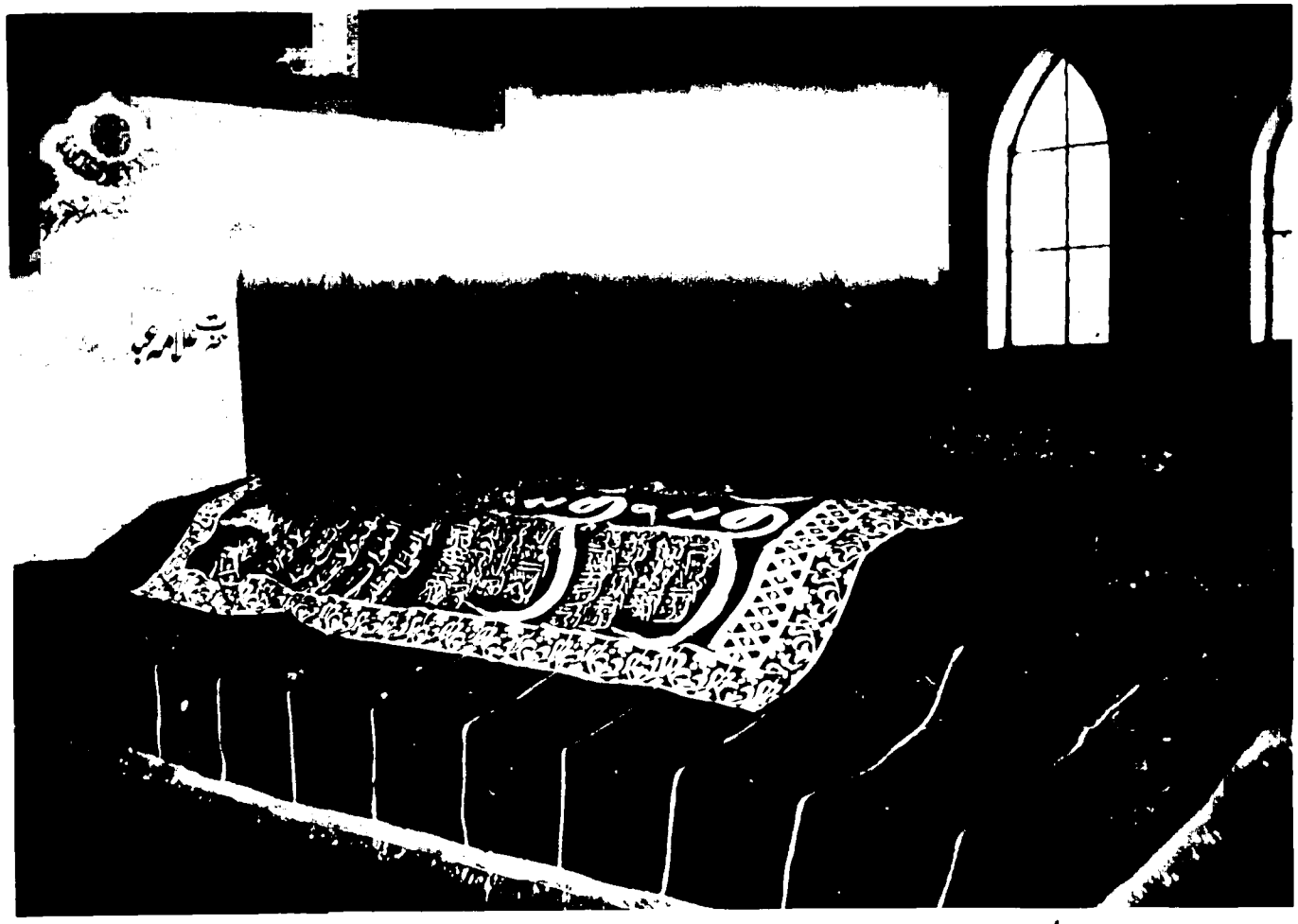

مولانا کی آخری آرام گاہ، پس منظر میں ان کے صاحبزادے مولوی عبداللہ کا مزار

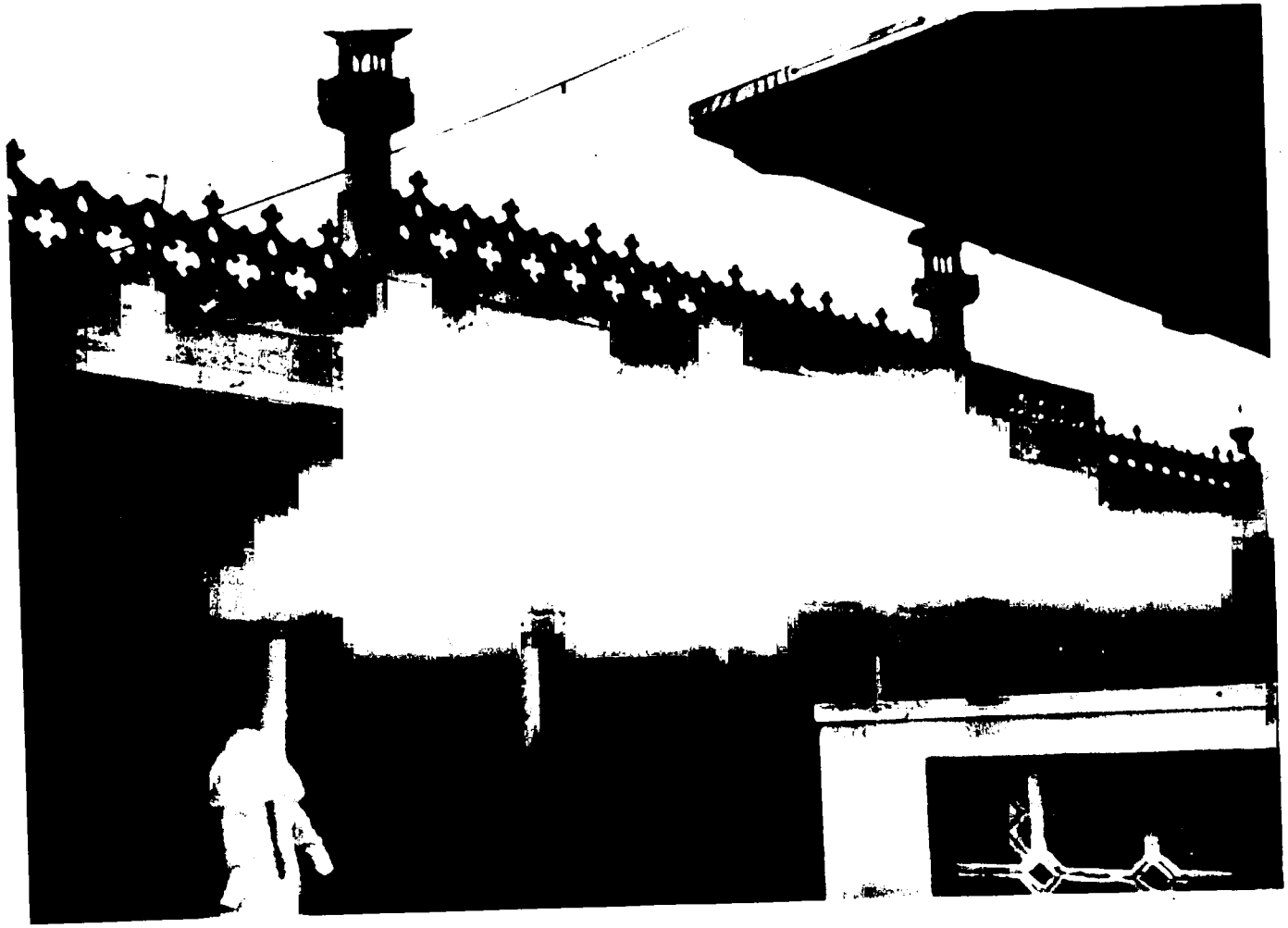

مزار سے ملحقہ مسجد

باب اوّل :

عہد مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی

— سیاسی حالات
— سماجی و مذہبی حالات
— علمی و ادبی حالات

سیاسی حالات

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کی پیدائش کے بارے میں اختلاف ہے - تذکرہ کی مختلف کتابوں میں یہ اختلاف اس قدر ہے کہ کہیں عہد عالمگیری کا مشہور مؤرخ بختاور خاں اپنی تصنیف "مرآتہ العالم" میں 988ھ میں لکھتا ہے تو دوسری طرف ڈاکٹر محی الدین صوفی ان کی تاریخ پیدائش 968ھ لکھتے ہیں مگر ایک بات طے ہے کہ ان کا عہد دسویں صدی کا نصف آخر اور گیارھویں صدی کا اوائل ہے (1)

دسویں صدی کے اوائل میں لودھی خاندان کی حکومت تھی جس کا آخری حکمراں ابراہیم لودھی 932ھ میں سلطنت مغلیہ کے بانی ظہیرالدین محمد بابر (888ھ تا 939ھ) کے ہاتھوں قتل ہوا - اور سلطنت مغلیہ جو ہندوستان کی مسلم سلطنتوں میں سب سے وسیع مستحکم و منظم اور طویل العمر سلطنت تھی کی بنیاد پڑی - لودھی خاندان اپنی افغانی روایات کی بنا پر اسلام کا حلقہ بگوش اور حنفی مذہب کا پابند تھا اسی صدی کے پانچ خوش نصیب سال شیرشاہ سوری (م 1545ء) کے زیر حکومت گزرے جس سے زیادہ صاحب علم اور دیندار حکمراں نہیں گزرا - اس کے انتقال کے بعد سے اکبر کی تخت نشینی تک ہندوستان کو سیاسی و انتظامی استحکام اور رعایا کو فارغ البالی نصیب نہ ہوئی (2)

لہذا دسویں صدی ہجری کا نصف آخر اور گیارھویں صدی کا عہد ہندوستان میں مغل سلطنت کا عہد ہے جس میں یکے بعد دیگرے تین نامور

---

(1) دائرہ معارف اسلامیہ (اردو) (ص- العجلی) ج - 12 ص 835

(2) سید ابوالحسن ندوی - تاریخ دعوت و عزیمت ج - 4 ص 28

حکمراں تخت پر بیٹھے ـــــ

جلال الدین محمد اکبر (1556ء / 963ھ تا 1605ء / 1014ھ)

نور الدین جہانگیر (1605ء /1014ھ تا 1627ء / 1036ھ)

شہاب الدین شاہ جہاں (1627ء/1036ھ تا 1658ء / 1068ھ)

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے ایک طویل عمر پا کر عہد شاہ جہانی کے خاتمے کے ساتھ ساتھ ہی داعی اجل کو لبیک کہا ۔ ہندوستان میں مغلوں کی آمد بلا شبہ ایک تاریخ ساز واقعہ ہے اور سیاسی اعتبار سے ہندوستان میں ایک نئے دور کا آغاز بھی ۔ ہندوستانی سیاسی نظام کا تعین جغرافیائی معاشی اور ذہنی ماحول سے کیا جاسکتا ہے ۔ یہاں سماج کی تنظیم شہری ریاست پر نہیں بلکہ ملکی سیاست کی بنیاد پر تھی اور شہنشاہیت کا رواج محض اس وجہ سے تھا کہ یہاں جنگ کا رواج عام تھا اور اس کا تقاضا قوت کی فراہمی اور اپنی فوجی طاقت بڑھانا تھا ۔ ملک کی بنیادی جغرافیائی اور تہذیبی وحدت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ریاستوں کی تعداد بڑھتی گئی اور آپسی جنگ و جدل اور لڑائی نے حکومت کو واضح طور پر شہنشاہیت کی شکل اختیار کرنے اور عوام کو مضبوط نظام حکومت قبول کرنے پر آمادہ کیا ۔ چنانچہ ہندوستانی سماج نے خود کو اس کے تحت منظم کیا اور چونکہ مغل حکومت اپنی فطرت کے لحاظ سے مطلقاً شہنشاہیت پسند تھی ۔ لہذا اس کی بنیاد نہ ذات پر تھی اور نہ قوت پر کیونکہ یہ بات ناممکن تھی کہ ایک وسیع و عریض ملک جس کی آبادی کے باشندوں کی کثیر تعداد جو لاکھوں دیہاتوں اور قصبوں پر مشتمل تھی محض قوت کے زور پر اس پر زیادہ عرصہ تک تسلط قائم رکھا جاتا اور مغل حکومت کو ڈیڑھ صدی سے زیادہ قائم رکھنے

کے لئے اس سے زیادہ مضبوط بنیاد کی ضرورت تھی ۔ لہذا انھوں نے خلافت سے ملتے جلتے اختیارات اپنا کر ایک عظیم الشان اسلامی حکومت کا آغاز کیا ۔ بابر نے دسویں صدی کے شروع میں لودھی خاندان کو شکست دے کر دھلی سلطنت پر قبضہ کیا لیکن دھلی کی فتح کے چار سال بعد ھی وفات پا گیا اس طرح اسے استحکام سلطنت کا پورا موقع ھی نہ ملا چنانچہ اس کا جانشین ھمایوں (937ھ تا 963ھ) تخت پر بیٹھتے ھی شورشوں کا شکار ھوگیا اور صرف دس سال کے بعد ھی شیرشاہ سوری نے اسے شکست دے کر ملک بدر کردیا ۔ اس کے بعد ھمایوں نے اپنی عمر کے آخری ایام میں شاہ ایران کی مدد سے تخت دھلی دوبارہ حاصل کیا ۔ وہ ابھی ھندوستان کو پوری طرح متحد بھی نہ کر پایا تھا کہ چند ماہ بعد اپنے کتب خانے کی سیڑھیوں سے گر کر 1556ء / 963ھ میں ھلاک ھو گیا ۔(3)

اس کی موت کے ساتھ ھی ھندوستان ایک بار پھر شورشوں کا شکار ھو گیا کیونکہ اس وقت تک ھندوستان میں امن و امان کی فضا قائم نہ ھو پائی تھی ھمایوں کی وفات کے وقت اکبر دھلی میں نہ تھا بلکہ اپنے اتالیق بیرم خاں کے ساتھ پنجاب میں پیچھے کھے سوری افغانوں کے ساتھ لڑائی میں شریک تھا ۔ وھیں کلانور کے مقام پر بیرم خاں نے اس کی رسم تاج پوشی کی اور خود اس کا سرپرست بنا ۔ ھمایوں اگرچہ دھلی پر قابض تھا لیکن سوری افغان بدستور اپنی سازشوں اور شورشوں میں مصروف تھے ۔ چنانچہ جیسے ھی ھمایوں کا انتقال ھوا ھیمو بقال نے فوراً دھلی اور آگرہ پر قبضہ کرلیا اور بکرماجیت کے نام سے بادشاہ بن بیٹھا۔ لہذا اکبر تخت نشین ھوتے ھی ھر طرف سے مشکلات میں گھر گیا ۔

---

(3) محمد اکرام ۔ رود کوثر ص 78

شروع شروع میں اکبر کے ہر طرف دشمن ہی دشمن تھے ۔ پنجاب میں سکندر سور کا زور تھا مشرق میں عادل شاہ سور تخت پر قبضہ کرنے کی فکر میں تھا ۔ کابل میں اکبر کا سوتیلا بھائی مرزا حکیم بیگ خود مختار بادشاہ کی حیثیت سے حکومت کر رہا تھا ۔ لیکن اس کا سب سے بڑا دشمن عادل شاہ سور کا وزیر تھا ۔ جو دھلی و آگرہ پر قابض تھا ۔ غرض اس وقت ہندوستان میں ایک عجیب سیاسی افرا تفرا تفری پھیلی ہوئی تھی چنانچہ اکبر نے تخت نشیں ہوتے ہی اپنے اتالیق بیرم خاں کی سرپرستی میں 1556ء میں پانی پت کے تاریخی میدان میں بکرماجیت کو شکست فاش دے کر دھلی اور آگرہ کو دوبارہ حاصل کیا اور ہندوستان میں مغل حکومت کی دوبارہ بنیاد ڈالی ۔ اور مغل حکومت کا بانی کہلایا ۔ کیونکہ جب وہ تخت نشیں ہوا تو اس وقت ہندوستان لاتعداد چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا ۔ اکبر کی نو عمری کی وجہ سے کئی سال تک اس کی سلطنت کا انتظام اس کے قابل اور وفادار اتالیق بیرم خاں نے سنبھالا ۔ تخت نشینی کے فوراً بعد اکبر نے اس کی سرپرستی میں دھلی آگرہ اور پنجاب 1556ء میں فتح کئے ۔ اس کے بعد ابتدائی چار سال میں گوالیار ۔ اجمیر اور جونپور کے علاقے فتح کرکے مغل سلطنت کی سرحدوں کو تیزی سے بڑھانا شروع کیا اور چند سال میں ہی بیرم خاں نے اپنی کاوشوں سے اکبر کی سلطنت کی بنیادیں نہایت مضبوط کردیں ۔

چنانچہ جب 1560ء میں اکبر نے عنان حکومت باقاعدہ اپنے ہاتھ میں لی تو اس وقت سلطنت کافی حد تک مضبوط ہو چکی تھی لہذا اس نے اپنی فتوحات کا آغاز کرتے ہوئے 1562ء میں مالوہ اور 73 - 1572ء میں گجرات فتح

فتح کئے اس کے بعد مسلسل فتوحات کے ذریعہ بنگال کشمیر سندھ بلوچستان اور کابل کو بالترتیب 1579ء 1586ء 1592ء 1595ء اور 1585ء میں اپنی قلمرو میں شامل کرلیا ۔ قندھار کو اس کے گورنر نے خود ھی مغل حکومت کی سرپرستی میں دے دیا اور دکن اور احمد نگر کا حصہ اس کے بالکل آخری دور میں یعنی 1600ء میں فتح ھوا (4)

اس طرح اس کی سلطنت بنگال سے افغانستان تک اور کشمیر سے لیکر دکن میں دریائے گوداوری تک پھیل گئی ۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ھے کہ ھندوستان کی سرحد ایران کی مشرقی سرحد سے لیے کر موجودہ آسام اور ھمالیہ سے مہاندی اور گوداوری تک پھیل چکی تھی ۔ اس وقت ھندوستان کی کل آبادی نو سے دس کروڑ کے درمیان تھی ۔ اکبر نے اپنے پچاس سالہ عہد حکومت میں اتنی بڑی سلطنت قائم کردی تھی جس کی مثال ملنا مشکل ھے ۔ اس کا انتظام سلطنت بڑا قابل تعریف تھا ۔ اس نے سول مالی فوجی ھر محکمہ میں بڑی مفید اصلاحات کیں ۔ شیخ محمد اکرام اپنی شہرہ آفاق تصنیف "رود کوثر" میں اس کی تعریف میں یوں رطب اللسان ھیں ـــــ

> "اکبر کی مسلسل فتوحات اسے تاریخ میں ایک خاص درجہ دیتی ھیں لیکن ملک گیری آسان ملک رانی مشکل ۔ اکبر کا اس سے بھی اھم کام اس وسیع سلطنت کا کامیاب نظم و نسق تھا ۔ اور ملکی حکومت کے لئے نظام مرتب کرنا تھا ۔ جو معمولی تبدیلیوں کے ساتھ تمام مغلیہ دور میں

---

(4) شیخ محمد اکرام ۔ رود کوثر ص 81

برقرار رہا - - - - - اکبر کی مسلسل فتوحات اور اس کا
کامیاب نظم و نسق کا راز سب سے زیادہ ان امراء و
اراکین سلطنت کی قابلیت اور فرض شناسی اور وفاداری
میں پنہاں ہے جو اکبر نے اپنے گرد جمع کرلئے تھے۔(5)

اکبر مطلق العنان بادشاہ تھا - وہ سول گورنمنٹ کا اعلی افسر ہونے کے علاوہ فوج کا سپہ سالار اعظم بھی تھا - انتظام حکومت کے لئے اس نے اپنی وسیع سلطنت کو 15 صوبوں میں تقسیم کر رکھا تھا اور ہر صوبہ ایک صوبیدار کے ماتحت تھا جو یا تو بادشاہ کا کوئی رشتہ دار یا اعلی رتبہ کا کوئی امیر ہوتا تھا - اس کی مدد کے لئے ایک دیوان ایک فوجدار ایک عامل اور دیگر کئی افسر مقرر ہوتے تھے - شہروں میں مقدمات سننے کے لئے قاضی اور قیام امن کے لئے کوتوال مقرر تھے - اسی لئے دور دراز صوبوں پر مغل سلطنت کی مسلسل گرفت تھی اور بغاوتوں کا بھی فقدان تھا - لہذا اسی نظام کے اراکین ان صوبوں کی تمام اہم اسامیوں پر فائز ہوتے تھے - اچھا کام کرنے کی بنا پر ان کو ترقی بھی دی جاتی تھی اور ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں ان کے تبادلے بھی ہوتے رہتے تھے اس کے دور میں سزائیں بڑی عبرتناک تھیں اپیل کی آخری عدالت بادشاہ تھا - اس کے علاوہ اس کا فوجی انتظام نہایت اعلی تھا - فوجی افسروں کو منصب دار کہا جاتا تھا اور ان کے 33 درجے ہوتے تھے چھوٹے سے چھوٹا منصب دار دس سوار اور بڑے سے بڑا دس ہزار سوار اپنی کمان میں رکھ سکتا تھا - منصب دار کے بڑے درجے صرف شہزادوں اور اعلی رتبہ کے افسروں کے لئے

---

(5) شیخ محمد اکرام - رود کوثر ص 81

مخصوص تھے ۔ تمام منصب دار اپنے علاقوں میں قیام امن اور لگان کی فراہمی کے ذمہ دار تھے ۔ جن کو عموماً تنخواہیں نقد دی جاتی تھیں لیکن بعض کو جاگیریں بھی عطا کی جاتی تھیں ۔ شاہی فوج میں پیادے رسالہ ہاتھی توپ خانہ اور بحری جہاز بھی تھے ۔

اس کے عہد کا سب سے شاندار کارنامہ زمین کا بندوبست تھا ۔ جو معمولی تبدیلیوں کے ساتھ آج بھی رائج ہے ۔ ایک زراعتی ملک ہونے کی وجہ سے ہندوستان میں اس مسئلہ کی اہمیت صاف ظاہر ہے اور جس کا بہترین حل اس کے سب سے زیادہ تجربہ کار وزیر راجہ ٹوڈرمل اور امیر فتح اللہ شیرازی نے کیا تھا ۔ راجہ ٹوڈر مل شیرشاہ کے زمانے میں بھی یہ کام کرچکا تھا ۔ لہذا عہد اکبری میں تمام قابل کاشت زمین کی پیمائش کی گئی اور زرخیزی کے لحاظ سے اسے چار حصوں میں تقسیم کیا گیا اور کل پیداوار کا 1/3 حصہ لگان مقرر کیا گیا ۔ اکبر جنس کے مقابلے میں نقدی کو ترجیح دیتا تھا اسی لئے لگان عام طور پر نقدی پر مشتمل ہوتا تھا ۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اہم امور میں کتنی عرق ریزی سے کام لیا گیا ۔ اور اسی وجہ سے مغل حکومت میں ایک اعتدال اور توازن و پائداری آگئی ۔

نظام سلطنت کے سلسلے میں اکبر میں بہت سی خوبیاں تھیں وہ منظم فاتح جنگجو اور قابل حکمراں تھا ۔ اس میں ملک گیری اور ملک رانی کی صلاحتیں بدرجہ اتم موجود تھیں ۔ اس نے جس طرح ہندوستان کو وسعت دی اور جس انداز سے مرتب کیا وہ اسی کا حصہ ہے اس نے ملکی نظام ایسے انداز سے مرتب کیا

تھا جو تمام مغلیہ دور میں برقرار رہا اور جس پر ہندوستان و پاکستان آج بھی بڑی حد تک عمل پیرا ہیں ۔ اس کی سلطنت کے قواعد و قوانین نہایت مضبوط اور مثالی تھے ہر صغیر کا وسیع و عریض خطہ دور دراز صوبوں میں بٹا ہوا تھا۔ اور مرکز کی گرفت اس پر اس قدر مضبوط تھی کہ کہیں بغاوت یا نافرمانی کا خطرہ نہ تھا ۔ اسی وجہ سے انگریزی دور کا نظام حکومت بہت حد تک اکبر ہی کے نظام حکومت سے ہم آہنگ تھا ۔

اکبر اگرچہ زیادہ پڑھا لکھا نہ تھا مگر مردم شناس اور جوہر قابل کا قدردان تھا ۔ اس نے لائق اور فرض شناس افراد اپنے دربار میں جمع کئے اور اسی لئے اس کی بےپناہ فتوحات کا سلسلہ آگے بڑھا ۔ وہ پہلا مسلمان بادشاہ تھا جس نے یہ محسوس کیا کہ سلطنت کی پائیداری اور مضبوطی تمام رعایا کی خلوص دلی اور خوش نودی پر منحصر ہوتی ہے ۔ اسی لئے اس نے مسلمانوں اور ہندوؤں کے ساتھ ایک جیسا سلوک کرتے ہوئے ہندوؤں پر سے جزیہ ہٹا دیا اور یہ بات قابل تعریف ہے کہ جب یورپ کے حکمراں مخالف مذہب کے ماننے والوں پر ظلم کر رہے تھے اکبر نے مذہبی رواداری اور آزادی کی اشاعت کی تاریخ میں وہ پہلا شخص ہے جس کے دور میں رعایا فارغ البال اور خوشحال تھی ۔ اس نے ازسر نو ہندوستان کو فتح کرکے اپنی بہادری اور حکمت عملی سے ان مفتوحہ علاقوں میں ایک نہایت اعلی حکومت قائم کرکے سلطنت مغلیہ کی بنیادیں اتنی پختہ کردیں کہ اس کے بعد تقریباً ڈیڑھ صدی تک اس کے جانشین بلاخوف و خطر حکومت کرتے رہے ۔

چنانچہ اگر دیکھا جائے تو اکبر ہی ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کا بانی تھا اس نے تقریباً 50 سال حکومت کی اور ان پچاس سالوں میں اس نے ایسی مضبوط و مستحکم حکومت قائم کی جس کی مثال رہتی دنیا تک قائم رہے گی اس نے 62 سال کی عمر میں 1014ھ / 1605ء میں وفات پائی اور اپنے دارالخلافہ آگرہ سے دو کوس دور سکندرہ میں دفن کیا گیا ۔ اور مقبرے کی عمارت 20 سال میں 20 لاکھ روپیہ کی لاگت سے تیار ہوئی (6)

جلال الدین محمد اکبر کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سلیم نورالدین جہانگیر کے لقب سے تخت نشیں ہوا جسے اکبر سے وسیع و عریض سلطنت ورثے میں ملی تھی اگرچہ اکبر نے اس کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا مگر باقاعدہ تخت نشینی 8 جمادی الآخر 1014ھ / 1605ء میں ہوئی جہانگیر کی عمر اس وقت 36 برس تھی وہ 977ھ / 1569ء میں فتح پور میں پیدا ہوا اور 1014ھ میں جب عمر عزیز کے 36 برس گزر چکے تھے تو تخت ہند پر جلوہ افروز ہوا اسے جنگ و جدل اور فاتحانہ سرگرمیوں کی خاص ضرورت نہ تھی اسی لئے اس نے نہایت ہوشمندی اور تدبر سے کام لیتے ہوئے ملک کے اندرونی نظام کو مضبوط اور مستحکم کیا ۔ بہت سے مفید قوانین بنائے اور کئی مفید اصلاحات جاری کیں اس نے وحشیانہ سزائیں منسوخ کیں ۔ شراب اور دیگر نشہ آور اشیاء کا استعمال قانوناً بند کیا ۔ خاص خاص دنوں میں ذبح کرنا ممنوع قرار دیا اور اپنی رعایا سے براہ راست تعلق پیدا کرنے کے لئے قلعہ آگرہ میں زنجیر عدل

---

(6) ممتاز لیاقت ۔ شاہ جہاں نامہ ص 20

لگوادی تاکہ اسے کھینچ کر فریادی اپنی فریاد بادشاہ کے حضور پیش کر سکے - اس کی سیاسی پالیسی بیشتر وہی تھی جو اکبر کی تھی ہندوؤں اور راجپوتوں کو بہت نوازتا تھا اور ملکی مفاد کے لئے اسے ضروری خیال کرتا تھا اس کا عہد فرقہ پرستی سے الگ رہا ہے -

جہانگیر کا عہد سیاسی طور پر امن رہا ہے مگر چونکہ مغل بنیادی طور پر ایک مہم جو قوم تھی اسی لئے اس نے بھی اپنے والد کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے کئی چھوٹی بڑی لڑائیاں لڑیں - سب سے پہلے اپنی تخت نشینی کے چند ماہ بعد ہی اپنے بڑے لڑکے خسرو سے مقابلہ کرنا پڑا جس نے چند درباریوں کے کہنے میں آکر بغاوت کردی تھی لہذا جہانگیر نے اسے لاہور کے قریب شکست دے کر کابل کی طرف بھگادیا - اس کے علاوہ 1614ء میں اس نے مہاراجہ میواڑ رانا امر سنگھ کو شکست دی - 1610ء میں احمدنگر اور 1620ء میں کانگڑہ فتح کیا - ان تمام فتوحات پر اسے بڑا ناز تھا کیونکہ ان قلعوں پر اکبر بھی اپنی فتح کا پرچم بلند نہ کرسکا تھا - البتہ اس کے عہد میں قندھار کو 1622ء میں ایرانیوں نے دوبارہ واپس لے لیا تھا - ان فتوحات کے علاوہ جہانگیر کا عہد سیاسی لحاظ سے پر امن تھا (7)

انگریز جو مغل سلطنت کے خاتمہ کے بعد وراثت کے حقدار ہوئے ان کی سرگرمیوں کا آغاز جہانگیر کے عہد حکومت ہی سے شروع ہوا جس نے انھیں ہندوستان میں تجارت کی اجازت دے کر ایسی غلطی کی جس نے بعد

---

(7) ثروت صولت - ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ ص 284

میں ایک سیلاب کی شکل اختیار کرلی اور پورے ہندوستان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ۔ انگریزوں نے پرتگالیوں کی طرح پہلے ہی ہندوستان کے ساحلی علاقوں پر آباد ہونا شروع کردیا تھا ۔ اور آئینی طور پر THOMAS RAO (تھامس رو) نے جہانگیر کے دربار میں رسائی حاصل کرنے کے بعد اپنے قدم ہندوستان میں پوری طرح جما دیئے ۔ تھامس رو 1024ھ /1615ء میں جہانگیر کے دربار میں سفیر کی حیثیت سے آیا اور تین سال تک ہندوستان میں رہا غور کیا جائے تو وہ ہندوستان میں برطانوی حکومت کا معمار اول تھا جس نے تجارت کے نام پر ہندوستان میں انگریزوں کے قدم ایسے جمائے کہ مغلیہ حکومت کے خاتمہ کے بعد وہی ان کے جانشین بنے ۔

دسویں اور گیارھویں صدی میں ہندوستان کے افق پر شاہنشاہ جہانگیر اور شاہ جہاں دو ایسے تابندہ ستارے تھے جن کی وجہ سے ہندوستان کو سونے کی چڑیا کا نام دیا گیا ۔ بےشک مغل سلطنت کے اوائل یعنی عہد اکبری میں ہندوستان کی سیاسی حالت کچھ ابتر رہی مگر مسلسل کوششوں اور جنگی سرگرمیوں کی وجہ سے جلد ہی امن و امان قائم ہوگیا جس کے نتیجے میں جہانگیر کو ایک وسیع و عریض سلطنت ورثے میں ملی پھر جہانگیر کے بعد اس کے بیٹے شاہ جہاں نے تھوڑی سی رد و قدح کے بعد سلطنت حاصل کی جہانگیر کی زندگی کا مجموعی طور پر جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سمجھدار اور نیک دل بادشاہ تھا ۔ ظلم سے اسے شدید نفرت اور انصاف سے قلبی لگاؤ تھا ۔ اس کی سلطنت کا نظم و نسق اکبر اعظم ہی کے اصولوں پر تھا۔ اس نے بڑی جوانمردی اور بہادری سے اتنے بڑے ملک کا انتظام خوش اسلوبی

سے چلایا ۔ ساست عالیہ میں اس کی پالیسی بنگال اور میواڑ میں حق بجانب ثابت ہوئی اور مجموعی طور پر اس کی حکومت سلطنت کے امن و امان اور بہبودی کے لئے مفید رہی ۔ جہانگیر اگرچہ آرام طلب اور عیش پسند تھا لیکن نظام سلطنت میں اس سے کبھی کوتاہی نہ ہوئی ۔ راجپوتانہ اور بنگال میں اس نے دہلی کا اقتدار مستحکم کیا ۔ اور ہر قسم کی مخالفت کو کچل دیا اگرچہ اس کے زمانے میں بھی دکن کا نظام شاہی حکومت سے لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا اس کے عہد میں ہمالیہ کے دامن میں کانگڑہ 1620ء کو فتح ہوا اور بنگال کا شہر ڈھاکہ بھی اسی زمانہ میں آباد کیا گیا (8)

ڈاکٹر بینی پرشاد اپنی تصنیف "تاریخ جہانگیر" جس کا اردو ترجمہ رحم علی ہاشمی نے کیا ہے صفحہ 421 میں جہانگیر کی وفات کے بارے میں لکھتے ہیں ـــــ

"27 صفر 1037ھ / 29 اکتوبر 1627ء کو جہانگیر کشمیر کی سیر سے واپس آرہا تھا کہ راستے میں بیمار پڑا اور لاہور پہنچنے سے پہلے ہی انتقال کرگیا ۔ لاہور میں اس کو دفن کیا گیا اور اس کے بیٹے شاہ جہاں نے بعد میں اس کی قبر پر شاندار مقبرہ تعمیر کرادیا۔ جو آج لاہور کی شاندار تاریخی یادگاروں میں سے ایک ہے۔" (9)

---

(8) ثروت صولت ۔ ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ ص 284

(9) ڈاکٹر بینی پرشاد ۔ تاریخ جہانگیر ص 421

اس کے انتقال کے تین ماہ بعد 8 جمادی الآخر 1037ھ / 1627ء کو شاہ جہاں تخت نشین ہوا اس نے تخت نشینی کے بعد محمد شہاب الدین شاہ جہاں غازی کا لقب پایا ۔ اس وقت اس کی عمر تقریباً 37 سال تھی ۔ اس کا دور عجیب حالات سے گزرا جس کی شروعات سوتیلی ماں نورجہاں کی شورش اور سازش سے شروع ہوکر بیٹوں کی آپسی رسی کشی پر ختم ہوا ۔ وہ ملکی انتظام عہدوں اور مناصب وغیرہ کے لئے باصلاحیت افراد کا انتخاب اور تقرری کرتے وقت نہایت سوجھ بوجھ سے کام لیتا تھا ۔ اور امور سلطنت میں وہ خاطر خواہ صلاحیت کا مالک تھا اس کے عہد کا ابتدائی دور تو سیاسی اعتبار سے نہایت خوشگوار رہا لیکن آخری دور میں ولی عہدوں کی رسی کشی شروع ہوچکی تھی اس کی اولاد ذہنی و فکری اعتبار سے ایک دوسرے سے یکسر مختلف تھی اورنگ زیب قرآن و سنت کا پابند تھا دارا ایک آزاد خیال صوفی منش اور صلح کل انسان تھا ۔ اس پر اکبری ذہنیت غالب تھی ۔ شاہ جہاں نے بھی دارا میں خاص دلچسپی لی اور اسے اپنا مقرب خاص بنایا ۔ اس نے اسے حکومت کے معاملات و مسائل میں دخل اندازی کی اجازت دی ہوئی تھی ۔ اگر شاہجہاں دارا پر اس قدر نوازشیں نہ کرتا تو خانہ جنگی کے اسباب پیدا نہ ہوتے اور اس کا عہد شورشوں سے بچ سکتا تھا ۔

بہرحال شاہ جہاں کی پوری سلطنت کی بنیاد ایک مکمل نظام پر تھی اس کا حکم بشرطیکہ وہ اسلامی شریعت کے خلاف نہ ہو آخری سمجھا جاتا تھا بادشاہ کا رعایا سمیت روایتی اور رسمی قوانین کا احترام کرنا لازمی تھا ۔ نظری اعتبار سے اگرچہ بادشاہ کے اختیارات غیر محدود تھے مگر عملی طور پر ان پر پابندی

تھی ۔ حالانکہ اگر بادشاہ چاہے تو فوج کے ذریعہ اپنا حکم نافذ کراسکتا تھا ۔ لیکن ایسا کرنا ناممکن تھا ۔ اس زمانہ میں ان قوانین کی حیثیت موجودہ دور کے قوانین کے برابر تھی ۔ عہد مغلیہ میں اگرچہ باقاعدہ تحریری قوانین نہ تھے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ بادشاہ جابرانہ حکومت کرتے تھے ۔ بلکہ یہ بات غور طلب ہے کہ اگر مغلوں کی حکومت ظالمانہ یا مستبدانہ ہوتی تو اتنے دنوں قائم نہ رہ سکتی تھی ۔

مغلیہ حکومت کی تمام تفصیلات ایک کاغذ پر درج ہوتی تھیں اور انھیں کے مطابق نظم و نسق قائم تھا ۔ روایتی قانون کی پابندی سے بڑی سے بڑی پیچیدگیاں اور الجھے ہوئے مسائل حل ہو جاتے تھے ۔ شاہ جہاں کا دور حکومت مجموعی طور پر سلطنت مغلیہ کی خوش حالی کی معراج تھا ۔ اس کے زمانے میں شاہی خزانہ اس قدر پر تھا کہ کروڑوں روپیے خرچ کردینا معمولی بات تھی۔ اکبر و جہانگیر کی طرح شاہ جہاں نے بھی سرکاری عہدوں کی تقسیم میں ہندوؤں اور مسلمانوں کا برابر خیال رکھا اور بلا لحاظ مذہب و ملت یکساں سلوک کیا مغل بادشاہ مطلق العنان ضرور رہے مگر رعایا کی فلاح و بہبودی کا خیال ان سب پر حاوی رہا ۔

شاہ جہانی عہد کے اہم سیاسی واقعات میں پرتگالی ہنگامہ ہے ۔ 1632ء میں شاہ جہاں نے پرتگالیوں کو مستقل طور پر ہندوستان سے نکال دیا اس کے بعد 1638ء میں قندھار جس پر عہد جہانگیری میں ایرانیوں نے قبضہ کرلیا تھا پھر واپس لے لیا ۔ اس سے قبل شاہ جہاں نے تین مرتبہ قندھار لینے

کی کوشش کی مگر اسے کامیابی نہ ملی جب وسط ایشیا کے حکمراں امام قلی کے بعد ازبکوں میں خانہ جنگی شروع ہوئی تو شاہ جہاں نے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے 1646ء میں بدخشاں اور اپنے آبائی وطن بلخ پر قبضہ کرلیا ۔ لیکن دہلی کے سپاہی موسم کی شدت سے گھبرا کر واپس آگئے ۔ اس دور کی نمایاں کامیابیوں میں 1632ء میں احمد نگر پر قبضہ تھا (10)

شاہ جہاں کے عہد میں اگرچہ بلخ و قندھار میں بڑی بڑی لڑائیاں لڑی گئیں مگر سلطنت کے دوسرے حصوں میں امن و امان رہا ۔ اسی لئے اس کے پورے نظام حکومت میں ایک قوت و زندگی محسوس ہوتی ہے ۔ ڈاکٹر بنارسی پرشاد نے بھی عہد شاہ جہانی پر تبصرہ کرتے ہوئے رواداری کا ثبوت دیا ہے اور اگر یہی رویہ دوسرے ہندو مؤرخین بھی اپناتے تو آج ملک مذہبی تعصب سے بڑی حد تک پاک ہوتا ۔ ڈاکٹر بنارسی پرشاد کی طرح بنارس ہندو یونیورسٹی کے سابق پروفیسر ڈاکٹر جی سرن نے اپنی کتاب "مغلوں کی صوبائی حکومت" میں اسی قسم کی رواداری کی مثال قائم کی ہے اور یہ عدل پروری اسی وقت ممکن ہے جب سیاسی طبقاتی و مذہبی رواداری ذہن پر چھائی ہو ۔ وہ لکھتے ہیں ـــــ

"مغل بادشاہ منصفانہ فیصلہ کرنے میں بڑے سخت تھے
اگر مجرم بڑا عہدیدار یا بادشاہ کا رشتہ دار بھی ہوتا
تو بھی اس کو سخت سے سخت سزا دینے میں تامل نہ

---

(10) ثروت صولت ۔ ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ ۔ ص 285

کیا جاتا ۔ غلط قسم کے رعب کو انصاف میں حائل نہ ہونے
دیا جاتا تھا ۔ ہر حالت میں حکومت کی نیک نامی کا خیال
ہوتا ۔ مغل حکمراں عوام کا اعتماد حاصل کرکے اپنا وقار قائم
رکھنا بہتر سمجھتے تھے ۔ وہ بیجا رعب بٹھانے کے قائل
نہ تھے ان کو جب کسی حاکم کے ظلم اور غیر منصفانہ رویہ
کی خبر ملتی تو اس کو سخت سزا دینے میں مطلق تامل نہ
کرتے تمام مغل بادشاہوں کا یہی طریقہ رہا ۔" (11)

شاہ جہاں کو عوام کے حقوق و انصاف کا بڑا خیال تھا اگرچہ جہانگیر وشاہجہاں نے اپنے دور حکومت اور اس کے نظم و نسق میں اکبر جیسی مستعدی ظاہر نہ کی مگر عدل پروری میں انھوں نے کسی قسم کی نا انصافی نہ کی مغلوں کے عہد میں جب نظم و نسق میں ہلکا سا انتشار پیدا ہوتا تو اس وقت بھی عوام کے مفاد کی نگہداشت کی جاتی ۔ دارالسلطنت سے دور دراز علاقوں میں بھی رائے عامہ کا لحاظ رکھا جاتا ۔ مختصر یہ کہ دسویں اور گیارھویں صدی کے زمانے میں ہندوستان کا ماحول نہایت ہی پر امن تھا ۔ اس وقت کے مغلیہ دور کو عہد زریں کہا جاتا ہے ۔ فتوحات کا دور اکبر کے زمانے میں ختم ہو چکا تھا ۔ اس زمانے کے تینوں بادشاہ اپنی مثال آپ تھے ۔اکبر دنیا کے بہترین سپہ سالاروں میں شمار ہوتا تھا ۔ اس کی تیز گامی شمشیر زنی نیزہ بازی نشانہ بازی دشمنوں پر بجلی کی سرعت کے ساتھ یورش حیرت انگیز حد تک تھی۔ جہانگیر اگرچہ ناز و نعم میں پلا بڑھا تھا لیکن ضرورت کے وقت وہ بھی ایک

---

(11) صلاح الدین عبدالرحمان ۔ مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری ص 190

بہادر سپاہی بن جاتا تھا ۔ شاہ جہاں کو اپنے جنگی تجربات پر اس قدر بھروسہ تھا کہ جب اس نے بلخ و قندھار میں اپنے بیٹوں کو بھیجا تو دارالسلطنت دھلی میں بیٹھ کر ان کو ھوایات بھیجتا اس کے علاوہ مغل بادشاھوں کے فوجی سرداروں کے کارنامے بھی فخر کے ساتھ لکھنے کے لائق ھیں ۔

اکبری عہد میں بیرم خاں ۔ خان خاناں ۔ منعم خاں ۔ مظفر خان ۔ خان اعظم مرزا شمس الدین ۔ کوکہ خان ۔ لشکر خان ۔ اور فتح اللہ شیرازی جیسے فوجی سرداروں نے اس دور کی تاریخ میں اپنے نام سنہرے حرفوں میں لکھوائے ۔ عہد جہاں گیری میں امیر الامرا شریف خان ۔ شیخ فرید ۔ آصف خان قزوینی ۔ صادق خان ۔ اعتماد الدولہ ۔ مرزا غیاث بیگ طہرانی اور احمد خان نیازی وغیرہ قابل ذکر ھیں ۔ ان کے علاوہ عہد شاہ جہانی میں علامہ شکر اللہ ۔ افضل خان ۔ جعفر خان اور خلیل خان کے نام قابل ذکر ھیں غرض یہ کہ اکبری عہد سے لیکر شاہ جہانی عہد تک نہ جانے کتنا نامور اور نابغہ روزگار ھستیاں تھیں جنھوں نے ان مغل بادشاھوں کی شاھانہ سرپرستیوں میں ایسے ایسے بہادری کے کارھائے نمایاں انجام دیئے کہ ان کے کارنامے سنہرے حرفوں میں لکھے جانے کے قابل ھیں ۔

سماجی و مذہبی حالات

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی (1067ھ / 1657ء) کے عہد میں ہندوستان کی سماجی و مذہبی حالت مختلف حیثیتوں سے دوسرے مغل ادوار سے امتیازی خصوصیات کی حامل ہے کیونکہ انھوں نے اپنی اصلی سماجی زندگی کا آغاز اکبر جیسے الوالعزم بہادر فرمانروا کے عہد سے کیا جس نے ہندوستان میں ایک باقاعدہ اور منظم حکومت قائم کی اور سماج کو بہتر بنانے کے لئے مناسب اقدامات کئے ۔ عہد مغلیہ کا فنی انتظامی اور معاشرتی نظام اکبر کے پچاس سالہ دور حکومت 963ھ / 1556ء سے لے کر 1014ھ / 1605ء میں ایک نئے سانچے میں ڈھالا گیا ۔ شیخ محمد اکرام یوں رقمطراز ہیں ـــ

> "مغلیہ نظام اور تہذیب و تمدن اپنے دور میں کسی دوسری مشرقی حکومت کے نظام سے پیچھے نہ تھا ۔ بلکہ روسی مؤرخ بارٹولڈ لکھتا ہے کہ فقط ہندوستان میں مغلوں کے تابع حالات مختلف تھے ۔ اور اس ملک کی اسلامی حکومت مال و ثروت اور مذہبی رواداری میں معاصرانہ یورپ سے بڑھ کر تھی ۔" (12)

اکبر نے مختلف شعبہ ہائے زندگی میں جس رواداری کا ثبوت دیا وہ مؤرخین کی نظر میں قابل ستائش ہے اور ایسے حکمراں ملک و قوم کے لئے مایہ ناز سمجھے جاتے ہیں۔ اس زمانے میں ہندوستان میں امراء کی بنیادی حقیقت ان

---

(12) شیخ محمد اکرام ۔ رود کوثر ص 166

کی سرکاری حیثیت تھی ہر امیر کے انتقال پر اس کی جائداد سرکاری خزانے میں جمع ہوتی اور اس جائیداد میں سے اس کی اولاد کو صرف کاروبار کے لئے ہی حصہ ملتا ۔ وراثت وغیرہ کا کوئی عنصر نہ تھا نہ ہی خطاب باپ سے بیٹے میں منتقل ہوتا بلکہ یہ سب کچھ اپنی ذاتی قابلیت کی بنیاد پر حاصل کیا جاتا تھا ۔

عہد اکبری میں ہر شعبہ میں قابل قدر اضافے ہوئے اس کے علاوہ یہ دور صحیح معنوں میں ٹھوس ترقی کا دور تھا مگر اکبر کی ذات اس کے جاری کردہ مذہب سے مجروح ہوکر رہ گئی اس کا یہ نیا مذہب "دین الہی" کے نام سے مشہور ہے ۔ معاصر تاریخوں میں ملا عبدالقادر بدایونی کی " منتخب التواریخ" اور ابوالفضل کے "اکبر نامہ" کے ذریعہ ہی اس مذہب کو سمجھا گیا ہے کہا جاتا ہے کہ اکبر کے خیالات بگاڑنے میں عبداللہ سلطانپوری جن کا عہدہ اور خطاب مخدوم الملک تھا اور جنھوں نے محض اس وجہ سے حج کو جاتے ہوئے سفر کی طوالت سے بچنے کے لئے حیلہ شرعی سے کام لیتے ہوئے فریضۂ حج ساقط کردیا تھا ان کے علاوہ شیخ مبارک ناگوری ابوالفضل حاجی ابراہیم سرہندی اور ملا ابو سعید وغیرہ کو بہت دخل تھا ۔ بعض بزرگ علماء نے بادشاہ کو سمجھایا اور قربانیاں بھی دیں مگر ناکام رہے اور ناکامی کے بعد انھوں نے اکبر کی مذہبی بےقاعدگی کو دربار سے باہر عام ہونے سے روکنے کی بھرپور کوشش کی ۔

اشاعت علوم اسلامی اور توسیع معقولات کے علاوہ اکبر کا زمانہ فنون لطیفہ کی ترقی کے لئے بھی نمایاں ہے فن تعمیر موسیقی شاعری اور مصوری

وغیرہ کو اس کے زمانے میں فروغ حاصل ہوا فتح پور سیکری جو مدتوں اکبر کی حکومت کا دارالخلافہ رہا ہے وہاں کی اکثر عمارتیں سرخ پتھر کی ہیں لاہور کا قلعہ اٹک آگرہ میں شیخ سلیم چشتیؒ کا بلند دروازہ اور دوسرے کئی اہم مقامات اکبری عہد کی ہی دین ہیں لیکن اکبر سے سب سے بڑی غلطی مذہبی امور میں ہوئی وہ ایک ذہین اور جدت پسند حکمراں تھا ۔ اسے نئے نئے تجربے کرنے کا شوق تھا اور اس کی اسی جدت پسندی سے جہاں سلطنت کو فائدہ پہنچا وہاں بعض تجربوں سے نقصان بھی ہوا ۔ شروع شروع میں اکبر نہایت راسخ العقیدہ مسلمان تھا ۔ نماز باجماعت پابندی سے پڑھتا اور علماءؒ کا بےحد احترام کرتا تھا ۔ اس کی مذہبی دلچسپی کا ثبوت یہ ہے کہ 1575ء میں اس نے ایک عمارت "عبادت خانہ" کے نام سے تعمیر کرائی جس میں ہر ہفتے علماءؒ و فضلاءؒ کا اجتماع ہوتا اور مذہبی اور علمی مسئلوں پر بحثیں ہوا کرتیں لیکن درباری علماءؒ کی تنگ نظری نے اکبر کی نظر میں اپنا بھرم ختم کیا اور اسلام کے بارے میں اس کے دل میں شکوک و شبہات پیدا ہونے لگے اور اپنی علماءؒ کی آپسی لڑائیوں تعصب اور تنگ نظری نے بالآخر اکبر کو بےدینی کی طرف مائل کردیا اور 1582ء میں اس نے ایک نئے مذہب "دین الٰہی" کی بنیاد ڈالی اس مذہب کے تحت اکبر کو امام عادل امام مجتہد اور معصوم قرار دیا گیا ۔ اس کا یہ نیا دین زیادہ نہیں چلا مگر اس کی وجہ سے ایک نیا فتنہ پیدا ہوگیا شاہی محل میں بہت سی خلاف شرع بدعتیں رواج پاگئیں اس کے اس نئے مذہب کو سوائے چند خوشامدی امراءؒ کے علاوہ کسی نے بھی قبول نہ کیا ۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوبات کے ذریعہ اس کے خلاف

آواز اٹھائی اور انھوں نے دینی علوم کو ہندوستان میں عام کیا ۔ (13)

اکبر کے اس نئے مذہب کے بارے میں امریکن مؤرخ پوویل پرائس (POWEEL PRICE) نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ زیادہ صحیح ہیں وہ لکھتا ہے ۔

" 1582ء میں دین الٰہی کی بنیاد رکھی گئی یہ (مذہب نو) نظریہ توحیدی کی ایک مبہم اور غیر واضح شکل ہے جس میں مختلف ادیان و مذاہب کے معتقدات شامل ہیں زروشتی جینی ہندو بدھ وغیرہ سب کا معجون مرکب ہے اور اسلام کے نظریہ توحید کو اس میں برائے نام جگہ دی گئی ہے (14)

اس نے ان تمام ملحدانہ بدعات اور کافرانہ معتقدات کی انتہا کرتے ہوئے یہ حکم دیا کہ کلمہ "لا الہ الا اللہ" کے ساتھ لوگ "اکبر خلیفتہ اللہ" کہا کریں دین اسلام سے بیگانہ ہونے کے بعد اس نے ہر وہ چیز پسند کی جو مذہب اسلام کے خلاف تھی اس کی زندگی کے تینوں ادوار کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابتداً میں دیندار تھا پھر رفتہ رفتہ لامذہب ہوگیا ۔

اکبری دور میں مصوری کو بڑا فروغ ہوا اس عہد میں اس فن کی رنگ آمیزی لطافت صفائی تازگی نزاکت اور ہاتھ کی مہارت کو وہ مرتبہ حاصل ہوا جو فنون لطیفہ کی تاریخ کا ایک روشن باب بن گیا ۔ اس کا آغاز اگرچہ ہمایوں

---

(13) ثروت صولت ۔ ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ ص 282

(14) معارف ج 88 اگست 1961ء ص 104

نے اپنی صحرانوردی کے دوران تبریز سے دو فنکاروں کو ساتھ لاکر کیا تھا۔ اکبر کے زمانے میں بھی کئی مصور ایران سے ہندوستان آئے اور جن سے ہندوستانی مصوری وصناعی کی تکمیل ہوئی اور رفتہ رفتہ ہندوستان نے فن مصوری میں اسقدر شاندار ترقی کی کہ ایران بھی پیچھے رہ گیا ۔ اس کے دور حکومت میں اس فن کو درجہ کمال تک پہنچانے میں سید علی تبریزی۔ خواجہ عبدالصمد شیرازی۔ محمد شریف شیریں۔ احمد کشمیری ۔ جمشید جمال۔ دولت فرخ ۔ قلمان اور منصور وغیرہ کے علاوہ دسونت ساون لعل۔ بھیم کرن۔ جگن ۔ بھوانی نرائن۔ تلسی ۔ دھن راج ۔ دھرم داس ۔ شیو داس ۔ شنکر سورداس وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں ۔ قدیم تاریخوں میں دیئے گئے ناموں سے اندازہ ہوتا ہے کہ دربار شاہی میں ہندو مسلمان مصوروں کے ملے جلے کمالات سے وہ آرٹ پیدا ہوا جو مغل آرٹ کہلایا ۔

اکبر کے نو رتنوں میں تان سین بھی فن موسیقی میں بہت مشہور تھا اس کے علاوہ اکبر نے علم و ادب کے بھی سرپرستی کی مختلف زبانوں میں مثلاً ترکی سنسکرت یونانی اور عربی سے فارسی میں کتابیں ترجمہ کرائیں ۔ سنسکرت کی مشہور کتابوں رامائن مہابھارت بھگوت گیتا اور لیلاوتی وغیرہ کا ترجمہ فارسی میں کرایا گیا ۔ اس عہد میں ہندی کو بہت فروغ حاصل ہوا اور ہندی کے مشہور شاعر سور داس اور تلسی داس ہمعصروں میں تھے عہد اکبری میں ہی ملک الشعراء کا عہدہ شروع ہوا اور فیضی کو اس عہدہ جلیلہ پر مامور کیا گیا ۔ اس عہد میں خان خاناں جیسے ادب نواز بھی تھے۔ اس کے علاوہ معاصر تاریخوں میں ابوالفضل اور مولانا عبدالقادر بدایونی کے نام

بھی قابل ذکر ہیں کیونکہ انھوں نے فن تاریخ کو اوج کمال تک پہنچادیا ملا بدایونی کی "منتخب التواریخ" اور ابوالفضل کی "اکبر نامہ" دور اکبری کی دو مشہور تاریخیں ہیں ۔ ملا بدایونی نے اکبر کے مذہبی رجحانات اور بدعات کی سخت مخالفت کرتے ہوئے اس کے خود ساختہ مذہب کو برا بھلا کہا ہے ۔ مگر ابوالفضل دین الہی کا علمبردار ہوتے ہوئے اس مذہب کی تفصیلات بیان کرنے میں بظاہر خود ہی معجوب معلوم ہوتا ہے مجموعی طور پر اکبر کے عہد میں یہ تمام علوم و فنون ترقی کے مدارج بتدریج طے کر رہے تھے اور ہر طرف سلطنت مغلیہ کی شہرت پھیل چکی تھی ۔ مگر اکبر کی اولاد دربار کے غیر مذہبی ماحول کی وجہ سے کافی بگڑ چکی تھی اس کے تمام بیٹے رند بلا نوش تھے اور کثرت شراب نوشی سے شہزادہ مراد اور دانیال عین عالم شباب ہی میں انتقال کرگئے ۔ اس کے علاوہ جہانگیر بھی شراب نوشی کیا کرتا تھا ۔ جہانگیر فطری طور پر اپنے باپ کے برعکس آرام طلب اور عیش پسند تھا ۔ مگر سلطنت کے نظام میں اس نے کبھی غفلت نہ کی۔ اس نے اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مذہبی رواداری کا اصول اپنایا ۔ لیکن اکبر کی مذہبی پالیسی کو اپنانے سے گریز کیا ۔ اس کے دور میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے احیائے دین کے کاموں میں بڑی کامیابی حاصل کی شروع میں جہانگیر کو ان کے بارے میں غلط فہمی ہوئی مگر بعد میں وہ ان کا مرید بن گیا ۔

جہانگیر فن مصوری کا بہت شوقین تھا ۔ اس کے زمانے میں مصوری نے بہت ترقی کی اور مصوری کا وہ دبستان جس کو مغل مصوری کہا

جاتا ہے اس کے عہد میں اپنے نقطہ عروج پر پہنچ گیا ۔ استاد ابوالحسن نادر الزماں استاد منصور استاد گوردھن داس اور بشن داس اس دور کے ممتاز مصور تھے ۔

اس کے علاوہ باغات اور قدرتی نظاروں سے بھی جہانگیر کو خاص دلچسپی تھی کشمیر کو وہ اس قدر پسند کرتا تھا کہ اکثر سیر و سیاحت کے لئے کشمیر جاتا ۔ وہاں اس نے کئی باغات اور عمارتیں بنوائیں جن میں شالیمار باغ نشاط باغ چشمہ شاہی اور ویری ناگ قابل ذکر ہیں ۔ ان جگہوں کا حسن صرف ان کی نہروں اور پھولوں میں نہیں بلکہ طلوع و غروب آفتاب کی کیفیتوں میں ہے جس کا لطف صرف انہیں مخصوص جگہوں یعنی ان باغات میں بیٹھ کر ہی اٹھایا جاسکتا ہے ۔ جہانگیری عہد کے حسین و دلکش تحفے آج تقریباً تین صدی بعد بھی اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں اور سری نگر کے قابل دید مقامات میں سے ہیں ۔

تعمیرات میں آگرے کے قریب سکندرہ میں اکبر کا مقبرہ لاہور اور آگرے قلعے کے علاوہ اعتماد الدولہ کا مقبرہ وغیرہ قابل ذکر ہیں ۔ جہانگیر نے تیموری حکمراں بابر کی روایت کو قائم رکھتے ہوئے فارسی میں اپنی زندگی کے حالات لکھے جو "تزک جہانگیری" کے نام سے مشہور ہے ۔ "تزک بابری" کی طرح یہ بھی فارسی کی ایک دلکش کتاب ہے جس میں بناوٹ کے بجائے سلاست و روانی اور سادگی پائی جاتی ہے ۔ اس نے اپنے والد کی طرح کارآمد جانوروں کی نسل کو ترقی دینے میں زیادہ دلچسپی تو نہ لی مگر اکبر کے

ادھورے کاموں کو پورا کیا ۔ ہاں جانوروں کی نئی نئی نسلیں تیار کرانا اور عجیب عجیب جانور اکٹھا کرنا اس کا شوق تھا ۔ اس نے ہندوستان میں جانوروں کی مختلف قسموں کو جمع کیا اور بہت سی نسلیں تیار کرائیں ۔

جس وقت جہانگیر تخت نشیں ہوا اس وقت ہندوستان مذہبی اعتبار سے اکبر کے ملحدانہ طریقہ پر گامزن تھا ۔ اور اکبر نے اس ملحدانہ روش کو آپسی اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کے لئے اپنایا تھا جس کی وجہ سے عوام مذہب سے متنفر ہوگئے تھے اور اسلامی فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی برتنے لگے تھے ۔ مسلمانوں نے ہندوؤں کی بیشتر رسوم کو اپنا لیا تھا اور ہندوستان مذہبی لحاظ سے انتہائی نازک مرحلے پر تھا ۔ جس کی اصلاح کے لئے ایک طویل مدت درکار تھی ۔ جہانگیر نے اپنے مختصر دور میں کافی حد تک مذہبی اصلاحات کیں جن میں سب سے بڑا حصہ حضرت مجددؒ الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کا تھا ۔ جنھوں نے انتھک محنت کرکے ہندوستان کو اس ملحدانہ روش سے نجات دلائی البتہ مغل حکومت کو برقرار رکھنے کے لئے جہانگیر نے غیر مسلموں کو دل کھول کر نوازا اور اکبر کی پالیسی پر عمل کیا۔ غیر مسلموں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس نے ان کے تہواروں کو دربار میں منایا اور جانوروں کو ذبح نہ کرانا و قربانی گاؤ کو برقرار رکھا وہ اکبر کی صلح کل کی پالیسی کا دل سے معترف تھا ۔ اور اسی پر عمل پیرا تھا ۔ البتہ وہ خود وسیع النظر سنّی مسلمان تھا ۔ وہ خود تو ارکان اسلام پر پوری طرح عامل نہ تھا ۔ مگر اسلامی ارکان کو درست خیال کرتا تھا اور جو لوگ ان پر عمل پیرا تھے ان سے خوش ہوتا تھا ۔ وہ اسے الحاد و

بےدینی پسند نہ تھی تاہم وہ مذہبی افکار کے لحاظ سے بابر اور ہمایوں کے دور سے بہت دور تھا مگر اس میں اکبر کی سی بے راہ روی نہ تھی ۔ اور اس کا سب سے بڑا سبب نواب فرید خان کی حکمت تھی ۔ انھوں نے اس کے خیالات پر گہرا اثر ڈالا اکبر کے آخری دور میں ان کی دربار شاہی میں کافی قدرومنزلت تھی ۔ اسی لئے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اثر سے شیخ فرید نے جہانگیر پر دباؤ ڈالا کہ وہ اسلامی شعار کے ساتھ حکومت کرے اور اس نے شیخ فرید سے وعدہ کرتے ہوئے چار علماء کو مدعو کرنے کے لئے کہا۔ تاکہ وہ مسائل شرعیہ بیان کرتے رہیں ۔ شیخ فرید نے خوشی میں اس کی اطلاع حضرت مجددؒ کو دی تو انھوں نے فرمایا کہ اس مقصد کے لئے ایک ہی عالم کا انتخاب کیا جائے ایسا نہ ہو کہ چار علماء کے اختلاف سے مقصد فوت ہو جائے ۔

اور ان سب باتوں کی وجہ سے جہانگیر نے ایک ملے جلے ماحول میں پرورش پائی تھی یعنی دربار تو دین سے برگشتہ تھا مگر عوام دین کے دلدادہ تھے یہی وجہ ہے کہ اس کے خیالات میں اعتدال پایا جاتا ہے اس نے اپنے بیس سالہ عہد حکومت میں مجموعی طور پر زندگی کے ہر شعبے میں قابل قدر ترقی کی وہ علم و ادب کا دلدادہ اور موسیقی و مصوری کا شائق تھا ۔ قدرتی نظاروں سے اسے دلچسپی اور جنون کی حد تک محبت تھی ۔ اس نے کشمیر میں ایسے خوبصورت باغات تعمیر کرائے جنھیں آج کئی صدیاں گزرنے کے بعد بھی دیکھنے پر عقل دنگ رہ جاتی ہے اس کے عہد کا سب سے بڑا کارنامہ اکبر کے پیدا کردہ مذہبی الحاد کو کسی حد تک دور کردینا

ہے وہ شروع میں شیخ احمد سرہندی سے چند درباریوں کے کہنے کی وجہ سے اتنا نالاں رہا کہ انھیں گوالیار میں قید کردیا ۔ مگر بعد میں ان کے اسلامی خیالات سے متاثر ہوکر ان کا مرید بن گیا اور اپنے بیٹوں میں سے شہزادہ خرم کو ان کی شاگردی میں دے دیا ۔

جہانگیر کشمیر کی سیر سے واپسی پر طبیعت کے زیادہ خراب ہونے کی وجہ سے لاہور سے پہلے ہی 70 سال کی عمر میں 1037ھ /1627ء میں انتقال کرگیا ۔ اس کو لاہور میں دفنایا گیا ۔ شاہ جہاں نے اس کی قبر پر ایک عالیشان مقبرہ تعمیر کرایا (15)

اس کے بعد اس کا بیٹا خرم 1037ھ /1627ء میں تخت کے دوسرے دعویداروں کو شکست دے کر شاہ جہاں کے لقب سے بادشاہ بنا اس کے 30 سالہ عہد حکومت کو سلاطین تیموری کا عہد زریں کہا گیا ہے اس کے عہد میں ملک میں خوشحالی اور امن و امان تھا ۔ فتوحات کا دور اکبر کے زمانے میں ختم ہو چکا تھا ۔ اب اکبر کے بعد آنے والے فرمانروا ہندوستان کی ثقافتی سماجی و مذہبی حالت میں برابر سدھار کر رہے تھے ۔ شاہ جہاں اکبر جیسے معارف پروا دادا کا پوتا جہانگیر جیسے ادیب و شاعر کا بیٹا اور شیخ ابوالخیر شیخ وجیہہ الدین گجراتی حکیم دوائی گیلانی اور قاسم بیگ تبریزی جیسے یکتائے روزگار علماء کا شاگرد رشید تھا ۔ اسے عربی فارسی اور ہندوستانی زبانوں پر عبور اور خطاطی میں ملکہ حاصل تھا (16)

---

(15) ثروت صولت ۔ ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ ص 285

(16) ڈاکٹر شبیر احمد قادرآبادی ۔ عربی زبان عہد مظلیہ میں ص 185

شاہ جہاں کا دور حکومت خوشحالی اور فارغ البالی کا دور تھا اس دور میں باکمال ہنرمندوں نے ملکی فتوحات کے ساتھ ساتھ علمی و تحقیقی میدان میں بھی خوب نام کمایا ۔ اس نے ذاتی طور پر دلچسپی لے کر اور علماء کی قدردانی اور سرپرستی اس شان سے کی کہ اکبر و جہانگیر دونوں سے بازی لے گیا ۔ اور ہندوستان کو علم و ہنر کا گہوارہ بنادیا اس کے علاوہ مغل سلاطین امراء میں سے جب کسی کو عہدہ جلیلہ پر مامور فرماتے تو اس کا خاص خیال رکھتے کہ وہ نہ صرف سیاسی نقطہ نظر سے پختہ کار اور بیدار مغز ہو بلکہ مختلف علوم و فنون میں بھی ان کو امتیازی حیثیت حاصل ہو ۔

مغلیہ سلاطین کے دور حکومت میں شاعروں اور مصنفوں کو ان کی علمی خدمات پر انعام و اکرام سے نوازنا اور ان کے ہم وزن روپے دینا عام بات تھی اس کے علاوہ مغلیہ سلاطین اپنے زمانے کے نامور علماء و مشائخ کی علمی خدمات کے سلسلے میں ان کے وظائف مقرر کرتے اور نسلاً بعد نسل جاگیریں عطا کرتے تھے ۔ معاصر اور متاخرین تذکرے اس قسم کے واقعات سے بھرے پڑے ہیں ۔ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی (م 1067ھ) جب بھی دربار شاہ جہانی میں باریاب ہوتے بادشاہ انھیں خوب انعام و اکرام سے نوازتا ۔ دو مرتبہ شاہ جہاں نے انھیں ان کی علمی خدمات کے صلے میں چاندی کے روپیوں میں تولوایا ۔ اور وزن میں جس قدر روپیہ تقریباً چھ ہزار (6000) چڑھا پورا انھیں بخش دیا ۔ اس کے علاوہ شاہ جہاں نے ملا میر زاہد کے والد قاضی محمد اسلم ہروی کو بھی روپیوں میں تلوایا ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عہد شاہ جہانی میں شاید ہی کوئی اہل علم بیکار رہا ہو۔(17)

---

(17) ڈاکٹر شبیر احمد قادری ۔ عربی زبان عہد مغلیہ میں ۔ ص 190

شاہ جہاں ایک دیندار اور عالم بادشاہ تھا اکبر کے دور سے جو بدعتیں چلی آرہی تھیں اس نے انھیں ختم کیا ۔ سب سے پہلے اس نے اکبر کے دور سے دربار میں ہونے والے سجدہ تعظیمی کو موقوف کیا ۔ شاہ جہاں کو بچپن ہی سے علماء و فضلاء کی صحبت میں بیٹھنے کا موقع ملا تھا اس کے علاوہ وہ شیخ احمد سرہندیؒ کا ارادت مند تھا ۔ اسی لئے وہ کوئی بھی کام خلاف شرع نہیں کرتا تھا ۔ اس کا دربار ان علماء سے بھرا تھا جنھیں اعلی مناصب پر فائز کیا گیا تھا ۔ اس کے دربار میں کئی نامی امراء وزراء عالم تھے جس میں علامی محمد افضل اور سعد اللہ خان قابل ذکر ہیں ان درسگاہوں کو جنھیں اکبر و جہانگیر نے قائم کیا تھا عہد شاہ جہانی میں مزید فروغ حاصل ہوا اور کئی نئے مدرسے تعمیر کرائے گئے ۔ اس نے خود تو کوئی تصنیف بابر یا جہانگیر کی طرح نہیں چھوڑی مگر وہ علماء ساز ضرور تھا اور اپنی ذاتی دلچسپی سے ہندوستان کو رشک شیراز و یمن بنا دیا تھا۔ اس کے علاوہ تہذیبی و ثقافتی حیثیت سے بھی اس کا عہد ممتاز ہے ۔ فن تعمیر کو جس قدر ترقی اس کے دور میں ہوئی وہ صرف اسی کا حصہ ہے ۔ اگرچہ شاہجہاں ایک راجپوت شہزادی جگت گسائیں معروف بہ بلقیس زمانی کے بطن سے تھا اس لئے اس کی زندگی پر راجپوت تہذیب و تمدن کا نمایاں اثر ہونا چاہئے تھا مگر عجیب بات ہے کہ وہ ان سب کے باوجود جہانگیر سے بھی زیادہ راسخ العقیدہ مسلمان ہوا اس کی زندگی کے کسی شعبہ میں بھی راجپوتوں کا اثر نہیں پایا جاتا بلکہ اس نے جس شان سے مساجد اور دیگر عمارتیں تعمیر کرائیں اور ان پر قرآنی آیات کندہ کرانے کا جو اہتمام کیا وہ ایک بہت ہی راسخ العقیدہ مسلمان ہی کرسکتا ہے ۔ آج برصغیر پاک و ہند میں اس کی

تعمیرات مغل تہذیب و تمدن کی علامت ہیں اس کے دور میں تیموری طرز تعمیر اپنے عروج کو پہنچ گیا تھا ۔ اور اس میدان میں وہ اندلس کے عبدالرحمن اعظم ترکوں کے سلیمان اعظم اور ایران کے عباس اعظم سے کم نہیں تھا ۔ پرانی دھلی کے پاس پورا شہر آباد کیا ۔ اور اس کا نام شاہ جہاں آباد رکھا یہ شہر اب پرانی دھلی کے نام سے مشہور ہے ۔ اس کے زمانے میں یہ خوبصورت ترین شہر تھا ۔ اس میں لال قلعہ جامع مسجد دنیا کی عظیم الشان عمارات میں شمار ہوتی ہیں ۔

شاہ جہاں کے عہد کی سب سے خوبصورت یادگار آگرہ کا تاج محل ہے جو اس نے 1631ء تعمیر کرانا شروع کیا یہ سنگ مرمر کا ہے اور اس کی محبوب بیوی ممتاز محل کی یادگار ہے ۔ اس کی تعمیر میں (20000) بیس ہزار مزدوروں نے سولہ سال تک برابر حصہ لیا اور اس پر تقریباً تین کروڑ روپیہ خرچ ہوئے ۔ یہ دنیا کے عجائبات میں شمار ہوتا ہے شاہ جہاں خود ہی اس میں مدفون ہے (18)

شاہ جہاں اگرچہ شاہانہ زندگی گزارتا تھا مگر اپنے عہد حکومت میں اس نے عوام کا بھی برابر خیال رکھا اور اپنے نیک کاموں اور ہردلعزیزی کی وجہ سے کافی مشہور تھا ۔ اس کے عہد میں کئی سیاح باہر سے آئے جنھوں نے اس کی حکومت کو ایک مہربان باپ کی حکومت سے تشبیہہ دی ہے گھوڑوں سے قلبی لگاؤ ہونے کی وجہ سے غیر ممالک سے اس نے مختلف النسل

---

(18) ثروت صولت ۔ ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ ص 289

گھوڑوں کو منگوا کر جمع کرلیا تھا ۔ شاہ جہانی دربار اپنی شاھانہ شوکت و حشمت کے لحاظ سے منتہائے کمال پر تھا ۔ اس کے عہد میں دولت کی فراوانی اور خوشحالی کا شہرہ سن سن کر بیرونی ممالک سے سیاح بکثرت آتے اور شہنشاہ کے جاہ جلال کو دیکھ کر چکا چوند ہو جاتے اس کے دربار کا تزک و احتشام ان کے تخیل سے بھی زیادہ بلند ہوتا اور وہ اس کی تعریف میں رطب اللسان ہو جاتے ۔

تہذیبی اور ثقافتی اعتبار سے شاہ جہاں کا عہد ممتاز ہے فن تعمیر کو اس کے زمانے میں بہت عروج حاصل ہوا اس کو تعمیرات سے غیر معمولی دلچسپی تھی اور اس کے زمانے میں جو عمارتیں تیار ہوئیں وہ انجنیئرنگ کے اعلی کمالات کا زندہ و جاوید نمونہ ہیں اور اپنے اسی شوق کی بنیاد پر اسے انجینئر بادشاہ کہا جاتا ہے اس کے علاوہ اس نے خوبصورت باغات پارک اور سرائے وغیرہ جگہ جگہ تعمیر کرائیں اور ان سب چیزوں سے ملکی شہرت کے علاوہ اس کا مقصد ہندوستان سے بے روزگاری دور کرنا تھا ۔ اگر شاہ جہانی عہد کا تمام لٹریچر ضائع ہو جائے اور صرف اس زمانے کی عمارتیں باقی رہ جائیں تو اس کو دیکھ کر ہی اندازہ ہو جائے گا کہ وہ دور کیسا پر شوکت تھا اور ان کے طرز تعمیر سے اندازہ ہو جائے گا کہ اس کو فن تعمیر کی سائنس میں پوری دسترس تھی اپنے اسی ذوق کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ جہاں گیا وہاں عمارتیں بنوائیں ۔ اجمیر کشمیر لاہور فیض آباد گوالیار کابل وغیرہ میں اس کی بنوائی ہوئی عمارتیں بہت ہیں ۔ لیکن اس کے ذوق کی تکمیل آگرہ اور دہلی میں ہوئی ۔ اس کی بنوائی عمارتوں کو آج ایک زمانہ گزر گیا ہے لیکن ان

دلآویزی اور تازگی میں کوئی فرق نہیں آیا اور آج بھی دنیا بھر کے سیاحوں کی ذہن و فکر کی ضیافت ہوتی ہے اس کے علاوہ ان تعمیرات میں ایک عجیب سا سکون اور رفعت و شوکت پائی جاتی ہے ۔

جہانگیر اور شاہ جہاں کا پچاس سالہ عہد حکومت بلاشبہ عہد مغلیہ کا دور زرین ہے ۔ فتوحات کے خاتمے کے ساتھ ہی پورے ملک میں امن و امان تھا صنعت و حرفت ترقی پر تھی ۔ تہذیب و تمدن ترقی کے منازل طے کررہے تھے ۔ شاہ جہاں نے باہر سے ماہرین فن کو بلاکر ان کی خاطر خواہ مدد کرکے ہندستان میں تہذیبی و ثقافتی حیثیت کو بلند کیا اور ان ماہرین فن کو ان کی کاوشوں کا پورا پورا معاوضہ دے کر معاشرے اور سماج کی تعمیر میں اہم رول ادا کیا فن موسیقی کو بھی فروغ حاصل ہوا ۔ اکبری عہد میں تان سین نے جو فن موسیقی کو ترقی دی تھی اس سے زیادہ تو نہ ہوسکی لیکن عہد شاہ جہانی میں دھرپد تان سین کے داماد لال خان اور جگن ناتھ وغیرہ قابل ذکر ہیں ۔ اگرچہ تعمیرات کی طرف زیادہ شغف ہونے کی بناء پر اس نے مصوری کی طرف کم توجہ کی لیکن اس کی شاہانہ سرپرستی بدستور قائم رہی۔ اس کو مذہب سے اس حد تک لگاؤ تھا کہ اس نے غیر اسلامی رسومات کو مٹانے میں نمایاں حصہ لیا ۔ اس کے علاوہ جگہ جگہ مساجد تعمیر کرائیں ۔ وہ سچا عابد و زاہد تھا ۔ ظلم وناانصافی سے سخت نفرت تھی غرضیکہ اس کے 30 سالہ عہد میں حکومت ہر طرف اسلامی ماحول تھا اور جگہ جگہ مسجدیں مدارس اور خانقاہیں تعمیر ہوئیں ۔

ان حالات کے پیش نظر دسویں اور گیارھویں صدی میں ہندوستان میں ہر طرح کی آزادی تھی اور مسلمان حکمرانوں پر یہ بات آشکارا ہوچکی تھی

کہ بغیر مذہبی آزادی کے وہ ہندوستان جیسے وسیع و عریض اور عظیم ملک پر حکمرانی نہیں کرسکتے تھے اور اسی کے مطابق انھوں اپنی سیاسی پالیسی کی تشکیل کی جہانگیر و شاہ جہاں کے دور میں غیر ملکی سیاحوں نے مذہبی آزادی کی پر زور شہادت دی ہے ۔ مغل فرمانرواؤں نے سماجی آزادی کو بھی روشناس کرایا ۔ اکبر نے بیوہ کو زندہ جلانے جبری بیوگی بچپن کی شادی اور کثرت ازدواج کے ختم کرنے کے قوانین بنائے مگر کبھی بزور شمشیر ان قوانین کو لاگو نہیں کیا ۔ جہانگیر نے ستی کی رسم کی سختی سے ممانعت کی مگر صرف فہمائش کی حد تک مغل حکومت کا دائرہ عمل بہت وسیع ہوچکا تھا ۔ مغل سلاطین نے اپنے عہد حکومت میں سکہ کی قیمت مقرر کی ۔ تجارت و حرفت کو منظم کیا ۔ شاہراہوں کو درست رکھا شفا خانے کھولے گئے جگہ جگہ مسافروں کے لئے آرام گاہیں مسجدیں اور مدرسے تعمیر کئے گئے۔ شفاخانوں میں سرکاری خرچ پر طبیب مقرر کئے گئے ۔

اس زمانہ میں دنیا کی کسی سلطنت میں تعلیم عامہ کا کوئی مستقل محکمہ نہ تھا ۔ مغلوں نے اس کمی کو پورا کرتے ہوئے علمی قابلیت کی وسیع پیمانہ پر سرپرستی کی ۔ ہندوستان کے فن مصوری جہانگیر کی دلچسپی نے اس کو بہت بلند درجہ تک پہنچا دیا تاریخ جہانگیر میں ڈاکٹر بینی پرشاد لکھتے ہیں ــــ

"ہندوستان کے فن مصوری سے جہانگیر کی دلچسپی اور کوشش نے اس فن کو بہت بلند درجہ تک پہنچادیا ۔ رو (طامس)

اور شیری - درباری مصوروں کی اعلی صناعی دیکھ کر حیرت
زدہ رہ گئے لاھور میں تصویروں کا کمرہ جس میں شاھی
خاندان کی اور امراء کی تصویریں ھیں دنیا کے خوبصورت
تصویر خانوں میں شمار ھوتا ھے (19)

کاغذ بھی مغلوں کے دور کی یادگار ھے اس کے علاوہ رنگ پور جونپور احمدنگر فتحپور سیکری برھانپور لاھور آگرہ گجرات الہ آباد وغیرہ اور خدا جانے کتنے قریے اور قصبات اس زمانے کے سلاطین نے ایجاد کئے پھر جویل نہریں اور سڑکیں تعمیر کرائیں گئیں ان کی تعداد ان گنت ھے - اس کے علاوہ پورے ھندوستان کی پیمائش کرائی گئی قابل اور ناقابل زراعت زمینوں کی تفریق کی گئی حیوانات کی نسلوں کی ترقی میں کوشش ھوئیں نیز ھندوستان کے تعلقات بیرونی دنیا سے قائم کرائے جس کی وجہ سے بحری جہاز رانی اور بحری تجارت کو فروغ ملا - مذھبی عقائد میں اختلاف کے باوجود لوگوں کے عادات و اطوار میں یک رنگی پیدا ھوئی - ھندی اور اسلامی طرز کا ایک آرٹ پیدا ھوا اس کے علاوہ ایک مشترکہ زبان کی بنیاد پڑی جو ھندوستانی کہلائی وہ ایسے رعایا پرور تھے کہ اس دور میں ملک نے بےمثل خوشحالی حاصل کرلی تھی اور سونا اس قدر جمع ھوگیا تھا کہ یہ خطہ ساری دنیا میں سونے کی چڑیا کہلایا -

اس دور میں ملکی لٹریچر میں بھی ترقی ھوئی مذھب میں توحید کے تصور کی تجدید ھوئی تصوف پھیلا - فنون جنگ اور تمام شعبوں کو فروغ ھوا مغل حکمرانوں کی ھی وجہ سے تعمیرات میں ایک نئے طرز کا اضافہ ھوا

اسی وجہ سے مغل مصوری کو فروغ ملا اور انھیں کے طفیل فن باغبانی کا عروج ہوا ۔

غرضیکہ اس وقت ہندوستان اپنی ثقافتی سماجی اور مذہبی حالت کے لحاظ سے نقطہ عروج پر تھا ۔ اس کی خوشحالی کی شہرت دور دراز تک پھیل چکی تھی ۔ اس دور کے عدل و انصاف امن و امان اور صنعت و تجارت اور زراعت کی ترقی کا نتیجہ یہ نکلا کہ سلطنت کی آمدنی میں اضافہ ہوا اکبر کے زمانے میں یہ تقریباً 20 کروڑ روپے تھی لیکن شاہجہاں کے دور کے خاتمے تک یہ مقدار تقریباً 40 کروڑ روپے ہوچکی تھی ۔ اور ہندوستان میں باہر کے ملکوں سے ہر قسم کے شعبے سے تعلق رکھنے والے لوگ جوق در جوق سلاطین ہند کی بزم میں آرہے تھے اور یہ سلاطین ان کو حسب منشا نواز رہے تھے۔

علمی و ادبی حالات

اکبر کی وفات گیارھویں صدی کے اوائل میں ھوئی اس وقت مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی تعلیم سے فراغت حاصل کرکے اکبر کے مدرسہ لاھور میں سرکاری مدرس کے فرائض انجام دے رھے تھے اور فاضل لاھوری کے لقب سے مشہور تھے انھوں نے ھندوستان کے تینوں خوبصورت اور خوشحال ترین دور دیکھنے کے بعد تقریباً عہد شاہ جہانی کے خاتمے کے ساتھ ھی رحلت فرمائی ۔

عہد اکبری کی عظمت عام طور پر صرف سیاسی حیثیت سے ھی مانی جاتی ھے کہ اکبر نے ایک مضبوط اور متحدہ ھندوستان کی بنیاد ڈالی لیکن حقیقت یہ ھے کہ یہ دور علمی حیثیت سے بھی کم درخشاں نہیں یوں تو مغل حکمرانوں کی علم پروری اور علماء نوازی ن کی حکومت کی بنیاد کے ساتھ ھی نظر آتی ھے ۔ لیکن علوم و فنون کے اس عظیم الشان قصر نے مغلیہ ھندوستان اور بالخصوص اکبر کے دور حکومت میں تکمیل کے مراحل طے کئے ۔ اکبر نے ان پڑھ ھونے کے باوجود علم و فن کی غیر معمولی سرپرستی کی اس کے عہد میں جیسے جلیل القدر علماء گزرے ھیں ویسے ھندوستان کی تاریخ میں کسی بادشاہ کے زمانے میں نہیں ھوئے اکبری عہد کی دو مشہور و مقبول ھستیاں شیخ مجدد الف ثانیؒ اور شیخ عبد الحق محدثؒ تھے ۔ انھوں نے دربار سے وابستہ نہ ھونے کے باوجود آزاد رہ کر علم و فن کی غیر معمولی خدمت کی جبکہ عالموں کی ایک بڑی تعداد دربار سے وابستہ تھی اور دربار میں ان کی بےمثال قدر و منزلت بھی تھی اور انھیں وظائف بھی ملتے تھے ۔

اکبر نے توسیع مملکت کے علاوہ اپنے جانشینوں کے لئے شعر و ادب و فن کی باقاعدہ سرپرستی کی ملک الشعراء کا عہدہ اور درباری مؤرخ کے عہدے کا آغاز بھی اسی زمانے میں ہوا اکبر اگرچہ خود ان پڑھ تھا مگر علماء کی دل سے قدر کرتا تھا اور تمام مشہور و معروف کتابیں پڑھوا کر سنتا تھا یہاں تک کہ اس نے اپنی علمی دلچسپی سے کم علمی کی تلافی بڑی حد تک کرلی۔ تصنیف و تراجم کا ایسا سلسلہ اس کے دور میں شروع ہوا کہ دارلسلطنت ایک طرح کی اکاڈمی بن گئی جس میں ملک کے اعلی پائے کے اہل قلم تصنیف و تالیف میں لگے ہوئے تھے اور انھیں کی وجہ سے علمی معیار بلند سے بلند تر ہوتا گیا (20)

اکبر کے دربار سے مشہور و معروف علماء و فضلا کی ایک بڑی تعداد وابستہ تھی ۔ اس عہد کے مشہور علماء میں فیضی (954ھ - 1004ھ) سرفہرست ہے وہ فارسی کا بڑا شاعر و ادیب تھا اور اس نے تقریباً 99 کتابیں تصنیف کیں ابوالفضل (م-1011ھ) جو فیضی (م-1004ھ) کا بھائی اور اکبر کا وزیراعظم تھا ۔ وہ اپنے زمانے کا سبسے بڑا انشاء پرداز مانا جاتا تھا اس نے "اکبرنامہ" اور "آئین اکبری" کے نام سے اس عہد کی دو تاریخیں لکھیں ۔ آئین اکبری میں ان کتابوں کی طویل فہرست دی گئی ہے جو اکبر پابندی سے دربار میں پڑھوا کر سنتا تھا ۔ اس میں تصوف - اخلاق - تاریخ اور ادب کی مشہور کتابیں شامل رہیں مثلاً اخلاق ناصری ، کیمیائے سعادت، قابوس نامہ، گلستان، بوستان، مثنوی مولانا روم ، ملا جامی اور امیر خسرو کی تصنیفات وغیرہ قابل ذکر ہیں ۔

---

(20) شیخ محمد اکرام - رود کوثر ص 83

بلکہ ابوالفضل کے مطابق مشہور کتابوں میں سے شاید ہی کوئی کتاب ایسی ہو جو اس کے سامنے نہ پڑھی گئی ہو ۔ اس کے عہد میں درس و تدریس میں بھی کئی نمایاں تبدیلیاں ہوئیں اور معقولات کا بھی اضافہ ہوا ۔ اس کے علاوہ جب اس نے گجرات فتح کیا تو گجرات کی بندرگاہوں کے ذریعہ ہندوستانی طلباء کو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ جاکر حصول علم کا موقع نصیب ہوا ۔ عہد اکبری میں خان خاناں کا درجہ علمی حیثیت سے بہت بلند تھا۔ اس نے دنیا کی بیشتر زبانوں میں مہارت حاصل کی ان کے علاوہ دربار اکبری میں باکمال علمی شخصیت بڑی تعداد میں موجود تھیں اور ان ارباب کمال میں ملا عبدالقادر بدایونی (1004ھ / 1596ء) کا درجہ علمی حیثیت سے کم ممتاز نہیں تھا۔ ملا صاحب عربی فارسی سنسکرت تفسیر و تاریخ کے نامور عالم تھے ۔ شیخ عبدالنبی صدر الصدور بھی ایک عالمی شخصیت تھے ۔ اکبر نے انھیں صدر الصدور کے عہدہ پر مامور کیا ۔ اسے ان سے بےحد عقیدت تھی ۔ ان کے علاوہ حاجی سلطان تھانیسری خواجہ حسن ہروی قاضی جلال الدین حاجی ابراہیم سرہندی ملا شیری سیالکوٹی شیخ عبدالحق دہلوی قاضی نوراللہ شوستری وغیرہ کے علاوہ عہد اکبری کے تقریباً 144 شعراء کے حالات بدایونی نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف "منتخب التواریخ" میں قلم بند کئے ہیں ۔ اس کے علاوہ اکبر نے ان علماء و فضلا کی ہمت افزائی اور قدر دانی میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا ۔

عہد مغلیہ میں علما کی تعداد بہت زیادہ تھی ۔ شاہان مغلیہ کے دور میں علماء کی کئی قسمیں تھیں پہلی قسم کے علماء حکمراں طبقہ سے میل جول رکھنا پسند نہ کرتے تھے ۔ دوسری قسم میں وہ تھے جن کا مشغلہ درس

و تدریس تھا ان کے وظائف شاھی خزانہ سے مقرر تھے اور وہ اطمینان سے
تا حیات درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے ۔ تیسری قسم میں وہ علماء
جو حکمراں طبقہ کے معاون و مددگار تھے گوشہ نشیں علماء ۔ ایسے علما کو
دنیا دار اور جاہ پرست کہتے تھے۔ شاھان مغلیہ میں بابر فطری طور پر
تھا ۔ ھمایوں بھی صوم وصلوتہ کا پابند تھا ۔ اکبر شروع میں دیندار اور
العقیدہ مسلمان تھا اور اپنی اوائل عمری میں شہنشاہ ھند ھوتے ھوئے بھی
مسجد کی صفائی اپنے ھاتھوں سے کرتا تھا ۔ مگر بعد میں اس نے اپنی
علمی کی وجہ سے ایک نئے مذھب "دین الھی" کا آغاز کیا ۔ اور اس میں
بعض مفاد پرست علماء نے اس کی بھرپور مدد کی اس کے عہد میں کچھ ع
ایسے تھے جنھوں نے دربار میں سجدہ تعظیمی کرنا ضروری قرار دیا۔ اس
علاوہ شاھان مغلیہ میں علماء کی جرات اور صاف گوئی کی بہت سی مثالیں
ھیں ۔ ملا عبدالنبی صدر الصدور اکبر سے اپنی جوتیاں سیدھی کرایا کرتے
جب اکبر نے دین الھی قائم کیا تو جونپور کے ملا محمد یزدی اور بنگال کے ق
القضاتہ معز الملک اور قاضی یعقوب نے فتوی دیا کہ بادشاہ بدمذھب ھوگیا ہ
اور اس پر جہاد واجب ھے جس کے نتیجے میں تینوں کو موت کے گھاٹ
اتارا گیا (21)

اکبر اگرچہ ان پڑھ تھا مگر کم علمی کے باوجود اس کے ذاتی شو
کا یہ عالم تھا کہ فارسی کی مشہور کتب میں سے شاید ھی کوئی اس کے
نہ پڑھی گئی ھو اور اس وسیع مطالعہ کے نتیجے میں کوئی تاریخی سرگزشت
فقہی مسئلہ علم و فن اور فلسفہ حکمت کا نقطہ ایسا نہیں تھا ۔ جو اس کے

---

(21) صلاح الدین عبدالرحمن ۔ ھندوستان کے سلاطین علماء اور مشائخ ہ

میں نہ ہو - اور جس پر وہ بول نہ سکتا ہو - اس کا علمی ذوق اس قدر بلند ہو چکا تھا - کہ وہ خود شاعری کرتا اور اساتذہ کے اشعار پر اصلاحیں دیتا اس کو علم و ادب سے گہرا لگاؤ تھا - اس کا اندازہ ان صحبتوں سے ہوتا ہے جس میں ہر فن کے ارباب و کمال جمع ہوکر مختلف مسائل پر بحث کرتے اور وہ خود بھی ان میں برابر کا حصہ لیتا تھا (22)

اس کے علمی ذوق کے سبب جو کتب خانہ قائم ہوا وہ بےمثال تھا آگرہ کے قلعہ مثمن برج کے بغل والا کمرہ شاہی کتب خانہ تھا - ہمایوں کے کتب خانہ کی کتابیں بھی اکبر کو وراثت میں ملی تھیں اور مختلف مقامات سے اور اشخاص سے بھی بہت سی کتابیں وقتاً فوقتاً دستیاب ہوتی رہتی تھیں اہل قلم جو کتابیں لکھتے اس کا ایک نسخہ اکبر کے کتب خانے میں بطور ہدیہ بھیجتے اس کے علاوہ درباری مصنفوں کی تصنیفات و تالیفات و تراجم بھی شاہی کتب خانہ میں رہتے اکبر کو فتوحات کے بعد جتنی کتب دستیاب ہوتیں ان کو بھی خزانۂ عامرہ میں داخل کیا جاتا تھا - فیضی کے کتب خانے میں تقریباً 4600 کتابیں تھیں - اس کی وفات کے بعد وہ سب بھی شاہی کتب خانہ میں جمع کردی گئیں اس کے دربار میں بےشمار خطاط اور خوش نویس تھے- جنھوں نے شاہی کتب خانے کی ذہنیت اپنے کمال فن سے بڑھائی اور ان کی قدر دانی اکبر نے جاگیریں، منصب اور خطابات دے کر کی - ان میں ملا حسین کشمیری - خواجہ عبدالصمد - میر معصوم قندھاری- حسن بن احمد چشتی اور

---

(22) معارف ج ، 37 ، 1936ء ص ، 339

مولانا میر علی ہروی قابل ذکر ہیں شاہان سور کی طرح اکبر نے بھی علماء کو دربار میں اقتدار سے نوازا اور اس سلسلے کو بڑھاتے ہوئے مخدوم الملک اور صدر الصدور کو وہ اختیارات دئے جو اس سے پہلے کسی بادشاہ نے نہ دئے اس کے علاوہ جابجا قاضی و مفتی مقرر کئے مخدوم الملک کو سلطنت میں ایک مشیر اور رکن کی حیثیت دی ۔ صدر الصدور شیخ عبدالنبی کا وہ اس حد تک معتقد تھا کہ شہزادہ سلیم کو ان کی شاگردی میں دیا ۔ حضرت شیخ سلیم چشتی سے اکبر کو بے انتہا قلبی لگاؤ تھا اس لئے وقتاً فوقتاً ان کے دربار میں حاضری دیتا رہتا تھا ۔

اکبر کے مذہبی خیالات سے اختلاف کے باوجود یہ بات ماننی پڑیگی کہ اس کا دور علم و فن کے لحاظ سے نہایت تابناک تھا بےشمار علماء و فضلاء اس کے دربار سے وابستہ تھے اور ملک کے مختلف علاقوں میں بھی اہل علم بہت بڑی تعداد میں علمی خدمات انجام دیتے تھے ۔ اس کی علم و فن سے اس حد تک شیفتگی کو محمد اسحاق بھٹی یوں بیان کرتے ہیں ــــ

" اکبر کے مذہبی خیالات سے اختلافات کے باوجود یہ بات ماننی پڑےگی کہ اکبر کا دور علم و فن کے لحاظ سے نہایت زرخیز تھا ۔ بےشمار علماء و فضلاء اس کے دربار سے وابستہ تھے اور ملک کے مختلف علاقوں میں بھی اہل علم بہت بڑی تعداد میں علمی خدمات انجام دیتے تھے ۔ بڑے بڑے شہروں مثلاً دھلی۔ جونپور ۔ آگرہ ۔ لاھور ۔ ملتان۔ سیالکوٹ اور سرھند وغیرہ

میں دینی مدارس قائم تھے اس دور کے اصحاب علم اگر
ایک طرف درس و تدریس کے منصب پر فائز تھے تو دوسری
طرف مسند رشد و ہدایت پر بھی جلوہ افروز تھے ان
کے علاوہ مبلغین و مدرسین کی ایک کثیر تعداد ملک کے
مختلف علاقوں میں مصروف اشاعت دین تھی ان حضرات
کا دائرہ بہت وسیع تھا اور سرکاری دربار سے کوئی
تعلق نہ تھا ۔" (23)

اکبر کی وفات کے بعد 1014ھ / 1605ء میں جہانگیر تخت نشیں ہوا ۔ اس کے عہد کو نہ صرف مغلیہ دور میں بلکہ پورے ہندوستان کی تاریخ میں ایک خاص مقام حاصل ہے بلکہ بابر کا علمی ذوق اور اکبر کی علمی و ادبی روایات اسے ورثے میں ملی تھیں ۔ جہانگیر اپنے دادا کی طرح ادیب و فنکار اور والد کی طرح مدبرّ سیاستداں تھا ۔ اس نے جس وقت ملک کی باگ ڈور سنبھالی تو اسے بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا جن میں سب سے اہم مسئلہ اسلامی ہندوستان کی تعمیر و تشکیل تھا اور سوال یہ تھا کہ آئندہ مسلمانوں کا دستور حیات کیا ہوگا اور ان کی علمی و ادبی سرگرمیوں کی رفتار کیا ہوگی ان سب باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس نے یہ عظیم کارنامہ انجام دیا کہ اسلامی ہندوستان کو کشمکش سے بچا کر اسی صراط مستقیم کا انتخاب کیا جو سینکڑوں برسوں سے جمہور ملت اسلامیہ کی حیات کا نظام تھا ۔

---

(23) محمد اسحاق بھٹی ۔ فقہائے ہند ج چہارم ص 34

مگر وہ عظیم خیالات کا مالک تھا ۔ اس نے علمی و ادبی فضا کو منور کیا اور عدل و انصاف کی دنیا میں امن و راحت بانٹی ۔ اکبر کے عہد حکومت کے بعد علوم اسلامیہ کی ہندوستان میں دوبارہ بنیاد اسی نے رکھی ۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی اسی کے زرین عہد کے آفتاب و ماہتاب ہیں ۔

اس نے علم و ادب سے شیفتگی اور مطالعہ سے دلچسپی ورثہ میں پائی تھی اسی وجہ سے وہ علم و ادب کے افق پر ماہتاب بن کر چمکا اور بحیثیت ایک تنقید نگار وہ جس قدر باریک بین تھا اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے ۔ اس کے علاوہ اکبر کے کتب خانے کے علمی نوادرات نے اس کی صلاحیتوں کو مزید اجاگر کیا ۔ جہانگیر نے جو کتب خانہ وراثت میں پایا تھا اس نے نہ صرف اس کی امتیازی شان کو برقرار رکھا بلکہ اس میں کئی قابل قدر اضافے بھی کئے اس مسئلے میں وہ اکبر کے مثل تھا ۔ وہ اپنے کتب خانے کا ایک حصہ سفر میں بھی ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا ۔ جب وہ گجرات پہنچا تو اس نے اپنے کتب خانے کی کچھ کتابیں وہاں کے علماء کو ہدیہ کیں ۔ اور ان پر گجرات پہنچنے اور کتاب دینے کی تاریخ اپنے دست خاص سے تحریر کی ۔ آزاد لائبریری علیگڑھ میں ترکی دیوان کا ایک صفحہ موجود ہے جس پر جہانگیر کے دست خاص سے یہ عبارت لکھی ہوئی ہے —

"اللہ اکبر پنجم آذر سہ داخل کتاب خانہ ایں نیازمند درگاہ الہی نورالدین جہانگیر اکبر بادشاہ 1014ھ ۔"

جہانگیر نے عربی مدارس پر خصوصی توجہ کی اور ہندوستان میں بہت سے ویران مدارس کو دوبارہ آباد کیا ۔ علمی و ادبی ترقی کے لئے یہ قانون وضع کیا گیا کہ اگر کوئی تاجر دیار غیر میں وفات پا جائے اور وہ لاوارث ہو تو اس کی تمام جائیداد مدارس مفید عمارتیں تعمیر کرانے میں صرف کی جائے ۔ خان خاناں نے اس فرمان کو نقل کیا ہے کہ ـــــ

"حکم شد کہ ہرجا کہ مسافر تاجر و مقیم مالدار فوت شود وارث او حاضر نہ باشد مال او امانت نگاہ دارند ۔ در صورت مفقود وارث بودن وارث مال ترکہ میت را صرف تعمیر واحداث مساجد و پل مدرسہ و سرائے نمایند ۔" (24)

اکبر کے زمانے میں ہندوستان میں تعلیم کی جو اہمیت تھی جہانگیری عہد میں بھی وہ باقی رہی ۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م - 1052ھ) حضرت مجدد الف ثانی (م - 1034ھ) اور شیخ عبداللہ شطاری (م - 1010ھ) جیسے مایہ ناز علماء جہانگیری دور میں موجود تھے ان کے علاوہ مولانا شکر اللہ شیرازی مولانا مرزا احمد قاسم گیلانی اور دوسرے علماء جو مصنف اقبال نامہ جہانگیری نے بتائے ہیں مثلاً روزبہان شیرازی، ملا مقصود علی تبریزی، قاضی نوراللہ ، ملا عبدالحکیم سیال کوٹی اور ملا محمود جونپوری قابل ذکر ہیں ۔ اپنی عمر کے آخری دور میں جہانگیر کو شیخ احمد سرہندی کی صحبت سے غیرمعمولی روحانی مذہبی فیوض و برکات حاصل ہوئیں ۔ اگرچہ شروع میں وہ بعض درباری

---

(24) مفتی انتظام اللہ ۔ سلاطین ہند ۔ ص 97

امراء کی سازشوں اور شر انگیزیوں کی وجہ سے ان سے برگشتہ رہا - اور مشتعل ہوکر انھیں گوالیار میں قید کردیا مگر عاشق رسول ص شریعت (مجدد الف ثانی رح) کی قید و بند کے زمانہ میں جہانگیر نے خواب میں حضرت محمد کو دیکھا۔ انھوں نے فرمایا کہ تم نے ایک بڑے آدمی کو قید کردیا ہے اس نے شرمندہ ہوکر انھیں رہا کردیا اور ان سے معافی مانگی اور پھر اس کی شیفتگی اور عقیدت ان کی ذات سے اس حد تک بڑھی کہ اپنی عمر کا زیادہ حصہ ان ہی کی خدمت بابرکت میں گزارا -

جہانگیر نے تقریباً 70 سال کی عمر میں وفات پائی اس وقت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی عالم شباب کو الوداع کہہ چکے تھے اور وہ برابر اپنے علمی ذوق و شوق کے مطابق درس و تدریس میں منہمک رہتے تھے - چنانچہ جہانگیر نے ان کی علمی خدمات کے معاوضے کے طور پر انھیں ایک جاگیر عطا فرمائی - تاکہ وہ معاشی طور پر بےفکر ہوکر اپنی عمر عزیز کو مکمل طور پر تصنیف و تالیف میں صرف کریں اس کے بعد شاہ جہاں کی ادب نوازی و علم پروری کے سلسلہ میں "بادشاہ نامہ" میں 1634ء کے واقعات میں محمد صالح کنبوہ یوں رقمطراز ہیں ـــــ

"اسی دوران میں خدمت شاہی میں عرض ہوا کہ علاقہ بھنبھر کے مسلمان اپنی جہالت کی بنا پر ہندوؤں کو بیٹیاں دیتے اور بیٹیاں لیتے ہیں اور یہ طے کر لیا ہے کہ جو ہندو لڑکی مسلمان سسرال میں مرے گی وہ دفن کی جائیگی اور جو مسلمان لڑکی ہندو کے گھر فوت ہو وہ جلائی جائے

دربار شاہی (شاہ جہانی) سے حکم ہوا کہ جس ہندو کے گھر مسلمان عورت ہو اگر وہ مسلمان ہو جائے تو عورت سے اس کا نکاح دوبارہ پڑھایا جائے ورنہ مسلمان عورت کو اس سے جدا کردیا جائے چنانچہ راجہ جوگوی جس سے یہ فعل سرزد ہوا اپنے تمام قبیلے کے ساتھ مسلمان ہوا اور راجہ دولت مند کے خطاب سے سرفراز ہوا ۔" (25)

شاہ جہاں نے ہندوستان میں ایسی علمی فضا قائم کی جس سے نہ صرف علمی مقام بلند ہوا بلکہ ایسے یکتائے روزگار پیدا ہوئے جو علوم و فنون میں کامل دستگاہ رکھتے تھے اور جہاں کہیں ایسا موقع آیا کہ ہندوستانی علماء دوسرے ممالک کے علماء سے کسی مسئلے میں پیچھے ہوں تو شاہ جہاں کی رگ حمیت پھڑک اٹھتی تھی اور وہ ہر جتن کرکے اپنے ملک کے علماء کو اونچا اٹھانے کی کوشش کرتا تھا ۔ وہ نہایت عالم فاضل شخص تھا اور علم و ادب سے اسے خصوصی لگاؤ تھا ۔ آگرے کے قلعے میں قید ہونے کے بعد اورنگزیب کے پوچھنے پر کہ اس دوران کونسا مشغلہ آپ کو پسند ہوگا تو اس نے جواب میں کہا کہ قیدوبند کی زندگی درس و تدریس میں گزارنا چاہتا ہوں ۔ شاہ جہاں کو جونپور کی علمی مرکزیت پر اس قدر فخر تھا کہ "جونپور شیراز مملکت ما است" کہا کرتا تھا ۔

مغل عہد حکومت میں اسلامی دنیا کے دور دراز علاقوں سے علماء و فضلا دہلی آتے اور یہاں قابل فخر اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرتے

---

(25) ممتاز لیاقت ۔ شاہ جہاں نامہ مصنف محمد صالح کنبوہ ص 241

اور جس علمی تصنیف پر ہندوستانی علماء مہر توثیق ثبت کرتے وہ علمی دنیا میں معتبر مانی جاتی شاہان مغلیہ کے دور میں دہلی تھانیسر بدایوں کٹرہ الہ آباد لکھنؤ اور اس کے مضافات لاہور جونپور اور بہار وغیرہ علم و ادب کے ایسے مراکز تھے کہ ان میں صرف ہندوستان کے دوسرے حصوں سے نہیں بلکہ بیرونی ممالک مثلاً ہرات و بدخشاں وغیرہ سے بھی لوگ اپنی علمی تشنگی بجھانے کے لئے آتے ۔ دور شاہجہانی میں مشہور و معروف علماء کی مسند درس بچھی ہوئی تھی اور پورے ایشیا میں ان کے علوم و فنون کو شہرت حاصل تھی ۔ ملا محمد فاضل بدخشانی تحصیل علم کی خاطر کابل سے ہندوستان آئے اور ملا میرک بھی عین عالم شباب میں ہرات سے ہندوستان آئے اور ملا عبدالسلام کے شاگرد ہوئے ۔ سیالکوٹ میں ملا کمال الدین اپنی مسند درس بچھائے ہوئے تھے ۔ علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی انھیں کی درسگاہ کے ہونہار شاگرد تھے ۔ شاہ جہاں کی شیخ وجیہہ الدین گجراتی اور شیخ ابوالخیر جیسے مشہور علما و فضلاء کی نگرانی میں تعلیم و تربیت ہوئی تھی اسی لئے اسے عربی و فارسی ترکی اور ہندوستانی وغیرہ پر عبور حاصل تھا ۔ اس کے علاوہ خطاطی میں بھی اسے مہارت تھی ۔ مگر اپنے آبا و اجداد کی طرح اس کو علمی انہماک نہ تھا ۔ اور نہ ہی اس نے اپنے باپ دادا کی طرح کوئی علمی یادگار چھوڑی اس کے دماغ کی گل افشانی صفحۂ قرطاس کے بجائے جامع مسجد دہلی کی تعمیری ندرت و نفاست میں ظاہر ہوئی اور اس نے محبت کا ترانہ شعر و شاعری میں نہیں بلکہ تاج محل کی صورت میں منظوم کیا ۔ اگر بابر کی ذہنی نقش آرائیاں اس کی "تزک بابری" میں ہمایوں کی تخیل آرائیاں اس کی شعر و شاعری میں اکبر کی علمی فیاضیاں اس کے دربار کی ہنر پرور فضامیں

شاہ جہاں کے ذہن کی پرکاریاں تخت طاؤس قلعہ معلی اور روضہ تاج کے نقش و نگار میں عیاں ہیں بےشک اس نے کوئی علمی تصنیف نہیں چھوڑی پھر بھی اس کی کتاب زندگی کا کوئی صفحہ علمی دلچسپیوں سے خالی نہیں اس کے دربار کی علمی فضا اس کی فیاضیاں و زرپاشیاں اور اس کے علاوہ دارا شکوہ مراد جہاں آرا اور اورنگزیب وغیرہ کی اعلی تعلیم و تربیت اس کے ذوق کی شہادت ہیں ۔ شاہ جہاں کا دور ہندوستان کی فارغ البالی اور خوشحالی کا دور تھا ۔ اس نے ہندوستان کو علم و ادب کا گہوارا بنا دیا اور علماء و فضلاء شعراء کے ساتھ اس قدر اچھا سلوک کیا اور انھیں اسقدر انعام و اکرام سے نوازا کہ اکبر و جہانگیر سے بازی لے گیا ۔

اگر ہندوستانی علماء کی شان پر کوئی حرف آتا تو شاہ جہاں دکھی ہوتا ۔ ایک بار اس کے عہد میں کچھ علماء عراق گئے وہاں کے عالموں نے ہندوستانی علماء سے پوچھا کہ امام غزالی نے "تہافت الفلاسفتہ" میں قدم عالم اور نفی علم واجب تعالی کے سلسلہ میں شیخ ابونصرفارابی اور شیخ بوعلی سینا کی تکفیر کی ہے کیوں ؟ علماء اس کا شافی جواب نہ دے سکے تو شاہ جہاں کی رگ حمیت پھڑک اٹھی ۔ اسے خیال ہوا کہ کہیں اس کے وطن کے علماء کی سبکی نہ ہو اس لئے اس کے جواب میں ملا عبدالحکیم سیالکوٹی سے ایک رسالہ "الرسالتہ الخاقانیہ" لکھوا کر عراق بھیجا ۔

شاہ جہاں ایک غیرت مند مسلمان تھا ۔ وہ بچپن میں ہی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوگیا تھا اور اس نے ان کی مذہبیت

سے متاثر ہوکر اپنے عہد میں شراب سازی شراب نوشی کی ممانعت کروادی اس نے اپنے عہد میں رسولؐ کے ساتھ گستاخی کرنے کی سزا مقرر کی وہ اہم عہدیداروں کے تقرر میں ایسے افراد کو ترجیح دیتا تھا جو عالم ہونے وزیراعظم سعد اللہ خاں حافظ قرآن ہونے کے ساتھ ساتھ معقولات و منقولات کے ممتاز عالم تھے ۔ اسی عہد میں دانشمند خان جو میر بخشی کے عہدہ پر فائز تھے ان کا علم بھی معقولات و منقولات دونوں میں کافی گہرا تھا ۔ انھوں نے اس وقت کے جید عالم ملا عبدالحکیم سیالکوٹی سے "ایاک نعبد و ایاک نستعین" کی تفسیر پر علمی مذاکرہ کیا ۔ تو شاہ جہاں کے وزیر سعد اللہ خان نے کہا کہ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ دونوں میں سے کس کا علم زیادہ ہے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ جہاں اگرچہ خود عالم و مصنف نہ ہوتے ہوئے بھی علماء ساز تھا اپنی ذاتی دلچسپی سے اس نے ہندوستان کو رشک شیراز و یمن بنادیا ۔ علماء کی مدد و معاش کرتے ہوئے اس نے کئی تعلیمی اقدام کئے اکبر و جہانگیر کے قائم کردہ مدارس کو نہ صرف قائم رکھا بلکہ اس کو مزید ترقی دی جامع مسجد دھلی کے جنوبی گوشہ میں ایک نیا مدرسہ قائم کرکے اس کا نام دارالبقاء رکھا ۔

دسویں اور گیارھویں صدی ھجری میں مغل دور کئی اعتبار سے اہم ہے اس دور میں شعوری طور پر تشکیل نصاب کی کوششوں اور نصاب تعلیم کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی خواہش کا اظہار ہوتا ہے اس وقت ذہنوں میں تبدیلی آچکی تھی تخت سلطنت پر اکبر جیسا حساس بادشاہ جلوہگر تھا جسے عصری تقاضوں کا پورا احساس تھا ۔ حالات پر مکمل گرفت رکھنے کی

خاطر نصاب تعلیم میں عصری علوم حاصل کئے جانے کا اشارہ اسی کی ذات سے ملتا ہے ۔ اگرچہ مولانا عبداللہ نے دہلی میں اور مولانا عزیز اللہ نے سنبھل میں اپنے نصاب تعلیم کو درس کے ذریعہ شروع کردیا تھا ۔ اور مغلیہ دور کا یہ پورا ایک تناور درخت میں تبدیل ہوگیا ۔ معقولات کا رواج ہندوستان میں پہلے بھی تھا ۔ پنجاب سندھ اور گجرات صدیوں معقولات کی تعلیم کے اہم مراکز رہے ہندوستانیوں کو فلسفہ سے بھی خصوصی لگاؤ تھا ۔ امیر فتح اللہ شیرازی نے آگرہ پہنچ کر دربار اکبری میں قیام کیا اور بڑی محنت سے درس تدریس کا سلسلہ شروع کیا ۔ ساتھ ہی ایران کے متاخرین علماء محقق دوانی میر صدر الدین شیرازی میر غیاث الدین منصور اور مرزا جان کی کتابوں کو نصاب میں داخل کیا گیا ۔ شیخ وجیہہ الدین کے بارے میں مشہور ہے کہ درس کی کوئی کتاب ایسی نہ تھی جس پر انھوں نے حاشیہ نہ لکھا ہو ان کے بےشمار تلامذہ میں قاضی ضیاءالدین اور ملا جیون امیٹھوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ حدیث کا پہلو اس سے زیادہ تابناک ہے جو لوگ حجاز سے فن حدیث حاصل کرکے آئے ان میں شیخ طاہر پٹنی شیخ یعقوب صرفی کشمیری ملا عبدالنبی گنگوہی شیخ عبداللہ شیخ رحمت اللہ وغیرہ قابل ذکر ہیں ۔ مکمل نصاب کا نقشہ حسب ذیل ہے یہ تسلیم شدہ نصاب تھا جو عربی مدارس میں جاری و ساری تھا ۔

"نحو" میں۔کافیہ شرح جامی" منطق میں "شرح شمسیہ "شرح مطالع فلسفہ میں۔شرح ہدایت الحکمتہ کلام میں۔شرح عقائد نسفی معہ حاشیہ خیالی شرح مواقف فقہ میں۔ہدایتہ کامل و شرح وقایہ ۔ اصول فقہ میں حسامی

توضیح تلویح بلاغت میں۔ مختصر مطول ہئیت و نصاب میں۔ بعض رسائل مختصرہ طب میں۔ موجز القانون تفسیر میں۔ مدارک، بیضاوی، حدیث میں۔ صحیح بخاری مشکواتہ المصابیح شمائیل ترمذی تصوف و سلوک میں۔ عوارف ۔ رسائل نقشبندیہ شرح رباعیات جامی مقدمہ شرح لمحات مقدمہ شرح النصوص وغیرہ منتخب التواریخ "مآثر الکرام" وغیرہ کے مطالعہ سے کچھ زائد کتابوں کے نام ملتے ہیں جو عہد اکبری میں شامل نصاب رہیں ۔

مغلیہ خاندان کے فرمانرواؤں نے دینی علوم کی ترویج و اشاعت کے لئے جگہ جگہ مدارس تعمیر کرائے ان میں مفت تعلیم دی جاتی ۔ طلباء کے قیام کےلئے خانقاہیں و سرائے تعمیر کرائیں ان میں کھانا مفت ملتا ۔ ہونہار اور ذہین طلباء کو وظائف بھی ملتے اور مفت کتابیں تقسیم کی جاتیں ۔ درس و تدریس کےلئے متعین اساتذہ و علماء کی تنخواہیں شاہی خزانے سے دی جاتیں اس کے علاوہ دیگر تمام مصارف بھی حکومت برداشت کرتی اس دور کے علماء اپنے طور پر مسجدوں گھروں خانقاہوں میں تفسیر حدیث فقہ عربی زبان اور دیگر علوم کی تعلیم دیا کرتے اور طلباء ان محفلوں میں دور دور سے آکر استفادہ کرتے ان کے علاوہ درباری امراء بھی ان محفلوں میں شریک ہوتے اور فائدہ اٹھاتے تھے ۔

مختصر یہ کہ ہندوستان اس صدی میں اپنی علمی و ادبی حیثیت سے ایک نہایت ہی درخشاں دور میں داخل ہوچکا تھا ۔ امن و خوشحالی کا ہر طرف دور دورہ تھا ۔ عدل پروری کی روایت کو شاہان مغلیہ نے نہایت شاندار طریقے سے برقرار رکھا اس کے علاوہ ایک بادشاہ اسی وقت ایک قابل

حکمراں کہلایا جاسکتا ہے جب وہ مذہبی ہونے کے ساتھ ساتھ حکمرانی کے بھی تمام اوصاف سے آشنا ہو ۔ اور یہ بات اس وقت کے مغل حکمرانوں میں بدرجہ اتم موجود تھی خصوصاً شاہ جہاں نے ہر شعبہ زندگی میں خواہ وہ فن تعمیر ہو یا علماء کی قدر و منزلت اس نے اپنی قابلیت کا لوہا منوالیا ۔

مغل سلطنت کے عروج کے دور کی سب سے بڑی علمی و فکری شخصیت حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تھی لیکن اس دور میں بلند پایہ ادیبوں مصنفوں اور شاعروں کی کمی نہیں تھی ۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی(م-1052ھ) نے سب سے بڑا کارنامہ ہندوستان میں علم حدیث کو رواج دے کر کیا ۔ انھوں نے عربی و فارسی میں تقریباً 100 کتابیں اور کتابچے لکھے پھر مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی (م-1067ھ) جو سیالکوٹ اور آگرے کے مدارس میں پڑھاتے رہے انھوں نے تفسیر و فقہ اور علم کلام کی مشہور کتابوں پر حواشی لکھے ہیں ۔ سب سے مشہور تفسیر "بیضاوی" پر بہت علماء نے حاشیے لکھے لیکن کہا جاتا ہے کہ سب سے اچھا اور مقبول حاشیہ مولانا سیالکوٹی کا ہے ان کو سب سے زیادہ شہرت ان کی تصنیف "الرسالہ الخاقانیہ" کی وجہ سے ملی ان کے علاوہ مولانا محمود جونپوری (م-1062ھ) بھی اس عہد کے ممتاز عالم ہیں ۔ ان کی شہرت ان کی تصنیف "شمس بازغہ" کے ذریعہ ہوئی ۔ یہ فلسفہ کی ہاشکار کتابوں میں شمار ہوتی ہے ۔ اس عہد کے ایک اور ممتاز عالم شیخ محب اللہ الہ آبادی (م-1058ھ) نے زیادہ تر تصوف پر لکھا اور مشہور صوفی ابن عربی کی کتاب "فصوص الحکم" کی شرح لکھی اس کے علاوہ علم تاریخ میں ابوالفضل کا "اکبرنامہ" اور "آئین اکبری" اور بدایونی کی "منتخب التواریخ" قابل ذکر ہیں ۔ شاہجہانی عہد کے عبدالحمید لاہوری (م- 1065ھ) کی "بادشاہ نامہ" اور محمد صالح

کنبوہ م 1085ھ کی "عمل صالح" جو شاہ جہاں کی پیدائش سے لے کر وفات تک کے حالات پر مشتمل ہیں - قابل ذکر ہیں - اس کے علاوہ اس عہد میں ملا محمد فاضل بدخشانی ، قاضی محمد اسلم ہروی ، قاضی محمد سعید ، ملا میرک شیخ ہروی . ولد عبداللطیف سلطانپوری ، میر محمد ہاشم گیلانی ، ملا فرید دہلوی - ملا یوسف ، ملا عبدالسلام لاہوری ، مولانا محب علی ، مولانا سید ، محمد رضوی ، ملا محمود جونپوری اور ملا عبدالسلام اعظمی دیوی وغیرہ اسلام کی عزت و ناموس کے محافظ بھی رہے اور شاہ جہاں نے ان علماء کی قدر و منزلت ہرطریقہ سے کی ان کی عالمانہ سرگرمیوں پر ان اصحاب کو جاگیروں اور بھاری بھرکم انعام و اکرام سے نوازا اورنگ زیب نے مولانا عبداللطیف سہارنپوری مولانا محمد گیلانی اور علامہ سعد اللہ خاں اور شیخ احمد المعروف ملا جیون جیسے جلیل القدر علماء سے تعلیم حاصل کی - یہ علماء اپنے علم و فضل ذہانت و ذکاوت اور فطرت عالی کی وجہ سے عزت و وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے -

حقیقت یہ ہے کہ تیموری دور میں علم و ادب صنعت و حرفت موسیقی بلفانی مصوری اور ہر قسم کے ہنر کی ایسی بےمثال سرپرستی کی گئی کہ اس کی مثال پوری اسلامی دنیا میں نہیں ملے گی -

باب دوم :

حیات مولانا عبد الحکیم سیالکوٹیؒ

— وطن
— خاندان
— ولادت
— تعلیم و تربیت
— اساتذہ
— علمی مشاغل
— ولادت
— اولاد
— تلامذہ
— رفاہی یادگاریں

حیات مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی

سر زمین ہند ابتداً سے ہی علماً و فضلاً مشائخ طریقت اور بزرگان دین کا گہوارہ رہی ہے اس مادر گیتی سے ایسے ایسے علماً و فضلاً پیدا ہوتے رہے ہیں جن کی تحقیقی کاوشوں اور علمی کارناموں کو دیکھ کر عصر حاضر کے لوگ انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں ۔ ایسے ہی افراد قوم و ملت کی تاریخ بناتے ہیں اور تاریخ ان کا ذکر اقوام و ملل کے ساتھ کرتی ہے کہ آؤ دیکھو میرے دامن میں ایسے ایسے نایاب لعل و گہر ہیں جن کی ضیا پاشیوں سے آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں ۔ یوں تو تقریباً ہر صدی میں ہندوستان میں مایہ ناز علماً و فضلا پیدا ہوتے رہے ہیں مگر دسویں اور گیارھویں صدی ہجری کا زمانہ ہندوستان کی علمی تہذیبی تمدنی اور ثقافتی تاریخ کا سب سے زیادہ روشن اور تابناک دور ہے ۔ اس زمانہ میں مادر ہند کی آغوش میں ایسے ایسے پھول کھلے جن کی عطر بیزیوں سے ایک زمانہ مستفید ہوتا رہا اور وہ زبان و ادب کے افق پر روشن ستارے بن کر چمکے ان ہی کی وجہ سے تحقیق و تاریخ کا چمن ایک بار/پھر لہلہا اٹھا اور اس کی سنگلاخ وادی ایک بار پھر ان بلند ہمت اشخاص کی آماجگاہ بن گئی اور زہد و تقوی کی پر سکون سطح میں ایسا تموج پیدا ہوا کہ سرزمین ہند کے گوشے گوشے میں تصوف و سلوک اور آخرت طلبی کا بازار گرم ہوگیا ۔

ہندوستان میں اس وقت علوم اسلامی کے چھ بڑے مراکز تھے ایک دہلی دوسرا پنجاب تیسرے پورب (جونپور الہ آباد اور لکھنؤ کا علاقہ) چوتھے گجرات پانچویں سندھ اور چھٹے برہانپور ۔ دہلی میں شیخ عبدالحق

اس علمی مجلس کے صدر نشین تھے - پنجاب میں ان دنوں حاکم سے ناراضگی کی بنا پر کشمیر سے ایک بزرگ ترک وطن کرکے سیالکوٹ آئے تھے جنھوں نے پنجاب کی شہرت کو چار چاند لگائے اور اسے ایک مرتبہ پھر فروغ دیا ان بزرگ کا نام ملا کمال الدین کشمیری (1017ھ / 1608ء) تھا - پنجاب کے شہر سیالکوٹ کی مردم خیز زمین میں دو باکمال پیدا ہوئے - پچھلے زمانے میں علامہ عبدالحکیم اور موجودہ زمانہ میں علامہ اقبال - دونوں عظمت و شہرت کے آسمان پر علم و فضل کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے - علامہ اقبال پر تو بہت کچھ لکھا جا چکا ہے مگر علامہ سیالکوٹی پر بہت کچھ لکھنا باقی ہے -

ہندوستان زمانۂ قدیم سے ہی علوم و فنون کا گہوارہ رہا ہے جب مسلمانوں نے اس سر زمین پر قدم رکھا تو انھوں نے اسلامی علوم و فنون کی بھی داغ بیل ڈالی - محدثین فقہا مشائخ اور صوفیہ نے جگہ جگہ علم دین کے چراغ روشن کئے - مزید برآں سلاطین و امراء نے بھی علوم اسلامیہ کی اشاعت میں دلچسپی لی اور اپنے وسائل کے ذریعہ سے اس کی سرپرستی میں کماحقہ حصہ لیا - بعض اوقات ان امراء و رؤسا کی ڈیوڑھیاں اور حویلیاں اسلامی علوم و فنون کے مدارس بن گئیں جہاں ان کی اولاد کے ساتھ ساتھ دیگر طلبہ بھی شریک درس ہوتے تھے - غیر مقامی طلباء کے لئے اقامت اور خوردونوش کا انتظام بھی ہوتا تھا - بعض سلاطین نے ممتاز علماء و فضلاء کو جاگیریں بھی عطا کیں تاکہ وہ فکر معاش سے آزاد ہوکر سکون و اطمینان سے اپنی اقامت گاہوں پر ہی تعلیم و تدریس کی خدمت میں مشغول رہیں بعض اہل علم نے مساجد ہی میں مسند درس آراستہ کرلی اور محلہ کے خوشحال مسلمانوں نے ان کی

اور طالبین علم کی کفالت کی پھر رفتہ رفتہ عام مدارس کا قیام عمل میں آیا ۔

ہندوستان میں دسویں اور گیارھویں صدی میں علوم دینیہ کی اشاعت اور تعلیم و تدریس کے سلسلے میں سب سے زیادہ شہرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کو حاصل ہوئی جن کے پاس دور دراز سے طالبان علم اکتساب فیض کے لئے آنے لگے ۔ مولانا موصوف کا مقام ہندوستان کے علماء و فضلا میں نہایت ممتاز ہے انھوں نے ایک طویل عمر پائی اور درجنوں کتابیں جو شروح و حواشی پر مشتمل ہیں تالیف کیں ۔ جن میں سے بیشتر کو قبول عام ملا یہ شروح و حواشی اسقدر مشہور ہوئے کہ ان میں سے متعدد مدارس عربیہ میں شامل نصاب ہوئیں اور آج تک رائج و متداول ہیں ۔ ان کی بعض کتابوں کی شہرت ہندوستان کے باہر بھی دور دور تک پہنچی اور عرب ممالک میں ان کو شائع کیا گیا لیکن آج تک کوئی ایسی مستقل کتاب ہندوستان میں نہیں لکھی گئی جس میں ان کے کارناموں کو اجاگر کیا جاتا اور ان کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ لگایا جاتا ۔

مولانا صاحب دسویں صدی ہجری میں مغل بادشاہ اکبر کے عہد حکومت میں پروان چڑھے اور جلد ہی دنیا کے سامنے ایک مصلح دین کی شکل میں جلوہ گر ہوئے ۔ ان کی شخصیت متنوع اور کثیر الجہات ہے جس کا سب سے متاثر کن پہلو ان کی مستقل مزاجی بلند ہمتی اور تصنیف و تالیف میں ہمہ وقت مصروفیت ہے ۔

وطن ۔ سیالکوٹ

سیالکوٹ کی وجہ تسمیہ

سیالکوٹ صوبہ پنجاب کا ایک چھوٹا سا شہر ہے اس کی قدیم تاریخ یوں بیان کی جاتی ہے کہ آج سے تقریباً (5000) پانچ ہزار سال قبل ایک

سول یا سال نامی راجہ جو شاید پانڈوؤں کا چچا یا ماموں تھا نے اس شہر کی بنیاد رکھی تھی ۔ اس خاندان نے تقریباً پندرہ سو سال اس شہر پر حکومت کی اور اس کا نام اپنے نام کی مناسبت سے سیالکوٹ رکھا پھر اس کے بعد وہاں اتنا زبردست سیلاب آیا کہ قریب (1000) ایک ہزار سال تک دوبارہ اس پر کوئی بھی آباد نہ ہوسکا ۔ اس کے بعد ایک دوسرے راجہ لیباھن نے جس کا تعلق سیاکی اولاد سے تھا اس کو دوبارہ آباد کیا ۔ اور بادشاہ لیباھن نے وہاں ایک عظیم الشان قلعہ بھی تعمیر کرایا اور اسی وجہ سے کچھ لوگوں کی رائے کے مطابق اس کا نام اپنے قدیمی راجہ سیا کا نام کی مناسبت سے سیال کوٹ رکھا (1)

اس کے علاوہ عبدالرحمن امرتسری اپنی تصنیف "سیاحت ہند لاہور" میں شہر سیال کوٹ کا ذکر یوں کرتے ہیں ـــــ

"وزیرآباد سے 27 میل کا سفر طے کرنے کے بعد ہمارا گزر سیال کوٹ میں ہوا یہ شہر راجہ سالباھن کا بسایاہوا ہے جو حضرت مسیح سے قبل ایک مشہور راجہ تھا ۔ اس کے زمانے کا ٹوٹا پھوٹا قلعہ اور پرانے کھنڈر شہر کی قدامت کا ثبوت دے رہے ہیں ۔ مسلمان بادشاہوں کے زمانے میں بڑے پایہ کا شہر تھا ۔ موجودہ آبادی خوب رونق پر ہے یہاں کاغذ بہت عمدہ بنتاہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس کے علاوہ گیند بلے کا سامان خوب تیار ہوتا ہے اور تمام ہندوستان

---

(1) سید اقبال احمد جونپوری "تاریخ سلاطین مشرقی اور صوفیائے جونپور ص - 385

میں استعمال ہوتا ہے - - - - - اس شہر میں انگریزی تعلیم خوب ترقی پر ہے اور اس کی تعریف کی مستحق خاص کر مشنری ہے جن کی سعی سے دو ہائی اسکول اور ایک کالج جاری ہے ایک ہائی اسکول گورنمنٹ کی طرفسے ہے -" (2)

خـــــانـــدان ـــ

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کی ابتدائی زندگی کے بارے میں بہت کم معلوم ہے ان کے والد کا نام شمس الدین تھا اور پنجاب کا شہر سیال کوٹ ان کا وطن۔ جس کی مناسبت سے وہ سیال کوٹی مشہور ہوئے جناب شہیر احمد خاں غوری ان کے آباو اجداد کے بارے میں یوں لکھتے ہیں ـــ

"..... his father's name was Shams-ud-din who was probably of Kashmiri origin, but like so many of his countryman, settled afterwards in Sialkot. Here our author was born and brought up in the beginning of the eleventh century A.H.(3)

اس کے علاوہ نہ تو شمس الدین کے آباواجداد کا پتہ چلتا ہے اور نہ ان کے حسب نسب کا - بہرحال عبدالحکیم کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ اپنے خاندان کے پہلے فرد ہیں جنھوں نے اپنے علمی کمالات کی وجہ سے شہرت حاصل کی -

---

(2) حافظ عبدالرحمن امرتسری "سیاحت ہند لاہور" ص 59

(3) Journal of the Research Society of Pakistan, Oct. 1964 p.50

پیدائش ـــ

مولانا عبدالحکیم کے سال پیدائش کے بارے میں اختلاف ہے وہ شیخ احمد سرہندی کے ہم سبق تھے جو ان کا بہت احترام کرتے تھے اس لئے خیال ہوتا ہے کہ ملا صاحب حضرت مجدد سے چند سال بڑے ہونگے چونکہ ان کا سال ولادت 971ھ / 1563ء ہے لہذا ملا عبدالحکیم کا سال پیدائش ان سے چند سال پہلے ہوسکتا ہے لیکن کسی بھی مشہور و معروف تذکرے میں ان کا سال پیدائش درج نہیں ۔ عہد عالمگیری کے مشہور مورخ بختاور خان (م 1094ھ) نے اپنی تصنیف "مراتہ العالم" میں ان کا سال پیدائش 988ھ / 1581ء لکھا ہے اور لفظ "حفظ" سے ان کی تاریخ ولادت نکالی ہے

"تاریخ تولدش لفظ "حفظ" گفتہ اند

ح	ف	ظ	
8	80	900	(4)

ڈاکٹر معین الدین صوفی نے اپنے کتاب کشمیر (KASHIR) میں 968ھ لکھی ہے چونکہ بختاور خان اورنگزیب کا درباری مورخ اور مولانا صاحب کے بیٹے مولوی عبداللہ الملقب باللبیب کا ہم عصر اور نیازمند تھا لہذا اس کے پیش نظر ڈاکٹر صوفی کی بیان کردہ رائے قابل قبول نہیں ہوسکتی مگر ان تمام تذکروں میں دو باتیں مشترک نظر آتی ہیں کہ وہ حضرت مجدد الف ثانی کے ہم سبق تھے اور انھوں نے ایک طویل عمر پائی (5)

---

(4) بختاور خان ۔ مراتہ عالم بحوالہ ماہنامہ ثقافت اپریل 1967ء ص 3

(5) دائرہ معارف اسلامیہ ج 12 ص 834

تعلیم و تربیت ـــ

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ جس شخص کو جتنے زیادہ اساتذہ سے تلمذ کا شرف حاصل ہوتا ہے وہ اتنا ہی زیادہ باکمال اور لائق وفائق ہوتا ہے اسی لئے کسی کے علم و فضل کے ثبوت میں اس کے اساتذہ کی ایک طویل فہرست پیش کی جاتی ہے لیکن یہ معیار کمال ہر حال میں درست نہیں ہوتا ۔ در حقیقت کسی کی لیاقت و صلاحیت اس کے اساتذہ کی تعداد کی کمی یا بیشی پر منحصر نہیں ہوتی بلکہ استاد کے تبحر علمی اور مہارت فن نیز شاگرد کے شوق و محنت اور لگن پر بڑی حد تک اس کا انحصار ہوتا ہے ۔ صرف "ایک" لائق اور شفیق استاذ ذہین و محنتی طالب علم کو درجہ کمال تک پہنچا سکتا ہے اور متعدد غیر ماہر اساتذہ کی کوشش ایک بد شوق شاگرد کے حق میں رائیگاں چلی جاتی ہے چنانچہ مولانا عبدالحکیم سیال کوٹی جیسی عہد ساز شخصیت کے استاذ ملا کمال الدین کشمیری بھی ایک نامور اور مشہور زمانہ شخصیت تھے ۔ ملا صاحب کی ابتدائی تعلیم کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ہیں ۔ مگر خیال کیا جاتا ہے کہ انھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد شمس الدین سے حاصل کی اور اس کے بعد ملا کمال الدین کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرکے تحصیل علم کی تکمیل کی ۔

مولانا صاحب کی ذہنی و فکری نشو و نما شخصیت کی تعمیر قلبی اصلاح اور کردار سازی میں ان کے استاذ کا زبردست کردار رہا ہے ان کا علمی تبحر اور زہد و تقوی دراصل انھیں کی پیہم جدوجہد کا نتیجہ ہے ۔ علوم ظاہری و باطنی میں یکساں دستگاہ رکھنے والی شخصیت کے اساتذہ کی فہرست میں اپنے دور کے مایہ ناز علماء فضلاء اور اصحاب سلوک و تصوف ضرور شامل

ہوں گے لیکن یہ بڑی بدقسمتی ہے کہ اس متبحر عالم اور فرد کامل کے اساتذہ کی فہرست تذکرہ نگاروں نے بہت ہی ناقص تیار کی ہے لہذا بڑی تلاش کے بعد ان کے اساتذہ میں صرف ملا کشمیری کا ہی علم ہوا ہے جن کے مختصر حالات پیش ہیں ۔

ملا کمال الدین کشمیری (م 1017ھ / 1608ء)

قاضی شیخ کمال الدین بن موسی حنفی کشمیری اسم بامسمیٰ شخصیت کے مالک اور اپنے زمانے کے اجل علما میں سے تھے ۔ وہ علم و عمل کے جامع اور زہد و تقوی کا پیکر تھے ۔ ان کے برادر گرامی ملا جمال بھی اپنے وقت کے ایک عظیم صاحب طریقت بزرگ تھے ۔ تذکرہ نگار آپ کو "حلال دقائق و کشاف حقائق" کے القاب سے یاد کرتے ہیں (6)

وہ مشہور صاحب طریقت بزرگ بابا فتح اللہ حقانی کشمیری کے داماد اور مرید تھے اور انھیں کی صحبت میں رہ کر سلوک و معرفت کی اعلی منازل طے کیں اس کے بعد وہ خواجہ عبدالشہید نقشبندی احرارؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے جو خواجہ عبیداللہ احرار کی اولاد میں تھے ۔ جہاں تزکیہ نفس و تصفیہ باطن کی راہوں سے گزر کر کمال حاصل کیا ۔ ملا کمال گورنر کشمیر سے ناراض ہوکر 971ھ / 1564ء میں سیالکوٹ چلے آئے اور وہاں ایک طویل عرصے تک درس و تدریس میں مشغول رہے سیالکوٹ کے علاوہ لاہور میں بھی مسند درس کو زینت بخشی اور ان دونوں شہروں میں بےشمار لوگوں نے ان سے کسب فیض کیا ۔ ملا صاحب یگانہ روزگار اور منطق فلسفہ کلام اور اصول

---

(6) ماہنامہ ثقافت لاہور ۔ اپریل 1967ء ص 3

فقہ کے امام تھے اور ان کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی اور کرامتوں کا بڑا چرچا تھا ۔ علمائے وقت کی ایک کثیر تعداد نے ان کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا ۔ اور ان میں سے اکثر نے بڑی شہرت و ناموری حاصل کی مولانا سیالکوٹی نے انھیں کی شاگردی میں معقولات و منقولات میں کامل دستگاہ حاصل کی اور علماء ارباب و اقتدار کے حلقہ میں مقبولیت و شہرت اور عزت و احترام کے مالک ہوئے ملا کشمیری کے حلقۂ درس میں اس دور کی تین مشہور ہستیاں موجود تھیں ۔ نواب سعد اللہ خاں (وزیر اعظم شاہ جہاں) ۔ شیخ احمد سرہندی معروف بہ مجدد الف ثانی اور مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی ۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی "مآثر الکرام" میں لکھتے ہیں ـــــ

"علامہ زمان و افتخار زمانیاں است الحق در جمیع فنون درسی مثل او از زمین ہند بر نہ خاست آثار دانش بایں کیفیت و کمیت و حسن قبول بر صفحۂ روزگار نہ گذاشت مولد و منشا او سیالکوٹ از توابع لاہور ست در عنفوان سن تمیز دامن ہمت بہ طلب علم بروز بیشتر مثزد ملا کمال الدین کشمیری کے متوطن بلدۂ سیالکوٹ و بلند پرواز عالم ملکوت بود تلمذ نمود و در فرصت کسفی ہلال استوادش بدر کمال گشت و عرصۂ جہاں را بہ لوامع فیض مملو ساخت ۔" (7)

تھوڑے ہی عرصے میں یہ ہلال بدر کامل ہوکر چمکا اور ایک عالم میں اپنی

---

(7) غلام علی آزاد بلگرامی ۔ مآثر الکرام ص 204

ضیا پاشیاں بکھیرنا شروع کیں اور اپنی علمی استعداد کو پورے کمال تک پہنچا دیا ۔ نواب سعد اللہ خاں مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی اور مجدد الف ثانی میں خلوص و محبت و یگانگت کی مثال دی جاسکتی ہے ۔ چنانچہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد بھی ان تینوں کے درمیان خوشگوار روابط قائم رہے مگر اپنے استاد کمال الدین کا علمی فیض مولانا سیالکوٹی ہی کی ذات سے جاری رہا ۔

ملا کمال الدین نے 1017ھ میں وفات پائی اور لاہور میں دفن کئے گئے امتداد زمانہ کی وجہ سے آپ کی قبر کا نشان نہیں ملتا ہے (8)

حدائق الحنفیہ میں تاریخ وفات حدیقۂ فیض سے نکالی گئی ہے نیز تاریخ کشمیر اعظمی میں مصرعۂ تاریخ حسب ذیل ہے ۔

ملحق حق ۔ قطب و تاج اولیا ملا کمال (1017ھ) صاحب

خزینتہ الاصفیاء نے تاریخ وفات کے یہ دو مصرعے لکھے ہیں ۔

شمع نور عارف بگو تاریخ او نیز سالک تاج عرفانی کمال (9)

1017 1017

ملا کمال کے صاحبزادے حکیم دانا سیالکوٹی بھی ایک اعلی پایہ کے عالم تھے انھوں نے مختلف علوم و فنون میں شہرت پائی اور ان کی ملاقات جہانگیر سے بھی ہوئی اور انعام سے نوازے گئے ملا کمال کی ساری زندگی سنت نبوی کے احیاء اور تعلیم و تدریس میں صرف ہوئی ۔ ان کی وفات کے بعد ان کے علمی فیض کو جاری رکھتے ہوئے ملا عبدالحکیم سیالکوٹی نے ان کی مسند درس سنبھال لی ۔

---

(8) رحمان علی ۔ تذکرہ علمائے ہند ص 173

(9) ماہنامہ ثقافت لاہور اپریل 1967ء ص 4

اگرچہ مولانا عبدالحکیم کے تذکرہ نگاروں نے ملا کمال کے علاوہ کسی اور استاد کا نام نہیں بتایا ۔ مگر بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ان کے علاوہ بعض دیگر اساتذہ سے بھی کسب فیض کیا اور اپنے زمانے کے مشائخ سے فیوض باطنی حاصل کئے (10)

سید احمد قادری نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے رسالہ "انسان العین" کے حوالے سے لکھا ہے کہ غالباً مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی بھی شیخ عبدالحق دہلوی کے تلمیذ حدیث تھے ۔ "انسان العین" فی مشائخ الحرمین میں انھوں نے اپنے بعض ان اساتذہ کا ذکر کیا ہے جن سے انھوں نے اسناد حدیث حاصل کی انھیں "اساتذہ میں سے شیخ ابو طاہر محمد کے حالات میں فرماتے ہیں ـــ

"خرقہ و اجازت از بزرگان بسیار گرفت ـــ ـ ـ ـ از انجملہ شیخ عبداللہ لاہوری و کتب ملا عبدالحکیم سیالکوٹی از وے روایت کند . عن الشیخ عبداللہ اللبیب عن مولانا عبدالحکیم و کتب شیخ عبدالحق دہلوی ہمیں واسطہ از مولانا عبدالحکیم روایت کند و وے از شیخ عبدالحق اجازتہٗ و روایتہٗ " (ص 9 - 198)" (11)

شاہ صاحب کے مندرجہ بالا بیان سے مولانا سیالکوٹی کا تلمیذ محدث ہونا تو بالکل واضح ہے مگر اس بیان سے یہ عجیب حقیقت بھی منظر عام پر آتی

---

(10) فقیر محمد جہلمی ۔ حدائق الحنفیہ ۔ ص 414 خزینتہ الاصفیا ص 351

(11) ماہنامہ ثقافت ۔ اپریل 1967ء ص 4

ہے کہ خود شاہ ولی اللہ بھی مولانا سیالکوٹی کے شجرۂ نسب علمی میں شمار ہوتے ہیں اور ان کی سند علمی یوں ہوگی -

"الشاہ ولی اللہ دہلوی عن الشیخ ابی طاہر محمد عن الشیخ عبد اللہ لاہوری عن الشیخ عبد اللہ اللبیب عن عبد الحکیم سیالکوٹی یہ مولانا عبد الحکیم عمر بھر درس و توریس اور تصنیف و تالیف میں مصروف رہے دور دور سے طلبا ان کے چشمۂ فیض سے سیراب ہونے کے لئے ان کے پاس حاضر ہوتے اور باکمال بن کر لوٹتے تھے -

مشاغل —

اگرچہ مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی کی ولادت عہد اکبری میں ہوئی تھی اور وہ زمانہ ان کے اوائل عمری کا زمانہ تھا - پیدائش کے وقت اکبر کی عمر تقریباً انچاس یا پچاس سال تھی اور تخت نشین ہوئے اسے تقریباً 14 یا 15 سال ہوئے تھے (963ھ / 1556ء سے 1014ھ / 1605ء) وہ پچاس سال سے بھی کچھ زائد وہ ہندوستان کا بادشاہ رہا جب اس نے وفات پائی تو اس وقت مولانا سیالکوٹی عمر عزیز کی تقریباً 34 - 35 بہاریں دیکھ چکے تھے اگرچہ ان کی رسائی اس کے دربار تک نہ تھی لیکن کہا جاتا ہے کہ وہ اس کے عالیشان مدرسۂ لاہور میں ہی سرکاری مدرس مقرر کئے گئے اور اس سلسلے میں انھوں نے لاہور میں کافی عرصہ قیام کیا اور صدہا طلبۂ نے ان سے حصول علم کیا اسی مدرسہ کے قیام کے دوران وہ "فاضل لاہوری" کے لقب سے مشہور ہوئے - اکبر (م 1014ھ / 1605ء) کے بعد جہانگیر تخت نشین ہوا وہ

اپنی جانشینی کے اوائل میں مولانا سیالکوٹی کی علمی شہرت سے نا آشنا تھا خیال کیا جاتا ہے کہ جب مولانا عبدالحکیم مدرسہ لاہور میں تدریسی فرائض انجام دے رہے تھے تب اسے ان کی علمی شہرت سے آگاہی نہ تھی ۔ مولانا سیالکوٹی نے عہد جہانگیری میں اپنے ہی وطن سیالکوٹ میں مجلس درس و تدریس آراستہ کی اور لوگوں کی فیض رسانی میں مشغول ہوگئے ۔ اس سلسلہ میں عبدالحمید لاہوری مولف بادشاہ نامہ کا بیان ملاحظہ ہو ـــ

"در ایام سعادت فرجام حضرت جنت مکانی بضروریات معشیت در ساختہ عزلت گزیں بود ۔" (12)

تخت نشینی کے کچھ عرصہ بعد جہانگیر بھی دوسرے مغل حکمرانوں کی طرح سلطنت کے مختلف کاموں کے ساتھ دیگر علوم و فنون کی طرف متوجہ ہوا ۔ اس نے اپنے عہد میں بہت سے علماء و فضلاء کی قدر شناسی کی انھیں میں سے ایک مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کی ذات تھی اسی عہد میں ان کی مقبولیت و شہرت شاہی دربار تک پہنچی اور ان کی علمی کاوشوں کو تسلیم کرتے ہوئے اس نے انھیں ایک معقول جاگیر عطا کی اور اس طرح ان کا شمار اہل حشمت میں ہونے لگا اب معاشی حالات سے بےفکر ہوکر وہ تصنیف و تالیف میں اپنا وقت صرف کرنے لگے پھر جب شہنشاہ جہانگیر نے 20 - 22 سال حکومت کرنے کے بعد 1036ھ / 1627ء میں وفات پائی تو اس وقت ان کی عمر تقریباً 65 - 66 سال تھی اور وہ علمی شہرت کے افق پر ماہتاب بنکر چمک

---

(12) عبدالحمید لاہوری ۔ بادشاہ نامہ ج اول حصہ دوم ص 341

رہے تھے اور ان کی عالمانہ ضیا پاشیوں سے شاہ جہاں جیسے علم پرور کی آنکھیں چکا چوند ہو چکی تھیں اپنے ہمعصروں میں مولانا صاحب کو امتیازی حیثیت حاصل تھی اور حضرت مجدد الف ثانی ان کو "آفتاب پنجاب" کہا کرتے تھے ۔ مولانا عبدالحکیم کو بھی حضرت مجدد سے بڑی عقیدت تھی (13) اور اپنی اسی عقیدت کی بنا پر انھوں نے شیخ احمد سرہندی کو سب سے پہلے "مجدد الف ثانی" کے خطاب سے نوازا اور یہ اس قدر مشہور و مقبول ہوا کہ شیخ احمد سرہندی کے دیگر خطابات میں سے اسی کو سب سے زیادہ شہرت ملی اور زبان زد عام ہوگیا (14)

یہ شاہ جہاں کی فیاضانہ زر پاشیوں اور شاہانہ سرپرستیوں کا نتیجہ تھا کہ علماء و فضلاء ادباء اور شعراء دربار شاہی کی طرف کھنچے چلے آتے تھے ہمعصر مورخین بتاتے ہیں کہ شاہ جہانی عہد میں مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی ملا محمود جونپوری عبدالسلام دیوی دیوان عبدالرشید جونپوری ملا محمد فاضل بدخشانی ملا جمال الدین لاہوری مولانا محب علی مولانا سید محمد رضوی خواجہ باقی باللہ دہلوی قاضی محمد اسلم ہروی وغیرہ جید علماء کا ایک شاندار اجتماع تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ علماء و فضلاء کی کہکشاں چنی ہوئی ہے جس میں فضل و کمال کی افشاں جگمگا رہی ہے یہی وہ باصلاحیت علماء تھے جو فروغ علم و ادب کے معمار و امین تھے ۔ چنانچہ جب مولانا سیالکوٹی کی شہرت ہوئی تو شاہ جہاں ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہا ۔ اگرچہ اس کا دربار متعدد اسلامی ممالک نامور علماء و فضلاء کا

---

(13) رحمان علی ۔ تذکرہ علمائے ہند ص 280

(14) ڈاکٹر شہیر احمد قادرآبادی ۔ عربی زبان ہند مغلیہ میں ص 193

ملجا و ماوا بنا ہوا تھا مگر ان میں علامہ سیالکوٹی کا مرتبہ بہت بلند تھا کچھ مدت تک وہ شہزادوں کو بھی تعلیم دیتے رہے ان کی دینی خدمات کو سراہتے ہوئے اس نے ان کو عنایات شاہانہ سے نوازا ۔ علامہ پر بادشاہ کی نوازشات کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے ان کو دو مرتبہ چاندی کے سکوں کے عوض ترازو میں تولوایا اور تمام نقدی ان کو بخش دی اس نے انھیں "ملک العلماء" کا خطاب بھی دیا ۔ مولوی رحمان علی مرحوم اپنی شہرہ آفاق تصنیف "تذکرہ علمائے ہند" میں یوں رقمطراز ہیں ــــ

"جب شاہ جہاں ابن جہانگیر تخت حکومت پر بیٹھا اور علماء فضلاء کی قدر دانی کے اعتبار سے اس کی شہرت علوم دنیا پر پھیلی تو صلائے موصوف دربار شاہی میں طلب کئے گئے انعام و اکرام سے سرفراز ہوئے شاہ جہاں نے دو مرتبہ چاندی سے تلوایا اور وہ چاندی ان کو بخش دی ۔ ہر مرتبہ (6000) روپیہ وزن میں آیا ۔ چند دیہات ان کو عطا فرمائے ملا نے اپنی تمام عمر درس و تصنیف میں گزاری مشہور ہے کہ ایک لاکھ روپیہ ماہانہ سلطان وقت سے ملتا تھا۔(15)

ان تمام واقعات کی تصدیق و تفصیل نیز ان کی علمی شہرت سے متاثر ہوکر معاصر اور مابعد کے تذکرہ نگاروں نے اپنی تصانیف مثلاً "بادشاہ نامہ" عمل صالح "مراتہ العالم" "فرحتہ الناظرین" خلاصتہ التواریخ " وغیرہ میں ان کے

---

(15) رحمان علی ۔ تذکرہ علمائے ہند ص 280

بارے میں لکھا ہے "رود کوثر" میں شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں ـــ

"انھیں عہد شاہ جہانی میں بڑا فروغ ہوا دو مرتبہ بادشاہ نے سونے چاندی سے تلوایا اور ان کے وزن کے مطابق چھ چھ ہزار روپیہ نقد انعام دیا ۔ آپ ایک زمانہ میں اکبرآباد کے سرکاری مدرسہ میں جسے اکبر نے جاری کیا تھا مدرس اعلی مقرر ہوئے اور یہاں شاعر قدسی کے ساتھ ایک ہی وقت میں فرائض و تدریس انجام دیتے رہے ۔" (16)

منشی محمد الدین فوق "تذکرہ علما و مشائخ" میں یوں رقمطراز ہیں ـــ

"شاہ جہاں نے دو دفعہ آپ کو ہم وزن روپیہ کے ساتھ ترازو میں وزن کرایا ۔ روپیہ کی تعداد ہر دفعہ چھ ہزار (6000) تھی ۔ علاوہ ان اعزاز بخشیوں کے بطور جاگیر کئی گاؤں عطا فرمائے آپ معاش سے بےفکر ہوکر اپنے قیمتی اوقات کو اعلی درجہ کی تصانیف اور مشغلہ تدریس میں صرف کرنے لگے ۔" (17)

شاہ جہاں کی بخشش و عنایات کا خاطر خواہ اثر ہوا مولانا یکسوئی سے تدریسی خدمات انجام دیتے رہے اور علم دین کی اشاعت میں ہمہ تن کوشاں رہے یہی نہیں کہ انھوں نے صرف شہرت و نیک نامی حاصل کی بلکہ علوم دینیہ میں ان کو ملکہ حاصل تھا اور اپنے ہمعصروں میں وہ سر فہرست تھے۔ المجیؔ تو ان کی تعریف میں یوں رَطب اللسان ہیں ۔"

---

(16) شیخ محمد اکرام ۔ رود کوثر ص 391

(17) محمد الدین فوق ۔ تذکرہ علماء و مشاہیر ص 49

"ولم يبلغ احد من علماء الهند فی وقته ما بلغ من الشان والرفعته ولا انتهی واحد منهم الی ما انتهی إليه جمع الفضائل عن يد و حاز العلوم و انفرد ۔" (18)

شاہ جہاں کے عہد میں ان کی قدرومنزلت میں اضافہ کی وجہ غالباً یہ بھی تھی کہ بعض اقوال کے مطابق وہ مغلیہ خاندان کے بعض شاہزادوں کے استاد بھی تھے ۔ مولانا عبدالحئی رائے بریلوی تحریر کرتے ہیں کہ بادشاہ کی طرف سے ہر سال ایک لاکھ روپیہ پاتے تھے ۔ جبکہ مولوی رحمان علی نے یہ رقم سالانہ کے بجائے ماہوار بتلائی مگر صاحب نزھۃ الخواطر کا قول زیادہ قابل قبول ہے ۔

ملا کمال الدین نے سیالکوٹ میں علم و فن کا جو پودا لگایا تھا مولانا عبدالحکیم نے اس کی آبیاری کرکے اسے پروان چڑھایا اس شہر میں انھوں نے استاد کی وفات کے بعد علمی فیض کو جاری رکھا اور دینی خدمات میں برابر مصروف رہے ملا کمال جس مسجد میں بیٹھ کر مسند درس کو زینت بخشا کرتے تھے وہ آج بھی سیالکوٹ میں موجود ہے اور ان کے تلمیذ رشید مولانا سیالکوٹی کے مدرسے کے کچھ آثار بھی باقی ہیں اس دور کے علماء مولانا عبدالحکیم کی فضیلت اور علمی مرتبے کے قائل تھے ۔ اور آپ کا فتوی سارے ہندوستان میں جاری و ساری تھا ۔ حتی کہ حکام دولت کو بھی آپ کو حکم شرعی کے سامنے چوں چرا کی گنجائش نہیں ہوتی تھی ۔ صاحب خزینتہ الاصفیاء نے لکھا ہے ـــــ

---

(18) المحبّی ۔ خلاصتہ الاثر ج الثانی ص 318

" علمائے ہند بر قول و فعل وے جائے اعتراض و حکام
عہد را از حکم شرع کہ بفتوی وے جاری شدے جائے
افکار و اعتراض نبودے ۔"

اسی سلسلے میں ڈاکٹر شیخ محمد اکرام نے Studies in the History of Gujrat کے حوالے سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ اورنگ زیب نے اپنی گجرات کی گورنری کے زمانے میں احمد آباد کے ایک ناجائز تعمیر کردہ جین مندر کو گرا کر مسجد بنانے کا حکم دیا تھا ۔ لیکن جب دارا شکوہ گجرات کا گورنر بنا تو اس نے مولانا عبدالحکیم کے فتوی کے مطابق شاہ جہاں کے حکم سے یہ عمارت دوبارہ بحیثیت مندر وا گزار کردی ۔(19)

حلقہ احباب علم میں ان کو کافی مقبولیت حاصل تھی مولانا عبدالحیٔ نزہتہ الخواطر میں لکھتے ہیں ــــ

" یدرس و یصنف و تصنیفاتہ کلّھا مقبولتہ عند العلماٗ
محبوبتہ عالیھم ولاسّیما عند علماٗ بلاد الروم یتنافسون
فیھا و جدیرتہ بذلک ۔" (20)

شاہ جہاں کے زمانہ میں ہندوستان علماٗ و فضلاٗ کا مرکز و منبع بنا ہوا تھا یہ زمانہ علوم عقلیہ کی ترویج و ترقی کا زمانہ تھا ایران کے علماٗ کی ایک کثیر تعداد اس کی سخاوت و فیاضی کا شہرہ سن سن کر اس ملک میں آئی

---

(19) ماہنامہ ثقافت لاہور ۔ اپریل 1967ء ص : 7

(20) عبدالحئی رائے بریلوی ۔ نزہتہ الخواطر ج : 5 ۔ ص : 211

اور ان میں سے بہت سے علماء براہ راست دربار شاہی میں ملازم ہوئے ان حضرات میں سے اکثر فضلاء سے علمائے ہند کے مناظرے بھی رہے چونکہ شاہ جہاں ان علمی مجالس میں ذاتی طور پر دلچسپی لیا کرتا تھا اسی لئے ان کی اہمیت اور بھی زیادہ تھی ۔ چنانچہ ایک ایرانی فاضل ملا شفیعائی اور مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کا مناظرہ بہت مشہور ہے ۔

ملا شفیعائی یزدی کا اصل نام محمد شفیع اور لقب دانشمند خاں تھا ۔ یہ لقب انھیں دربار شاہ جہانی سے عطا ہوا تھا ۔ وہ یگانہ آفاق اور سرآمد علمائے خراسان و عراق تھے مآثر الامرا میں اس مناظرے کی روداد مندرجہ ذیل ہے ــــ

"گویند چوں بملازمتِ پادشاہی فائز گردید بجہت مباحثہ و مناظرہ علمی ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کہ بعلم و دانش از اساتذہ باستانی سبقت برد ولیم از و در ہندوستان نشان نہ دہند و حواشی خرد پسند او برجمیع کتبِ معتبرہ برہائے است واضح اشارت رفت میانِ ہر دو فاضل در و او عطف (ایاک نعبد و ایاک نستعین) گفتگوئے طولانی واقع شد و بزمانی در از کشید علامی سعداللہ خان کہ در علم بود ممیزگشت و آخر ہر دو برابر ماندند ۔" (21)

ان کے علاوہ ایک اور عالم وقت ملا فاضل سے بھی مولانا سیالکوٹی کی علمی

---

(21) شاہ نواز خان ۔ مآثر الامرا ج 2 ص 32

بحثوں کا پتہ چلتا ہے ملا فاضل کے مجادلہ و مباحثہ کی شہرت اور سیالکوٹی کے حواشی سے اختلاف کرنے کا ذکر مولوی محمد الدین جہلمی نے بھی اپنی کتاب روضتہ الابرار میں کیا ہے علمائے ہند کا شاندار ماضی میں ملفوظات عزیزیہ کے حوالے سے ملا عبدالحکیم اور ملا فاضل کے بارے میں ایک دلچسپ حکایت بیان کی گئی ہے ـــــ

"ملا محمد فاضل بدخشاں میں پیدا ہوئے علوم عقلیہ و نقلیہ میں کامل ہو کر شاہ جہاں بادشاہ کے پاس پہنچے اور مطالبہ کیا کہ "ملک العلما" کا منصب اور خطاب مجھے عطا فرمایا جائے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی اس عہدہ اور منصب پر فائز تھے ۔ شاہ جہاں نے کہا آپ دونوں صاحب مناظرہ کرلیں جس کو زیادہ قابل سمجھونگا اس کو "ملک العلمائ" بنا دونگا ملا محمد فاضل صاحب نے بذات خود مولانا سیالکوٹی سے مناظرہ کرنے میں اپنی ہتک سمجھی فرمایا میرا کوئی شاگرد مولانا سیالکوٹی سے مناظرہ کریگا یہ کہہ کر دربار شاہی سے رخصت ہوئے اور سیدھے ہرات پہنچے وہاں ابھی مرزا زاہد اپنے والد سے پڑھا کرتے تھے ملا فاضل نے ذکی اور ذہین سمجھ کر ان کے والد سے اجازت چاہی کہ وہ خود ان کو تعلیم دیں چنانچہ بہت تھوڑے عرصے میں میر زاہد کو عالم وفاضل کرکے اپنے ہمراہ دربار شاہ جہاں میں لائے اور فرمایا

یہ میرا شاگرد حاضر ہے جو ملا عبدالحکیم سیالکوٹی سے
مناظرہ کرے گا مولانا نے پہلی نظر میں تاڑ لیا کہ مرزا
زاہد صاحب صرف پیمیں کچے ہیں بادشاہ کے سامنے ہی
فرمایا اس بچے سے صرف کے صیغوں کے سوا اور کیا پوچھ سکتا ہوں
اور پھر شافیہ کی ایک عبارت کا مطلب پوچھ لیا وہ
عبارت مرزا زاہد کے ذہن میں نہ تھی فرمایا ! کتاب
دیکھ لوں مولانا عبدالحکیم صاحب نے فوراً فرمایا ابھی
تک کتاب کی ضرورت ہے ! الغرض ملا فاضل اس مرتبہ بھی
شکست کھا کر بےنیل مرام واپس ہوگئے ۔" (22)

اپنے وقت کے صوفیائے کرام سے بھی علامہ سیالکوٹی کے تعلقات استوار تھے اور اکثر ان سے ملاقاتیں تھیں اس سلسلے میں حضرت میاں میر صاحب لاہوری کا نام بطور خاص قابل ذکر ہےان کے علاوہ شیخ آدم بنوری حاجی محمد سعید اور شیخ علم اللہ نقشبندی شیخ بلاول لاہوری کا بھی ذکر ملتا ہے یہاں حضرت مجدد الف ثانی اور علامہ سیالکوٹی کے تعلقات باہمی کا تذکرہ کیا جائے تو بےجا نہ ہوگا ۔ ان دونوں میں حد درجہ محبت اور یگانگت تھی اور دونوں ایک ہی استاد ملا کمال الدین کے شاگرد تھے اور مختلف مواقع پر ان بزرگوں کی ملاقات کا پتہ چلتا ہے ۔

بعض تذکروں میں بھی درج ہے کہ مولانا مجدد صاحب سے ملاقات کے لئے سرہند بھی تشریف لے گئے تھے اور بہت دنوں تک وہاں

---

(22) ماہنامہ ثقافت لاہور ۔ اپریل 1967ء ص 9

رہ کر ان سے بیعت بھی کی مجدد صاحب نے ان کو "آفتاب پنجاب" کے لقب سے نوازا ۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابتداً میں مولانا سیالکوٹی حضرت مجدد سے بعض اختلافات کی وجہ سے بدظن تھے ۔" علمائے ہند کا شاندار ماضی" میں مذکور ہے کہ ابتدا میں وہ حضرت مجدد صاحب کے مخالف تھے ۔ مگر ایک دن حضرت کو خواب میں دیکھا کہ مولانا سیالکوٹی کو مخاطب فرما کر یہ آیت پڑھ رہے ہیں ۔ "قل اللہ ثم ذرھم" (کہو اللہ پھر چھوڑ دو) اس آیت کو سننے کے بعد حضرت شیخ کا جذب اور شوق الہی آپ کے دل میں گھر کرگیا اور فوراً قلب سے ذکر جاری ہوگیا اور خواب سے بیدار ہونے کے بعد بھی دیکھا کہ قلب ذکر میں جاری ہے اس کمال تصرف کو دیکھ کر مولانا کے دل سے ساری مخالفت ختم ہوگئی اور حضرت مجدد کی خدمت میں حاضر ہوکر باقاعدہ سلسلہ میں داخل ہوگئے ۔

مولانا عبدالحکیم کو حضرت مجدد صاحب سے اس درجہ عقیدت ہوگئی کہ وہ مخالفین کے مقابلے میں اپنے زور قلم سے بھی اپنے ہم سبق رفیق کی تائید و اعانت کا فریضہ سر انجام دیتے تھے ۔ مولانا عبدالحئی رائے بریلوی نے صاحب "کشف العطا" کے حوالے سے لکھا ہے کہ انھوں نے سند العلماء افضل الفضلاء مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے اپنے قلم سے مندرجہ ذیل عبارت لکھی ہوئی دیکھی تھی جس میں حضرت مجدد کے مخالفین کے بعض شکوک و شبہات کا پر زور طریقے سے رد کیا گیا ہے ـــــ

"قدح کردن در سخن بزرگان بے مراد ایشاں جہل است
و نتیجہ نیک نہ دارد پس رد کلام شیخت پناہ ۔ عرفان

دستگاہ شیخ احمد از جہل و نافہمیدگی است ۔ کتبہ
الفقیر عبدالحکیم ۔" (23)

اس کے علاوہ علمائے ہند کا شاندار ماضی میں ایک واقعہ بھی موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عبدالحکیم اور حضرت مجدد کی دوستی اور اخوت کی بنیادیں بہت گہری تھیں ۔ اور مولانا اکثر و بیشتر حضرت مجدد صاحب کے ہاں جایا کرتے تھے ۔ خواجہ عبیداللہ فرزند خواجہ محمد معصوم بن مجدد الف ثانی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے "سات سال کا سن تھا کہ مولانا عبدالحکیم صاحب سیالکوٹی تشریف لائے اور امتحاناً مجھ سے پوچھا کہ گویائی زبان کی صفت ہے دل ایک پارچہ گوشت ہے وہ کس طرح ذکر کرسکتا ہے ؟ ہفت سالہ طفل نے جواب دیا ۔ زبان بھی پارچہ گوشت ہے جس قادر مطلق نے زبان کو گویائی عطا فرمائی وہی قلب کو قوت ذکر عطا فرماتا ہے ۔ یہ سن کر مولانا نے فرمایا نبیرہ مجدد کو ایسا ہی ہونا چاہئے (24)

وفـــات ـــ

بالآخر 79 سال کی عمر میں 12 یا 18 ربیع الاول 1067ھ/ 1656ء میں وہ آفتاب غروب ہوگیا جس کی ضو فشانیوں سے پورا ہندوستان منور تھا اور سیالکوٹ کے وہ ہزاروں تشنگان علم و فن جنھوں نے اس سے عرصہ دراز تک کسب فیض کیا تھا ۔ اپنے مرشد کامل سے محروم ہوگئے (25) چانچہ

(23) عبدالحئی رائے بریلوی ۔ نزہتہ الخواطر ج 5 ص 78
(24) ماہنامہ ثقافت لاہور ۔ اپریل 1967ء ص 13
(25) بختاور خان ۔ مراتہ العالم ص 492

انھیں محلہ میانہ پورہ میں ان کے ذاتی باغ میں دفن کیا گیا جہاں ان کا مزار اب تک مرجع خلائق ہے ۔ اگرچہ ان کی وفات کے سلسلے میں تذکرہ نگاروں کی متضاد رائیں ملتی ہیں ۔ حقیقت کیا ہے ؟ قدیم مآخذ سے کیا ثبوت ملتا ہے ؟ ذیل میں اس کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔ شاہ جہاں نامہ معروف بہ بحمل صالح کے مصنف محمد صالح کنبوہ کی روایت کے مطابق جو عہد شاہ جہانی کی ایک مستند تاریخ ہے اور اس کا اردو ترجمہ ممتاز لیاقت نے کیا ہے اور طبقہ" علما" کے عنوان کے تحت ملا سیالکوٹی کی وفات کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے ـــــ

T-5227

"1067ھ /1657ء میں جہانِ فانی سے رخصت ہوئے اب ان کے بیٹے مولانا عبداللہ تمام باتوں میں اپنے والد بزرگوار کے صحیح جانشین ہیں ۔" (26)

اگرچہ دوسری کتابوں میں ان کی تاریخ وفات کے بارے میں تھوڑا سا اختلاف پایا جاتا ہے نزھتہ الخواطر کے مولف یوں لکھتے ہیں ـــــ

"توفی فی الثالمن عشر من ربیع الاول سنہ سبع و ستین و الف بمدینہ سیالکوٹ فدفن بہا ۔" (27)

ملا سیالکوٹی کی وفات کے بارے میں مآثر الکرام میں یوں لکھا ہے ـــــ

"دوازدھم ربیع الاول 1067ھ (سبع و ستین و الف) طومار حیات پیچیدہ در سیالکوٹ مدفون گردید ۔" (28)

---

(26) ممتاز لیاقت ۔ شاہ جہاں نامہ ص 563

(27) عبدالحئی رائے بریلوی ۔ نزھتہ الخواطر ج 5 ص 211

(28) غلام علی آزاد بلگرامی ۔ مآثر الکرام دفتر اول ص 205

اور مولوی رحمان علی اپنی شہرہ آفاق تصنیف "تذکرہ علمائے ہند" میں یوں رقمطراز ہیں ـــ

"16 ربیع الاول 1067ھ / 1656ء میں انتقال ہوا سیالکوٹ میں مدفون ہوئے ۔" (29)

اس کے علاوہ زرکلی نے "الاعلام جزالرابع میں اور اسماعیل پاشا بغدادی نے "ہدیتہ العارفین" کی جلد اول میں بھی یہی سن وفات تحریر کی ہے اسی طرح مولانا محمد حسین آزاد نے اپنے مختصر رسالہ "تذکرتہ علماء" میں بھی یہی تاریخ وفات تحریر کی ہے ـــ سبحتہ المرجان میں یوں لکھا ہے ـــ

"توفی فی الثامن عشر من ربیع الاول سنہ سبع و ستین و الف و دفن بسالکوٹ ۔" (30)

محمد الدین فوق "تذکرہ علماء و مشائخ میں یوں تحریر کرتے ہیں ـــ

"18 ربیع الاول 1067ھ میں سیالکوٹ میں انتقال کیا ۔ اور وہیں مدفون ہوئے ۔" (31)

عبدالرحمن امرتسری "سیاحت ہند لاہور" میں لکھتے ہیں ـــ

"آپ کا انتقال 1067ھ /1656ء میں ہوا ۔" (32)

نواب صدیق حسن خان "ابجد العلوم" میں لکھتے ہیں ـــ

"توفی فی سنہ 1097ھ دفن ببلدہ " (33)

---

(29) مولوی رحمان علی ۔ تذکرہ علمائے ہند ص 281
(30) غلام علی آزاد بلگرامی ۔ سبحتہ المرجان ص 66
(31) محمد الدین فوق ۔ تذکرہ علماء و مشائخ ص 49
(32) عبدالرحمن امرتسری ۔ "سیاحت ہند لاہور" ص 59
(33) نواب صدیق حسن خان ۔ ابجدالعلوم ص 903

لیکن "فرحت الناظرین میں آپ کی وفات کا سال 1068ھ بتایا گیا ہے ۔ ابو عبداللہ محمد فاضل اکبرآبادی (م 1101ھ) نے بھی "مخبرالواصلین میں یہی سن وفات تحریر کیا ہے اسی کے علاوہ "خزینتہ الاصفیا" میں بھی بحوالہ مخبرالواصلین یک ہزار و شصت و شیت ہجری سال وفات بیان کیا گیا ہے ۔ مولوی مہر الدین لاہوری "روضتہ الادبا" میں اور مولوی فقیر محمد جہلمی "حدائق الحنفیہ" میں یہی سن بتاتے ہیں وہ لکھتے ہیں وفات آپ کی 1068ھ یا 1097ھ میں ہوئی اور شیخ محسن تاریخ وفات ہے ۔ نظامی بدایونی نے قاموس المشاہیر میں سن وفات 1066ھ لکھا ہے عبدالحئی صدیقی بدایونی نے "تذکرہ العلما" میں تاریخ وفات 20 شعبان 1068ھ لکھی ہے اس کے علاوہ تواریخ سیالکوٹ میں ایک قطعہ درج ہے جس سے آپ کی وفات کا سن 1068ھ معلوم ہوتا ہے ۔

چو با حکم خدا داخل جناں شد * حکیم آں عالم دیں بامروت

بخواں عارف بہشتی ارتحالش * دوبارہ متقی احلال جنت (34)
1068

اس کے علاوہ مصنف "مخبر الواصلین ابو عبداللہ محمد فاضل بن سید احمد اکبرآبادی (م 1101ھ نے ایک نظم تحریر کی ہے جس کا عنوان "تاریخ وفات حضرت مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی ہے ۔

"عالم و عامل و خدا آگاہ ! * بود عبدالحکیم رضواں جاہ

حلمش از سینہ سرکشیدہ باج * راست چوں بحر در تلاطم موج

دل و طبعش بہم بعلم و یقین * نہر خلد و فیہ ماء معین

---

(34) ماہنامہ ثقافت لاہور - اپریل 1067ھ ص 15

مجتهد در زمانه ام بوده * اجتهادش اگرچه ننموده

کهه سر او نبوده هیچ کسے * گرچه بودند اهل علم بسے

بود او "حنیفه" ثانی * بکمالاتِ علمِ ربانی

مکی و یثربی و تورانی * رومی و هندی و خراسانی

هر یکے کمترین شاگردش * بادب بود کرد بر کردش

هر معلم که اول و ثانی ست * پیش او کودک دبستانی ست

وصفش از حد و عد فزون آمد * مدحش از گفتگو برون آمد

شهر لاهور زو معطر بود * بلکه از وے جهاں منور بود

سال نقلش بگو بهفت اقلیم * مسکن مولوی بخلد نعیم (35)

آخری مصرعه سے سن وفات 1068ھ نکلتا هے مگر راقمه نے اس تمام بحث میں سب سے زیادہ فوقیت محمد صالح کنبوہ کو دی هے که وہ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کے همعصر تھے اس کے علاوہ بہت سے دوسرے قدیم تذکروں میں بھی ان کے هی قول کی تائید هوتی هے -

سیالکوٹ میں مولانا کے مقبرے پر حال هی میں جو تعویذ لگایا گیا هے اس پر بھی 1068ھ هی سال وفات نقش هے تعویذ کی عبارت یوں هے ——

مرقد منور

"حضرت علامه عبدالحکیم فاضل سیالکوٹی آپ مشرب کے لحاظ سے نقشبندی تھے 12 ربیع الاول 1022ھ تا 11 ربیع الاول

---

(35) ابو عبداللہ محمد فاضل - معجز الواصلین - بحوالہ ماهنامه ثقافت لاهور جون 1967ء ص 32

1023ھ اسی سال مبارک کے دوران آپ حضرت مجدد الف ثانی کی خدمت میں حاضر ہوکر شرف بیعت سے مشرف ہوئے آپ نے سب سے پہلے حضرت مجدد الف ثانی کو امام ربانی محبوب سبحانی مجدد الف ثانی تحریر فرمایا اور تجدید الف کے اثبات میں ایک رسالہ جس کا نام "دلائل التجدید" ہے لکھا اس رسالہ میں آپ نے قوی دلائل اور براہین سے آپ کو مجدد الف ثانی ثابت کیا ہے -

تاریخ وصال - 18 ربیع الاول 1068ھ / 1658ء

نذرانۂ عقیدت - صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپور سجادہ نشین شرقپور شریف -

کندہ کار - غوثیہ ماربل سٹور - لاہور

اولاد

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کو اللہ تعالی نے اولاد کی نعمت سے بھی نوازا تھا اور اولاد بھی ایسی ہے کہ جس نے تا عمر دین کی خدمت کی ان کا نام عبداللہ اور لقب لبیب تھا وہ اپنے والد کی طرح عالم و فاضل ہونے کے ساتھ صاحب عرفان بزرگ بھی تھے۔ انھوں نے اپنے والد کی جلائی ہوئی شمع کو روشن رکھا اور اپنے ہر عمل سے ان کے صحیح جانشین ہونے کا ثبوت دیا - مولانا سیالکوٹی کی ازدواجی زندگی کی تفصیل سیر و سوانح کی کتب پیش نہیں کرتیں اور نہ اب تک ہمیں کسی مآخذ سے اس بات کا

پتہ چل سکا ہے کہ انھوں نے عمر کی کس منزل میں اس سنت کی تکمیل کی اور کس کی دختر نیک بخت اس متبحر عالم کے حبالہ عقد میں آئیں ۔ مختلف تذکرہ نگاروں نے اولاد میں صرف ایک ہی بیٹے مولانا عبداللہ کا ذکر کیا ہے ۔ سبحان رائے کا کہنا ہے ــــ

"..... از افزونی حسن اخلاق و رہنمائی خلائق ایں بزرگ را "امام وقت" گفتندے ۔" (36)

مولانا عبداللہ نے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تعلیم اپنے والد محترم سے پائی اور حدیث نبوی کا درس شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے فرزند مفتی نورالحق سے لیا ۔ وہ اپنے والد کے صحیح جانشین بنے بلکہ صاحب مرآتہ العالم کا بیان ہے ــــ

"بحفظ کلام مجید و قلت اختلاط باسباب دول و زینت طبع بانزوا " و گوشہ نشینی بر والد ماجد خود مزیت داشت ۔" (37)

مولانا عبداللہ نے مسند درس و تدریس سنبھال کر باپ کی جانشینی کا حق ادا کیا اور وہ تمام ذمہ داریاں بحسن و خوبی انجام دیں ۔ جن کی ان سے بجا طور پر توقع کی جاسکتی تھی ۔ فرحت الناظرین میں ان کا ذکر ان الفاظ میں ملتا ہے ــــ

"بگرد آوری" علوم وحل مشکلات و تحقیق دقائق وتشخیص حقائق آں چناں چہ باید پرداختہ و حفظ کلام مجید

---

(36) ماہنامہ ثقافت لاہور ۔ اپریل 1967ء ص 14

(37) بختاور خان ۔ مراتہ العالم ص 494

و صلاح و تقوی زینت افزائی فضائل و کمالش گردید۔" (38)

مولانا عبداللہ اللبیب علوم ظاہری و باطنی میں مکمل دستگاہ رکھتے تھے اور مولانا عبدالحکیم کی طرح ان کے فتاوی بھی علماء کے ہاں بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے ۔ مآثر الامرا اور مآثر عالمگیری کے مطالعہ سے ان کے اثر و رسوخ اور بےپناہ عزت و احترام کا پتہ چلتا ہے انھوں نے والد کی وفات کے بعد ان کی قائم کردہ درسگاہ کو مزید رونق بخشی ساری عمر درس و تدریس میں مصروف رہ کر ان کے علمی فیض کو جاری و ساری رکھا ۔ خلاصتہ التواریخ میں ان کا ذکر خیر ان الفاظ میں ملتا ہے۔

"و بعد رحلت ایشاں (مولانا عبدالحکیم) مستند ائے اہل
اللہ رہنمائے خلق اللہ مولوی عبداللہ خلف دوئمی آں
مغفور رونق افزائے مدرسہ و رہنمائی طلبہ علم اشتغال
ورزیدہ فضائل معنوی را با علوم ثوری ہمدوش و درویشی
با فضیلت ہم آغوش گردانیدہ ۔" (39)

اورنگ زیب عالمگیر مولانا عبداللہ اللبیب کے علم و فضل کا بڑا قدردان تھا ۔ اور ان کی انتہائی عزت کرتا تھا چنانچہ جب وہ 1086ھ میں لاہور آیا تو ان سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا اور بصد اعزاز و احترام انھیں لاہور بلوا بھیجا وہ سیالکوٹ سے لاہور پہنچے ۔ بادشاہ ان سے مل کر نہایت محظوظ ہوا اور اس نے وہ تمام اعزازات معہ شئی زاید آپ کے لئے برقرار

---

(38) اورینٹل کالج میگزین لاہور ۔ مئی اگست 1928ء ص 74

(39) خلاصتہ التواریخ ص ۔ 73 بحوالہ ثقافت لاہور ۔ اپریل 1967ء ص 17

رکھے جو آپ کے والد ماجد کو ان کی زندگی میں حاصل تھے مآثر عالمگیری کے مطابق عالمگیر نے جب مولانا کے اوصاف و محاسن کا تذکرہ سنا تو ان سے ملنے کا اشتیاق ہوا چنانچہ اس نے حسن ابدال سے پیام شوق ملاقات لکھ بھیجا اور جب وہ لاہور پہنچا تو آپ بھی سیالکوٹ سے لاہور تشریف لائے بادشاہ ان سے مل کر بہت خوش ہوا اور خلعت خاص دوسو اشرفیاں اور ایک ہاتھی دےکر وطن رخصت کیا عالمگیر کی شاہانہ عنایات ان پر ہمیشہ ہوتی رہیں ۔ مرآتہ العالم میں بادشاہ کے ساتھ ایک اور ملاقات کا ذکر بھی ملتا ہے۔(40)

بزم تیموریہ کے مطابق 1093ھ میں اورنگ زیب عالمگیر نے ان سے ایک اور ملاقات کی ۔ اس وقت عالمگیر اجمیر میں مقیم تھا ۔ اس نے انھیں سیالکوٹ بلوایا جب مولانا عبداللہ اجمیر پہنچے انھیں شاہانہ عنایات سے پہلے سے بھی بڑھ کر نوازا گیا ۔ بادشاہ نے ان کو اجمیر کی "صدارت عظمی" تفویض کرنی چاہی چنانچہ بختاور خان نے جب شاہی پیغام دیا تو زبان صدق بیان نے یہ کہہ کر انکار کردیا ـــــ

"الحال کہ سنین عمر ستین رسیدہ وقت ترک نوکری است
نہ اختیاری نوکری ۔" (41)

مولانا عبدالحئی رائے بریلوی کا کہنا ہے کہ عالمگیر نے اپنے ہاتھ سے انھیں خط لکھا اور جب بختاور خان نے آپ کو خط لکھا تو آپ نے جواب دیا کہ ان الزمان زمان الفراق " اور اس کے باوجود انھوں نے محض اس دیندار

---

(40) ماہنامہ ثقافت ۔ اپریل 1967ء ص 17

(41) بختاور خان ۔ مرآتہ العالم ص 494

حکمراں کی خاطر اجمیر کا سفر کرنا منظور کرلیا ۔ بہرحال وہ ایک عظیم باپ کے عظیم فرزند تھے اور اپنے زمانے کے بہت محترم علماء و فضلاء کی صف میں ان کا شمار ہوتا تھا ۔ عالمگیر اور اس کے شہزادے ان کی بڑی قدر کیا کرتے تھے ۔ انھوں نے عالمگیر کے جلوس 26 مطابق 1094ھ شب جمعتہ المبارک کو سفر آخرت اختیار کیا (42) ان کی وفات بازار لقوہ ہوئی یہ سنکر بادشاہ کی طبیعت بہت متاثر ہوئی اور آپ نے اجمیر کی ملاقات میں عدم قبول نوکری کے سلسلے میں جو کچھ کہا تھا وہ اسے یاد آیا ۔ اس نے ان کے صاحبزادوں کے لئے جاگیر کو بحال رکھا ۔

مآثر عالمگیری میں ان کا سن وفات 1093ھ درج ہے مصنف کا کہنا ہے کہ شہر یار فاضل نواز و معارف پرور کو جب مرحوم کی وفات کی خبر ملی تو اس نے ان کے چار صاحبزادوں اور بیوہ کے لئے خلعت تعزیت روانہ کی اور ان کے وظائف میں بھی اضافہ کیا ۔ نزہتہ الخواطر میں یہی قول نقل کیاگیا ہے جو کہ صحیح نہیں ہے کیونکہ بختاور خان مولانا عبداللہ کا ہمعصر اور نیازمند تھا ۔ اس لئے اس کی رائے زیادہ اہمیت رکھتی ہے ۔ مولانا عبداللہ اللبیب اپنے فاضل باپ کے مدرسہ کے نگراں اور وارث تھے اس لئے ان کے شاگردوں کی تعداد بھی خاصی بڑی ہوگی مولانا عبدالحئی الحسنی کا بیان ہے "ثم درس و افادہ و تمیز واشتہر بالفضل والکمال اخرعنہ خلق کثیر ۔" ان کے چند تلامذہ کا تذکرہ ملتا ہے ۔مآثر الامراء میں ایک شاگرد "اخلاص خاں کا پتہ چلتا ہے جس نے اپنے استاذ کی سفارش سے بلند مراتب حاصل کئے اور بادشاہ وقت اورنگ زیب کے دربار تک رسائی پائی۔

---

(42) بختاور خان ۔ مراتہ العالم ..... ص 494

یہ دراصل ایک ہندو کھتری تھا اور اصل نام دیبی داس تھا ۔ بچپن سے ہی علماء و فقراء کی صحبت میں رہا کسب علوم کا اسے بڑا شوق تھا ۔ اس نے مولانا عبداللہ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا ۔ اور محمد اخلاص خان نام رکھا گیا اسے شعر و شاعری سے بھی دلچسپی تھی ۔ اور علمی مشاغل میں زندگی بھرمصروف رہا اخلاص خان نے 1143ھ میں سیالکوٹ میں وفات پائی ۔ (43)

مولانا عبداللہ اللبیب صاحب تصانیف بزرگ تھے ڈاکٹر زبیر احمد نے آپ کی حسب ذیل تصانیف کا ذکر کیا ہے ـــ

1 - تفسیر سورتہ الفاتحہ

2 - التصریح بغوامض التلویح

3 - حاشیہ علی الھدایہ

4 - زاد اللبیب فی سفرا لحبیب

5 - حاشیہ علی حاشیہ عبدالغفور علی شرح الجامی ۔ (44)

اس کے علاوہ تذکرے کی مختلف کتابوں میں بھی ان کے بارے میں عمدہ خیالات کا اظہار کیا گیا ہے ۔ صاحب فرحت الناظرین کا کہنا ہے از تصانیفش حاشیہ ھدایہ بغایت مشہور است ۔ ڈاکٹر محمد اکرام رود کوثر میں مرآتہ العالم کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ عالمگیر نے مولانا عبداللہ اور ان کے شاگردوں کو فتاوی عالمگیری کا فارسی ترجمہ کرنے کے لئے بھی کہا تھا

---

(43) ماھنامہ ثقافت اپریل 1967ء ص 19

(44) ڈاکٹر زبیر احمد ۔ عربی ادبیات میں پاک و ھند کا حصہ ص 402 و 303 و 270

لیکن غالبا اس فیصلے پر عمل نہ ہوسکا ۔ بےجا نہ ہوگا اگر محمد صالح کنبوہ کے وہ کلمائے یہاں درج کئے جائیں جو اس نے مولانا عبداللہ اللبیب کی تعریف میں لکھتے ہیں ــــ

"اکنوں در جمیع امور بہمہ وجوہ بارث فاستحقاق جانشین آں جناب مجموعہ کمالات انسانی حقائق و معارف آگاہ مولانا عبداللہ خلف الصدق آنحضرت است کہ جامع جمیع علوم است و صاحب مکارم اخلاق و کرایم افراق و محاسن شمائل و محامد خصائل امید کہ ایزد تعالی آں مظہر فیض ایزدی و مورد عنایات سرمدی را مسند آرائی انجمن فضائل بسے دارد ۔ ۔ ۔(45)

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مولانا عبداللہ اللبیب کے چار صاحبزادے تھے لیکن تذکروں میں ہمیں ان کے نام اور حالات سے آگاہی نہیں ہوئی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ عبدالحکیم سیالکوٹی کی اولاد اور ورثاء میں سے مولانا عبداللہ کے بعد کم ہی لوگوں کا ذکر تاریخ کی کتابوں اور معاصر تذکروں میں ملتا ہے ۔ ڈاکٹر زبیر احمد نے ایک عالم محمد فضل اللہ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ مولانا عبداحکیم سیالکوٹی کے نواسے تھے ۔ انھوں نے مولانا سیالکوٹی کی تفسیر سورتہ فاتحہ پر حاشیہ لکھا جو سن 1114ھ/ 1703ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچا اس حاشیہ کا ایک نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں محفوظ ہے۔(46)

---

(45) محمد صالح کنبوہ ۔ عمل صالح ج 3 ص 295

(46) ڈاکٹر زبیر احمد ۔ عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص 271

کشمیر کی بعض تاریخوں میں مولانا عبدالحکیم کے بعض ورثا کے نام ملتے ہیں انھیں میں سے ایک بزرگ مولوی جان محمد ابوالفتح بن ملا فاضل تھے ۔ انھوں نے سن بلوغت کو پہنچنے سے پیشتر ہی علوم مروجہ میں کافی مہارت حاصل کرلی تھی ۔ وہ زمانے کی نیرنگیوں سے مجبور ہوکر عالم شباب میں نادر شاہ درانی کے حملے سے کچھ پہلے محمد شاہ کے دربار میں دہلی پہنچے ان کے جد امجد مولانا عبدالحکیم کے علمی کارنامے تا ہنوز ان کے نام کو چار چاند لگا رہے تھے اور ان کی عزت و شہرت ابھی تک قائم تھی چنانچہ محمد شاہ نے مولوی جان محمد کے لئے بارہ سو ماہوار کا وظیفہ مقرر کردیا ۔ نادر شاہ کے حملے کے بعد بند کردیا گیا اس کے بعد وہ کشمیر چلے گئے اور سیر و سیاحت کرتے ہوئے کابل جا پہنچے افغانستان میں اس وقت تیمور شاہ درانی برسر اقتدار تھا ۔ اس نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی اور معقول مشاہرہ مقرر کردیا ۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد وہ کابل سے واپس چلے آئے اور آخر وقت تک کشمیر میں درس و تدریس میں مشغول رہے اور سری نگر میں وفات پائی ۔

مولوی جان محمد کے صاحبزادے مولوی محمد امین تھے جو سیاہ ہونے کی وجہ سے "اسود" کے نام سے مشہور تھے وہ شیخ محمود تارمیلی کشمیری کے شاگرد تھے اور تعلیم مکمل کرنے کے بعد بڑی شہرت کے مالک ہوئے کشمیر میں عمر بھر تعلیم و تدریس میں مصروف رہے ۔ تاریخ کبیر کشمیر کے مطابق آپ بڑے پائے کے عالم و فاضل تھے اور بہت سی کتب مروجہ پرحاشیے لکھے ۔ 30 ربیع الاول 1243ھ کو سری‌نگر میں وفات پائی ۔ ان کے علاوہ

ان کی اولاد میں ایک اور بزرگ عالم مولوی غلام مصطفی کا ذکر بھی ملتا ہے جو 1310ھ کے لگ بھگ سیالکوٹ کے محلہ میانہ پورہ میں رہتے تھے یہ وہی محلہ ہے جہاں مولانا عبدالحکیم کا مسکن تھا اور جس کے قرب و جوار میں ابھی تک ان کی بہت سی یادگاریں موجود ہیں ۔ تاریخ کبیر کشمیر میں ایک اور عالم مولوی قطب الدین فرزند مولوی محی الدین کشمیری کا ذکر کیا گیا ہے کہ ــــ

"در علم ظاہری فرید یکتا بود ۔(47)

یہ بھی انھیں کی اولاد میں سے تھے اور ان کے والد کا وطن کشمیر تھا لیکن یہ نقل وطن کرکے امرتسر چلے آئے اور یہیں وفات پائی اور شہر سے باہر "مقبرہ فتح بابا" میں مدفون ہوئے ان کا انتقال تیرھویں صدی ہجری کے اواخر میں ہوا صحیح تاریخ و سن وفات معلوم نہیں ۔ بہت سے علمی رسائل آپ کی طرف منسوب ہیں جن میں "اوضح الدلائل در جواب خمسہ مسائل " اور "ہلال عید" مشہور ہیں ۔

تلامذہ ــــ

ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کو ابتداً ہی سے تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ تعلیم و تدریس سے بھی بڑی دلچسپی تھی وہ زمانہ طالب علمی ہی سے درس دینے لگے تھے پھر جب فارغ التحصیل ہوئے تو مستقل طور پر درس و افادہ کا سلسلہ جاری کردیا اور ساری زندگی اسی مسند پر جلوہ افروز رہے اس عرصہ میں دور و نزدیک کے سیکڑوں سے زائد تشنگان علم ان کے درس سے

---

(47) ماہنامہ ثقافت ۔ اپریل 1967ء ص 22

فیضیاب ہوئے ۔ شاہ جہاں نے سیالکوٹ میں ایک اعلی درجہ کا مدرسہ بھی قائم کیا تھا جس میں بڑے بڑے نامور علماء مقرر کئے اس مدرسہ کو اس زمانہ کی ایک بڑی یونیورسٹی بھی کہا جاسکتا ہے جہاں ہندوستان کے علاوہ بیرونی ممالک سے طالب علم آتے اور سرکاری روپے سے ان کے اخراجات پورے کئے جاتے تھے ۔ شاہ جہاں نے ان کو اس مدرسے کا نگراں مقرر کیا تھا اور جتنی مدت تک وہ اس مدرسے کے منتظم رہے اس نے خوب ترقی کی ان کی علمی زندگی کا سب سے شاندار کارنامہ ان کا یہی مدرسہ ہے جس میں انھوں نے اپنی عمر کے قیمتی ماہ و سال تشنگان علوم دینیہ کی سیرابی میں گزارے ۔ جن نابغہء روزگار تلامذہ کے نام اب تک مل سکے ہیں ذیل میں مختلف کتب تذکرہ کی مدد سے ان میں سے چند کے مختصر حالات زندگی درج کئے جاتے ہیں ۔

مولانا کے صرف چند شاگردوں کا پتہ چلتا ہے ملا عبدالرحیم مرادآبادی ۔ سید اسماعیل بلگرامی (م 1088ھ) غلام علی آزاد نے ان دونوں کا ذکر اپنے کتاب مآثر الکرام میں کیا ہے ملا عبدالرحیم سنبھلی جو فارغ التحصیل ہوکر مرادآباد میں قاضی مقرر ہوگئے اور سید اسماعیل بلگرامی جو ابتدائی تعلیم ملا عبدالسلام ساکن دیرہ سے حاصل کرکے سیالکوٹ گئے اور ان کے زمرہ تلامذہ میں داخل ہوگئے اس کے علاوہ ان کے تلامذہ کی فہرست میں ملا عبدالوہاب پسروری (م 1059ھ) ملا عصمت اللہ سہارنپوری (م 1039ھ / 1620ء) ۔ چندر بھان برہمن (م 1073ھ / 1662ء) مولوی محمد معظم ساکن پٹنہ (م 1158ھ/ 1745ء) ملا محمد افضل جونپوری (م 1062ھ / 1651ء) ۔ شیخ عبدالعزیز اکبر آبادی (م- 1088ھ) ۔

شاہ محمد ہاشم دریادل - میاں رحمت اللہ ملا محمد کشمیری (م 1057ھ)
سید فیض اللہ انوری گجراتی - عبدالرسول بدایونی حافظ سید سعداللہ بلگرامی
وغیرہ کے نام شمار کئے جاتے ہیں - (48)

ذیل میں صرف چند نامور تلامذہ کا تذکرہ کیا جارہا ہے -

1 - قاضی عبدالرحیم مرادآبادی ـــ

قاضی عبدالرحیم بن عبدالرشید بہاری ، مرادآبادی اپنے زمانے کے مشہور علماء میں سے تھے - وہ نو سال سے زیادہ عرصہ تک اپنے استاد ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کی خدمت میں موجود رہے اور علوم عقلیہ و نقلیہ سے بہرہ ور ہوئے یہاں سے فارغ ہوئے تو ان کو مرادآباد کا قاضی مقرر کیا گیا وہاں طویل عرصہ تک قضا کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے ساتھ ساتھ تعلیم و تدریس میں مشغول رہے اور بےشمار لوگوں نے ان سے کسب فیض کیا ان کے دو شاگرد مولوی قطب الدین گوپامئوی اور سید سعداللہ بلگرامی بہت مشہور ہوئے - مولوی قطب الدین گوپامئوی قاضیوں کے ایک معروف خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور اہل ثروت لوگوں میں سے تھے ان کے والد قاضی شہاب الدین بھی بڑے علماء میں سے تھے انھوں نے 1160ھ میں وفات پائی غلام علی آزاد ان کے متعلق تحریر کرتے ہیں ـــ

"در جمیع علوم سیماٹیت و ہندسہ عدیم المثل بودہ" (49)

اس کے علاوہ مولوی رحمان علی انھیں فاضل بےعدیل اور عالم عدیم المثل کے

---

(48) دائرہ معارف اسلامیہ ج 12 ص 436

(49) ماہنامہ ثقافت لاہور جون 1967ء ص 6

القاب سے یاد کرتے ھیں ۔ آزاد بلگرامی اور نواب صدیق حسن خاں نے اپنے تذکروں میں ان کے چند شاگردوں کا ذکر کیا ھے جن میں سید طفیل محمد (م-1151ھ) کا نام قابل ذکر ھے ۔ جو علوم عقلیہ و نقلیہ کے عالم کامل تھے اور تقریباً ستر سال تک احیائے علوم میں مصروف رھے اور عربی کے بہت اچھے شاعر بھی تھے ۔ ساری عمر تجرد کی زندگی بسر کرتے رھے نواب صاحب نے ان کے حسب ذیل دو شعر بھی نقل کئے ھیں ؎

بمھجتی فاوته قالت لجارتها * شخص اراه خلیعًا فارغ البال
یحوم کل اوان حول مشربتی * انی لا قتله فی اسرع الحال (50)

2 - سید اسماعیل بلگرامی (م - 1088ھ)

شیخ صالح اسماعیل بن قطب عالم الحسنی واسطی بلگرامی ممتاز علماء میں سے ھیں ۔ وہ بلگرام میں پیدا ھوئے ابتدائی تعلیم بلگرام میں حاصل کرنے کے بعد سیالکوٹ چلے گئے اور وھاں مفتی عبدالسلام دیوی اور علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی سے علوم عقلیہ و نقلیہ میں مہارت حاصل کی۔ میر غلام علی آزاد انکے بارے میں تحریر کرتے ھیں ؎

"از فحول علماء وجہاندہ فضلا است ....در عقلیات
برھان ساطع بود و در نقلیات حجت قاطع جم غفیر
دانش آموزاں را کامل مکمل ساخت و برحاشیہ علامہ
دوانی بر تہذیب المنطق حاشیہ مدون مستعدانہ
نوشت و باوصف علوم مرتبہ دانش بسیار کوچک دل بزرگ

(50) نواب صدیق حسن خاں - ابجد العلوم ص 11 - 910

همت بود - و بد فیض رسانی طولے داشت و علم موسیقی
هندی خوب می دانست - و ازمهرہ دقائق ایں فن می
زیست -" (51)

سید اسماعیل نے سب سے پہلے مولانا عبدالسلام دیوی سے اکثر کتب درسیہ کی تحصیل کی اور اس کے بعد مزید علمی تشنگی بجھانے کی خاطر ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور علمی خزانوں سے مستفید ہونے کی اجازت چاہی - مولانا نے فرمایا کہ طالبان علم کا پہلے ہی بہت ہجوم ہے اس لئے علیحدہ وقت کی گنجائش نہیں - البتہ تم فلاں طالب علم کے وقت درس میں سماعت کرلیا کرو - میر اسماعیل نے اسی کو غنیمت جانا اور خاموشی کے ساتھ درس کی سماعت کرنے لگے - دوران سبق بالکل خاموش بیٹھے رہتے اسی طرح ایک مدت گذر گئی ایک دن استاد نے خود ہی پوچھا ـــــ

"قد شما گذشت گاہے حرفے از شما سرہرنہ زدہ" انھوں نے عرض کیا کہ اگر فقیر کو علیحدہ وقت دیا جائے تو "بقدر استطاعت حرف تواں زدہ"۔ مولانا عبدالحکیم نے یہ سن کر عصر اور مغرب کے درمیان کا وقت سید اسماعیل کے لئے مقرر کردیا - دوسرے ہی دن مستقل درس اور بحث کا آغاز جو ہوا تو پھر اختتام کہاں مغرب کی نماز کے بعد استاد اور شاگرد پھر متوجہ درس ہوئے یہاں تک کہ عشا کی نماز کا وقت آگیا - جب مولانا نے دیکھا کہ "سر رشتہ سخن" کی کوئی انتہا نہیں تو فرمایا کل صبح سویرے تم میرے

---

(51) غلام علی آزاد - مآثر الکرام - دفتر اول ص 233

پاس آجاؤ" تمام دوسرے اسباق موقوف کرکے ہم تم دونوں سب سے پہلے اسی مسئلہ زیر بحث کی تحقیق و جستجو کریں گے دوسرے دن علی الصبح وہ مولانا کی خدمت میں پہنچے مدرسہ کے تمام طلبہ موجود تھے چاشت سے دو پہر تک یونہی بحث تحقیق مسئلہ ہوتی رہی اور پھر مواتر تین دن گزر گئے لیکن سلسلہ بحث منقطع نہ ہوسکا ۔ آخر کار مولانا نے پوچھا اس مسئلہ کا کوئی حل تم پر بھی ظاہر ہوا ؟ شاگرد نے عرض کیا فلاں فلاں محشیٰ نے اس سلسلے میں اس طرح تحریر کیا ہے اور ساتھ ہی اپنا لکھا ہوا حاشیہ استاد کی خدمت میں پیش کیا ۔ استاد نے وہ تحریر دیکھی اور عش عش کر اٹھے اور انکے ذہن ورسا پر جواہر تحسین نچھاور کئے اور پوچھا: تحصیل شما از کجا است ؟ عرض کیا از مولوی عبدالسلام دیوی ۔ یہ جواب سن کر مولانا عبدالحکیم کو شک گذرا کہ ہوسکتا ہے کہ مولوی عبدالسلام دیوی نے میرا امتحان لینے کی غرض سے اپنے شاگرد کو میرے پاس بھیج دیا اور اس کا اظہار ان پر بھی کردیا لیکن میرا سمعیل نے قسم کھا کر کہا کہ اس معاملے میں قطعی کسی کا کوئی دخل نہیں اور "محض بارادہ استفادہ در جناب عالی رسیدہ ام۔" (52)

آزاد کا بیان ہے کہ میر اسماعیل نے بقیہ کتب مولانا عبدالحکیم ہی سے پڑھیں اور انہیں کی خدمت میں رہ کر اعلی علمی مدارج کو حاصل کیا ۔ آخری عمر میں انھوں نے بلگرام میں ہی سکونت اختیار کرلی تھی ۔ اور بالآخر مولانا کے شاگرد رشید کی وفات 1088ھ میں بلگرام میں ہوئی۔

---

(52) ماہنامہ ثقافت لاہور - جون 1967ء ص 12

ان کے بارے میں علامہ عبدالحئی یوں رقمطراز ہیں ـــ

"ثم ..... دخل فی حلقته دروس الشیخ عبدالحکیم سأل القرائة علیه فلم یجبه لکثرته الدروس فقنع بالسماع و مضی علی ذلک دهر طویل فلما اطلع السیالکوثی علی ذکائته التفت الیه وفسح لم فی وقته للقرأته انتهی وقال السید محمد بن عبدالجلیل البلگرامی فی تبصرته الناظرین انه اول من تشیع من اهل بلگرام مات سنته ثمان و ثمانین و الف ۔" (53)

3 ۔ مولانا شیخ محمد افضل جونپوری (977ھ تا 1062ھ)

شیخ محمد افضل حضرت عثمان هارونی کی اولاد میں تھے ان کے والد کا نام مفتی حمزہ تھا جنھوں نے ناموافقت زمانہ کے سبب ماوندران ماوٗرالنہر کے علاقہ سے ہجرت کرکے قصبہ ردولی ضلع بارہ بنکی میں سکونت اختیار کی اور وہیں مفتی مقرر ہوئے 16 رمضان المبارک 977ھ کو ملا محمد افضل کی ولادت ہوئی ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مزید کی تلاش میں دہلی تشریف لے گئے اور حضرت ملا حسین کے حلقہ درس میں بیٹھے وہ تمام علوم عقلی و نقلی میں مشہور زمانہ تھے اور ملا طاہر لاہوری اور حکیم اسماعیل کے شاگردوں میں سے تھے اس کے بعد انھوں نے ملا عبدالحکیم سیالکوٹی سے تکملہ فرمایا۔ (54)

---

(53) علامہ عبدالحئی ۔ نزهته الخواطر ج 5 ص 73

(54) سید اقبال احمد جونپوری ۔ تاریخ سلاطین شرقی اور صوفیائے جونپور ص 1638

دھلی میں رہ کر ملا ابو حنیفہ سے صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث پڑھیں اور پھر انھیں کے زیر سایہ رہ کر مسائل کی تحقیق و جستجو میں مہارت حاصل کی اس طرح بیس سال کی عمر میں تمام علوم ظاھری کی تکمیل کرکے اپنے چھوٹے بھائی شیخ سلطان محمود کے ساتھ جونپور آئے اور کم عمری میں تمام مروجہ علوم و فنون میں نہ صرف مہارت حاصل کی بلکہ علمی دنیا میں بھی اپنی قابلیت کا لوھا منوالیا ۔ یہ زمانہ جہانگیر بادشاہ کا تھا ۔ جونپور کے وقائع نگار نے ملا محمد افضل کے رجوعات اور ان کے علم و فضل اور کمالات کے بارے میں جہانگیر کو مطلع کیا اس نے ان کو " استاذ الملک" کے بلند پایہ خطاب سے نوازا اور جونپور کے شاھی مدرسے کے مدرس اعلی کے عہدے پر فائز کیا ۔ اس کے علاوہ جاگیر بھی عطا کی جو انھوں نے قبول نہ کی اور پوری زندگی قناعت اور زھد و تقوی میں گزار دی ۔ وہ حضرت مخدوم شیخ عبد القدوس قلندر نظام آبادی (م - 1053ھ) سے بیعت تھے ۔ بلا ضرورت کبھی بھی بادشاھوں کے دربار میں نہیں جاتے تھے ۔ ان کی درسگاہ جو محلہ سپاہ جونپور میں تھی اس کا فیض اس قدر عام ھوا کہ جونپور اس وقت پورے شمالی ھند میں بہت بلند وفائق ھوگیا چونکہ اس وقت جونپور کو علمی اعتبار سے اعلی مقام حاصل تھا اور چاروں طرف علماء و فضلاء کا دریا موجزن تھا ۔ لہذا انھوں نے ان کی دینی و علمی تشنگی ختم کرنے کے لئے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا جو تا حیات جاری رھا ۔ تذکرہ علمائے ھند میں رحمان علی یوں رقمطراز ھیں ـــــ

" مولانا شیخ افضل اپنے عہد کے افضل الفضلاء اور اعلم العلماء تھے ۔ علوم عقلی و نقلی کے جامع متشرع

متقی خوش خلق اور سلیم المزاج تھے ہمیشہ اپنے
اوقات عزیز قلم کی خدمت میں صرف کرتے تھے۔ (55)

ان کے علم و فضل اور مستقل المزاجی کا ذکر کرتے ہوئے "ابجد العلوم" کے مصنف لکھتے ہیں ـــ

"کان افضل الفضلا و امثل علماء دھرہ فی العقلیات و
النقلیات و کان حصوراً تقیاً حسن الخلق سلیم المزاج
مقیماً لدولتہ العلم والتدریس ۔" (56)

یوں تو ان کے فیض درس اور تعلیم سے سینکڑوں علماء و فضلاء ہوئے لیکن انھیں اپنے دو شاگردوں پر بڑا ناز تھا اور وہ معروف ہستیاں ملا محمود جونپوری (م - 1062ھ) اور دیوان عبدالرشید جونپوری (م 1082ھ) تھیں ان کے شاگرد ملا محمود جونپوری کا جب انتقال ہوا تو ان کی وفات کا ملا افضل کو اتنا صدمہ ہوا کہ اس کے بعد کسی نے ان کو مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا یہاں تک کہ چالیسویں دن ان کا بھی انتقال ہوگیا ۔ تذکرہ علمائے ہند میں یوں لکھا ہے ـــ

"جب ملا محمود جونپوری جو ان کے ارشد تلامذہ میں سے
تھے فوت ہوئے تو مولانا کو ان کے انتقال سے سخت
صدمہ اور رنج ہوا چالیس دن تک مسکرائے بھی نہیں
چالیس روز بعد اسی رنج و غم میں 1063ھ میں انتقال کیا۔(57)

---

(55) مولوی رحمان علی ۔ تذکرہ علمائے ہند ص 417
(56) نواب صدیق خان ۔ ابجد العلوم ص 902
(57) مولوی رحمان علی ۔ تذکرہ علمائے ہند ص 417

ملا افضل کے کوئی اولاد باقی نہ رہی البتہ ان کے چھوٹے بھائی سلطان محمود کی نسل چلی ۔ نزہتہ الخواطر کے مصنف نے "تجلی نور" کے حوالے سے لکھا ہے کہ جس وقت ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی کا وصال ہوا تو اہل جونپور نے علم کا الوداعی ماتم کیا تھا ۔ ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ ملک العلماء خود تو دنیا سے تشریف لے گئے مگر علم کی خلعت فاخرہ ملا افضل کے لئے چھوڑ گئے ۔ ان کا مزار مبارک محلہ چاچک پور شہر جونپور میں مرجع خلائق ہے ۔

4 - شیخ عبد العزیز اکبرآبادی (م - 1088ھ)

شیخ عبد العزیز بن عبد الرشید بن عبد الغفور اکبرآبادی ممتاز علماء میں سے تھے عام طور پر وہ ملا عبد العزیز عزت کے نام سے مشہور ہیں ۔ "تذکرہ بلخستان" میں ان کو مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی کے شاگردوں میں شمار کیا گیا ہے ۔ ان کے والد فحول علماء میں تھے۔ عنفوان شباب ہی میں تحصیل علوم سے فراغت حاصل کرکے درس و تدریس میں مصروف ہوگئے اور اپنے وطن اکبرآباد میں "ہنگامہ افادہ" برپا کیا ۔ مراتہ العالم کے مصنف کے بیان ہے کہ وہ عقلی و نقلی علوم کے ماہر کمال ذکاوت و ذہانت اصابت رائے فصاحت اور خوش اخلاقی و خوش بیانی میں اپنے معاصرین میں ممتاز تھے ۔ اپنے والد سے جو اس زمانے کے اکابر علماء میں سے تھے تحصیل علم کی ۔ چودھویں سنہ جلوس میں عالمگیر اکبرآباد گیا تو دربار میں شیخ عبد العزیز کا تذکرہ آیا اور ان کی بعض تحریریں ان کی نگاہ سے گزریں ۔ اس نے بڑے اشتیاق اور لطف سے شیخ صاحب کو دربار میں بلایا اور الطاف

خسروانہ سے عرض مکرر کے منصب پر فائز کیا ۔ شاہی دربار میں اشراف مکہ اور ائمہ یمن کے جو خطوط آتے تھے ان کے جواب کی خدمت ان کے سپرد تھی ۔ عربی فارسی انشاء میں یگانہ عصر تھے ۔متداول کتابوں پر حواشی لکھے جس سے اہل ایمان ان کی قوت فکر اور جودت طبع کے معترف ہوئے عربی فارسی اور ہندی میں شعر کہتے تھے ۔ ان کے اشعار کی رنگینی اور مضمون آفرینی کی تعریف مراۃ العالم میں کی گئی ہے ۔ فرحت الناظرین کا وہ اقتباس جس میں اورنگ زیب کے عہد کے مشائخ و علماء وغیرہ کا تذکرہ کیا گیا ہے ملاحظہ ہو ـــ

" از پایۂ تحصیل بدرجہ تدریس عروج نمودہ در وطن خود افادہ گرم داشت و پای قناعت در دامن عزلت پیچیدہ پیش اغنیا و زود نمی کرد ۔ در سنہ چہارم جلوس عالمگیری کہ مستقر الخلافہ مطرح عساکر اقبال بود کمالات قدسی شیخ مذکور در محفل پادشاہ دین پناہ مذکورشد و بعضی رسائل و مسو دانش از نظر فیض اثر گذاشت خدیوشاہ جہاں پناہ بخواہش تمام عنایت فراوان شیخ را بحضور طلبیدہ مورد انواع الطاف فرمودہ بمنصب و خدمت عرض مکرر امتیاز و احوالش در ضمن سوانح آں خدیو نامدار تحریر شدہ ۔" (58)

وہ ایک شیریں مقال شاعر بھی تھے ایک بار جب وہ عالمگیر سے رخصت ہوکر لاہور پہنچے تو یہ غزل لکھ کر بادشاہ کے پاس حسن ابدال بھیجی ـــ

---

(58) اورینٹل کالج میگزین لاہور مئی 1928ء ص 79 و 80

"ز درد دل چه نگارم که جوش بےتابیست
ز شوق جاں چه نویسم که نامۂ سیما بیست
شب فراق خیالے که ریخت خون دلم
که باز اشک گلابی و دیدہ عنا بیست
چگونه شرح دهم حالِ دل که بے تابم
زیاد تاب رخش دل کتاں و مہتا بیست
نشستہ ایم دریں بحر ناخدا چه کند
بکشتی که زیک قطرہ آب گردا بیست
نماند صورت راز دلم نہاں عزّت
که دیدہ صفحۂ تصویر رنگ بیخوا بیست (59)

شیخ عبدالعزیز اکبرآبادی اپنے علم وفضل کی بنیاد پر اس قدر مشہور تھے کہ قدیم تذکروں میں نہایت عزت و احترام سے ان کا ذکر کیا گیا ہے - "نزہتہ الخواطر" کے مصنف ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں ـــ

"وکان فاضلا کبیر اشاعرا مجید الشعر مقتدر اعلی المعانی التکبرہ - وکان شدید التعصب علی الشیعتہ حتی انہ لما مرض اراد عالمگیران یرسل الیہ واحد من الاطبا و اشارالیہ ان لا یتعصب فی الاستطلاع فاجاب بانی اعترف بان التعصب لا ینبغی فی الطلاع ولکنی لا اعتمد علی علمھم و لذلک اخترک الحکیم عبدالملک

---

(59) ماہنامہ ثقافت لاہور - جون 1967ء ص 10

فانه ما هو فی الحدس و التجربته والصلاح و العلم فی الجملته
وکان فی تلک الساعته ایضاً مشتغلا بالتصنیف یملی علی اصحابه
کما فی "الماثر" له کشف الغطا" "رسالته نفسیته فی الکلام
بالفارسیته - وله دیوان شعر "تو فی سنته ثمان و ثمانین والف
کما فی ماثر عالمگیری -" (60)

مولانا عبدالعزیز اکبرآبادی نے 1088/ھ میں وفات پائی اور مرادآباد میں مدفون ہوئے -

5 - چندر بھان برہمن (م - 1073 ھ / 1662ء)

شاہ جہانی عہد کا سب سے ممتاز ہندو شاعر اور ادیب چندر بھان برہمن تھا - برہمن اس کا تخلص تھا - اس کے والد کا نام دھرم داس تھا وہ لاہور کا باشندہ تھا - ابتدائی تعلیم مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی سے حاصل کی طالب علمی سے لیکر زمانہ ملازمت تک کے تفصیلی حالات نہیں ملتے البتہ اپنی تصنیف "چہار چمن" کے تیسرے چمن میں اس نے اپنی زندگی کی بعض تفصیلات بیان کی ہیں اس کا اپنا بیان ہے کہ میں مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کا تلمیز ہوں - (61)

چندر بھان برہمن سب سے پہلے امیر عبدالکریم میر عمارت لاہور کی ملازمت میں داخل ہوا اس کا بھائی اودھے بھان شاہجہاں آباد کے ناظم عاقل

---

(60) علامہ عبدالحئی رائے بریلوی - نزہتہ الخواطر ج 5 ص 327
(61) ماہنامہ ثقافت لاہور - جون 1967ء ص 11

خاں کے دفتر میں نوکر تھا اور غالباً سب سے پہلے اس کی شاہجہاں سے اتفاقیہ ملاقات یہیں پر ہوئی ۔ امیر عبدالکریم کی ملازمت چھوڑ کر کچھ مدت بعد افضل خاں وزیر کل سے منسلک ہوا پھر اس کی وفات کے بعد برہمن کو شاہی ملازمت میں منشی گیری کے کام پر مامور کیا گیا ۔ تاکہ وزراء اور دیگر افسران اعلیٰ کی تحریری معاونت کرے ۔ دارا شکوہ کو اس کی تحریر بہت پسند تھی ۔ چنانچہ وہ ایک مدت تک دارا شکوہ کا منشی خاص رہا ۔

"منشات برہمن" سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے تین بھائی اودھے بھان ، رائے بھان اور اندر بھان تھے ۔ اور وہ تارک الدنیا تھے ۔ برہمن سے ان کے تعلقات نہایت خوش آئیند تھے ۔ منشات میں ایک خط کا تذکرہ ہے جو اس نے اپنے بیٹے "تیج بھان" کو لکھا ہے اس کے علاوہ اس کے کسی قریبی عزیز کا پتہ نہیں چلتا ۔ بیل صاحب لکھتے ہیں کہ اس نے آگرہ میں ایک نہایت اچھی رہائش گاہ تیار کی تھی ۔ اس کے علاوہ وہ نہایت سلیم المزاج صلح کل ہندو تھا ۔ اپنی تحریرات میں وہ ہندوانہ مراسم کا نہایت عزت سے ذکر کرتا ہے اس کی طبیعت میں گداز تھا ۔ اسے خط شکستہ میں کمال حاصل تھا ۔ منشات میں اس نے اپنی متعدد تصانیف کا ذکر کیا ہے جن میں چہار چمن، تحفتہ الانوار، گلدستہ، نگار نامہ، تحفتہ الفصحاء ۔ مجموعتہ الفقراء۔منشاءت اور دیوان فارسی وغیرہ قابل ذکر ہیں ۔"چہار چمن" عہد شاہ جہانی کی یاد داشتوں کا مجموعہ ہے ان میں ان تمام اوقات کا ذکر ہے جن میں اس نے بادشاہ سے ملاقات کے دوران اپنے اشعار وغیرہ سنائے اس کے علاوہ شاہ جہاں کا روزمرہ کا پروگرام بھی شرح و بسط سے پیش کیا گیا ہے یہ کتاب خود مصنف کے حالات و بعض تفصیلات کے اپنے ایک مفید تاریخی مجموعہ ہے "منشات برہمن" اس کے

ان خطوط کا مجموعہ ہے جو اس نے وقتاً فوقتاً شاہ جہاں اور اپنے ہمسران عہد و متعلقین کو لکھے ۔ یہ خطوط تاریخی اہمیت سے چنداں قابل وقعت نہیں البتہ فن انشاء پردازی کے نقطۂ نظر سے قابل قدر ہیں ان کتابوں کے علاوہ اس کا ایک دیوان بھی ہے اس دیوان کا ایک نسخہ پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں موجود ہے یہ دیوان غزلیات و رباعیات کا مجموعہ ہے دیوان کے مطالع سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں برہمن فارسی و اسلامی تخیل میں ڈوبا ہوا ہے مرائتہ الخیال کے مصنف نے دیوان کی یہ غزل زیادہ پسند کی ہے ـــ

"کنم ز سادہ دلی ہند دیدہ مژگان را
بمشت خسِ نتواں بست را طوفان را
شبے خیال تو آمد بخواب آسودیم
دگر ز ہم منشودیم چشم گریان را
برہمن از تو سخن بے دلیل می خواہم
کہ اعتبار نباشد دلیل و برہان را (62)

بالآخر اس باکمال شاعر مصنف ادیب نے دارا شکوہ کی وفات کے بعد کیونکہ دارا شکوہ اس کو نہایت پسند کرتا تھا اور اپنا منشی خاص بنایا ہوا تھا چنانچہ جب وہ حصول تخت کی جنگ میں مارا گیا تو اس نے عزلت گزینی اختیار کرلی اور بالآخر بنارس میں 1073ھ میں وفات پائی ۔

6 - ملا عصمت اللہ سہارنپوری (م - 1039ھ)

ملا عصمت اللہ سہارنپوری ایک بڑے عالم اور متبحر فقیہہ تھے ان کا شمار مشاہیر علماء دین میں ہوتا تھا وہ سہارنپور میں پیدا ہوئے ان کے والد

(62) اورینٹل کالج میگزین لاہور - اگست 1928ء ص 12

کا نام محمد اعظم تھا ۔ اگرچہ بظاہر آخری عمر میں بصارت سے محروم ہوگئے لیکن باطن میں چشم بصیرت روشن تھیں انھوں نے بہت مفید مشہور اور عجیب و غریب کتابیں تصنیف کیں جن میں الحاشیہ علی الفوائد الضیائیہ (شرح ملا جامی) والمزائد اور رقیب باب المعروف و المنکر وغیرہ قابل ذکر ہیں ۔ "تذکرہ باعستان" میں ان کا ذکر مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے تلامذہ میں کہا گیا ہے۔

"و ازاں جملہ است ملا عصمت اللہ سہارنپوری کہ بر خلاصتہ الحساب و تشریح الافلاک شیخ بہاؤالدین محمد عاملی شرح نوشتہ اند ۔" (63)

اس کے علاوہ قنوج کے کئی نامور علماً عصمت اللہ سہارنپوری کے شاگرد تھے جن میں شیخ علی اصغر بن شیخ عبدالصمد قنوجی البکری کرمانی (م - 1140ھ) زیادہ مشہور ہوئے ۔ ملا عصمت اللہ بہت سی کتابوں کے مصنف اور جمیع علوم عقلیہ و نقلیہ کے ماہر اور تصوف اور سلوک کے امام تھے ۔ نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں ـــ

"واتم المتوسلات والمطولات فی حلقتہ درس السیدعصمت اللہ السہارنپوری ملا عصمت اللہ نے 1093ھ/30-1629ء میں وفات پائی ۔"

7 - مولوی محمد معظم (م - 1158ھ /1745ء)

مولوی محمد معظم بن احمد صدیقی بنۃ کے رہنے والے تھے انھوں نے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی سے تحصیل علم کی اور علوم دینیہ میں اپنے ہمعصروں

---

(63) ماہنامہ ثقافت لاہور - جون 1967ء ص 7

پر سبقت لے گئے انھوں نے قرآن مجید تفسیر بیضاوی کے ساتھ حفظ کیا تھا بہادر شاہ عالمگیر نے انھیں پٹنہ کا قاضی مقرر کیا تھا اور چند دیہات بطور جاگیر عطا فرمائے ۔ مولوی محمد معظم عمر بھر درس و تدریس اور عدل گستری میں مصروف رہے ان کی تصانیف میں سے قرآن مجید کی تفسیر بھی تھی جو سکھوں کے زمانے میں جلا ڈالی گئی انھوں نے مثنوی مولانا روم کی شرح بھی لکھی تھی ۔ 1158ھ میں ان کا انتقال ہوا اور پٹنہ میں مدفون ہوئے۔ (64)

تذکرہ علمائے ہند کے مؤلف رقمطراز ہیں ـــــ

"مولوی محمد ابن احمد صدیقی مولوی محمد اشرف لکھنوی کے دادا تھے ۔ پٹنہ میں پیدا ہوئے اپنے والد ماجد اور مجمد عبدالحکیم سیالکوٹی سے تحصیل علم کی۔ قرآن مجید معہ تفسیر بیضاوی حفظ تھا ۔ علوم دینیہ میں اپنے ہمعصروں میں ممتاز تھے ۔ بہادر شاہ بن عالمگیر بادشاہ نے ان کو پٹنہ کا قاضی مقرر فرمایا ۔ اور چند گاؤں جاگیر میں دیئے مولوی مرحوم قضا و تدریس میں مشغول رہے ان کی تصنیفات میں ایک تفسیر قرآن بھی تھی جو سکھوں کے غلبہ میں جل گئی ان کی تصنیفات میں شرح مثنوی مولانا روم بھی ہے1158ھ/ 1745ء میں وفات پائی اور پٹنہ میں مدفون ہوئے ۔" (65)

---

(64) ماہنامہ ثقافت لاہور ۔ جون 1967ء ص 10

(65) مولوی رحمان علی ۔ تذکرہ علمائے ہند ص 471

8 - ملا عبدالوهاب پرسروری (م - 1059ھ)

ملا عبدالوهاب پرسروری فرحت الناظرین کے مصنف محمد اسلم بن محمد حفیظ پرسروری عہد شاہ عالم کے جد امجد تھے ان کا شمار مشاہیر فضلائے عصر میں ہوتا تھا محمد اسلم نے ان کے حالات "فرحتہ الناظرین" میں تحریر کئے وہ لکھتے ہیں کہ شاہجہاں نے ان کو کئی بار مناصب وظائف سے نوازا اور نواب سعداللہ خان وزیر اعظم شاہجہاں کی سعی و تردد کی بنا پر اپنے فرزندوں کے نام دو دیہات بھی بطور وظیفہ قبول کئے شاہ جہاں نے اس میں اضافہ کرکے چار دیہات کا فرمان جاری کیا - یہ دیہات بہت زمانہ گزرنے کے بعد بھی اسی خاندان کے زیر تصرف رہے مگر سکھوں کے ہنگامے میں ان کے ہاتھ سے جاتے رہے فرحت الناظرین میں ملا عبدالوہاب پرسروری کی تعریف یوں کی گئی ہے ---

" بہ پرہیزگاری و خدا پرستی موصوف و بمزید دانش و تبحر در علوم و افراط معلومات مشہور و معروف و در انجاح مرام طبقات امام مساعی جمیلہ داشتند و کسر نفس و تواضع با صغیر و کبیر سجیّہ مرضیہ اوشان بود اکثر متداولات را در سیالکوٹ بخدمت ملا عبدالحکیم سیالکوٹی خواندہ در علمِ فقہ و اصول و معانی بہرہ تمام داشتند - و ہمہ عمر بر اعتماد بر توکل نمودہ بدرس علوم دینی و کسب علم یقینی اشتغال داشتند فردوس آشیانی مکرر و بخدمت ایشاں رفتہ متصدعہ مناسب و وظیفہ شدند ..... ملا در سنہ یک ہزار و

پنجاہ ولہ (1059) ھجری بدارالجنان خرامیدند رحمتہ اللہ علیہ ۔"(66)

9 - مولوی محمد قنوجی ـــ

اپنے زمانے کے عظیم المرتبت علماء میں شمار ھوتے تھے ۔ درس و تدریس میں مصروف رھتے تھے انھوں نے بہت سی کتب تحریر کیں جن میں "صدرا"کا حاشیہ قابل ذکر ھے ابجد العلوم کے مؤلف ان کے بارے میں یوں رقمطراز ھیں ـــ

"کان من کبار الفضلاء و اعاظم العلماء من اھل قنوج تلمذ علی شیخ العارف علی اصغر القنوجی و بلغ الغایتہ فی الکمال و درس و الف ولہ حاشیہ علی صدرافی الحکمتہ متد والہ فی دیار نالم الف علی تاریخ وفاتہ ۔" (67)

10 - مولانا حاجی محمد کشمیری (م - 1007ھ)

حاجی محمد کشمیری حنفی مسلک کے جلیل القدر علماء میں سے تھے حدیث فقہ میں ملکہ حاصل تھا ۔ وہ ھمدان کے رھنے والے تھے ان کے آبا و اجداد میں سے ایک شخص امیر علی بن شہاب کشمیر آئے اور وھاں رھائش اختیار کرلی ۔ حاجی محمد کشمیر میں پیدا ھوئے اور ابتدائی تعلیم وھیں حاصل کرنے کے بعد مزید کی تلاش میں دھلی آگئے اور اس وقت کے مشہور علماء و اساتذہ سے اکتساب کیا ۔ اس کے بعد خواجہ باقی باللہ دھلوی کے ساتھ رھے اور ان

---

(66) اورینٹل کالج میگزین لاھور ۔ مئی 1928ء حصہ اول ص 77

(67) نواب صدیق حسن خان ۔ ابجد العلوم ص 934

سے سلوک و تصوف کی تعلیم پائی - تکمیل تعلیم کے بعد واپس کشمیر جاکر مسند درس بچھائی اور درس و افادہ میں مشغول ہوگئے - درس و تدریس کے علاوہ انھوں نے تصنیف و تالیف کا کام بھی کیا - ان کی تصانیف میں شرح الحصن الحصین - شرح شمائل ترمذی - اور کتاب فی فضائل القرآن - کے علاوہ "مصباح الشریعتہ" اور "شرح الاوراد" بھی قابل ذکر ہیں - نزہتہ الخواطر میں ان کے بارے میں یوں لکھا ہے ـــ

"الشیخ العالم الصالح حاجی محمد الحنفی الکشمیری احد العلماء المبر زین فی الفقه والحدیث ..... سافر للعلم الی دارالملک دهلی و قرأعلی اساتذتها ثم صحب الشیخ الکبیر محمد باقی النقشبندی الدهلوی و اخذ عنه طریقته ثم رجع الی کشمیر و تصور بهاللدرس والافادته لم یلوث ثیابه بادناس الدنیا قط وله مصنفات عدیدته منها شرح الحصن الحصین و شرح علی الشمائل للترمذی و کتاب القرآن وله مصباح الشریعته و شرح الاوراد کما فی "محبوب الالباب" تو فی یوم الخمیس للیلته بقیت من شهر صفر سنته سته و الف بتاریخ بعض اصحابه لوفاته من (نوز دهم بود شهر صفر) کهانی مهرجهانتاب -" (68)

مولانا حاجی محمد کشمیری کی وفات جمعرات 1007ھ کو ہوئی اور وہیں کشمیر میں مدفون ہوئے -

---

(68) عبدالحئی رائے بریلوی - نزہتہ الخواطر ج 5 ص 126

رفـــاهی بـــادگاریں ـــ

مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی کو شاہ جہاں کی طرح تعمیرات اور رفاہ عامہ کے کاموں کا بھی شوق تھا ۔ ان کاموں میں ان کی دلچسپی کی شہادت ان کی تعمیر کردہ وہ عمارتیں ہیں جو سیالکوٹ میں تین سو سال سے بھی زیادہ عرصہ گذرنے کے باوجود بھی قائم ہیں ۔ شاہ جہاں نے سیالکوٹ میں ایک بڑی جاگیر بھی ان کو عنایت کی تھی علاوہ ازیں کئی مرتبہ نقد انعام و اکرام سے بھی نوازا گیا اور دو مرتبہ چاندی میں تلوایا گیا ۔

ان بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی بسر کرتے تھے اور اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کا پورا ذوق رکھتے تھے لیکن ذاتی عیش و آرام کی زندگی گذارنے کے باوجود انھوں نے اپنے شہر کے بسنے والوں اور مسافروں کی ضروریات سے کبھی چشم پوشی نہ کی اور اسی مقصد کے پیش نظر رفاہی اداروں کے قیام میں بڑھ چڑھ کر دلچسپی لی ۔

انھوں نے اپنی قیام گاہ کے قریب ہی ایک عظیم الشان مدرسہ اور مسجد تعمیر کروائیں ۔ یہ وہی مدرسہ ہے جہاں اس زمانے میں نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرون ہند سے بھی طلبا" کی ایک کثیر تعداد ہر وقت موجود رہا کرتی تھی اس عظیم الشان مدرسہ میں طلبہ کو مفت تعلیم دی جاتی تھی اور ان کی روز مرہ کی تمام ضروریات بھی وہ خود ہی پوری کرتے تھے ان کی تعمیر کی ہوئی مسجد آج بھی تحصیل بازار سیالکوٹ میں "محلہ میانہ پورہ" میں موجود ہے منشی محمد الدین فوق لکھتے ہیں کہ میانہ پنجابی زبان میں مسجد کے ملا" (خطیب و امام) کو کہتے ہیں چونکہ یہاں مدرسہ اور ان کی رہائش کی وجہ سے اکثر

طلبہ اور درویش رہا کرتے تھے اسی لئے اس جگہ کا نام ہی اسی وقت سے میانہ پورہ مشہور ہوگیا ۔ 'الہ امین چند تواریخ سیالکوٹ میں لکھتے ہیں ـــ

" ان کا مدرسہ بڑا گرامی تھا چنانچہ اس موضع کا نام میانہ پورہ انھیں کے باعث مشہور ہے ۔

مفتی ظام سرور قریشی مصنف "تاریخ مخزن پنجاب" نے بھی اس بات کی تائید کی ہے کہ یہ محلہ مولانا عبدالحکیم ہی کی وجہ سے مشہور ہے اور اسے آپ نے ہی بعہد شاہ جہاں آباد کیا تھا ۔

ڈاکٹر جی ایم صوفی اپنے کتاب KASHIR میں بیان کرتے ہیں کہ اس مسجد کے اندر محراب میں یہ عبارک کندہ ہے ـــ

تاریخ ھذا المسجد من بانیہ ۔ لہ البیت فی الجنتہ 1052

خط کشیدہ الفاظ مسجد کا سن تعمیر 1052ھ بتاتے ہیں ڈاکٹر صوفی کے اس بیان کی تائید فوق صاحب نے بھی کی ہے وہ مزید لکھتے ہیں کہ مسجد کے باہر کچھ زمین عرصہ دراز سے خالی پڑی تھی مولانا ابراہیم مرحوم کے والد مستری قادر بخش صاحب نے کمیٹی سے خرید کر یہ جگہ مسجد کے نام وقف کردی 1919ء میں یہ زمین صحن مسجد میں شامل کرکے مسجد کی توسیع کردی گئی اور ایک فوارہ اور ایک حوض بھی تیار ہوا جو پانی سے لبریز رہتا ہے۔ (69)

انھوں نے مسافروں کے لئے ایک بہت بڑی کارواں سرائے اور حمام بھی تیار کرائے کہا جاتا ہے کہ انگریزوں نے 1275ء میں اس عمارت کو خیراتی شفاخانے

---

(69) ثقافت لاہور ۔ جون 1967ء ص 29

میں بدل دیا بعد میں اسی ڈسپنسری نے موجودہ سول اسپتال کی شکل اختیار کرلی ۔

انھوں نے ایک خوبصورت باغ کی بنیاد بھی ڈالی تھی جس کے گرد ایک مضبوط دیوار بھی تعمیر کی گئی تھی مگر یہ باغ اور دیوار زمانہ کی دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکے اور اب ان کا نام و نشان بھی نہیں ہے ۔

مولانا عبدالحکیم کی جیتی جاگتی یادگار سیالکوٹ کا ایک بڑا تالاب بھی ہے ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کی تعمیر پر لاکھوں روپے خرچ ہوئے تھے اس میں پانی براہ راست چناب سے ایک نہر کے ذریعے لایا جاتا تھا ۔ جس کے آثار بہت بعد تک موجود تھے سکھوں کے زمانے میں اسی تالاب کی ملحقہ عمارتیں برجیاں اور پل سب پیوند زمین ہوگئے ۔

لالہ امین چند "تالاب سیالکوٹ" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں ـــــ

"یہ وہی تالاب ہے کہ جو مولوی عبدالحکیم کے زمانے میں
بنوایا تھا مگر مدت سے اٹ گیا تھا ۔ اب بعد غدر جناب
مسٹر پرنسپ صاحب بہادر کی ایما سے باہتمام سید قائم
علی صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ چودھریان شہر نے تیار کرایا
اور کچھ روپیہ سرکار نے بھی عطا کیا ۔ گویا کل اسی شہر
میں یہی ایک تالاب ہے ۔" (70)

بعد کے دور میں یہی تالاب مقامی بجلی گھر کے پانی کے ذخیرے کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا ہے ۔

---

(70) لالہ امین چند ۔ تواریخ سیالکوٹ بحوالہ ثقافت جون 1967ء ص 30

شہر سیالکوٹ کے مغربی جانب مولانا عبدالحکیم کی تعمیر کی ہوئی عیدگاہ آج بھی موجود ہے جس میں ہزارہا بندگان خدا سال میں دو مرتبہ اپنے معبود حقیقی کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں ۔ آج کل اس عیدگاہ کا انتظام مقامی انجمن اسلامیہ کے ذمہ ہے اس کی چار دیواری پرانی سیالکوٹی اینٹوں کی ہے اور کہیں کہیں مغلیہ دور کی عظیم الشان عمارتوں کے مخصوص نقش و نگار اور خوبصورت بیل بوٹے ابھی تک دیکھے جاسکتے ہیں کہتے ہیں کہ اس عیدگاہ کر چار دروازے تھے اور ہر دروازے پر نہایت بلند مینار بھی تعمیر کئے گئے وقت کے ساتھ دیوار اکثر جگہ سے شکستہ ہوگئی ہے ۔ 1287ھ میں بعض مخیہر حضرات نے چندہ کرکے اس کی مرمت کرائی تھی ۔

گیارھویں صدی کے اس عظیم انسان کے حالات زندگی اولاد تلامذہ وغیرہ کا تذکرہ کیا جاچکا ہے آخر میں ملا عبدالحکیم کے ہمعصر مؤرخ محمد صالح کنبوہ نے جن الفاظ میں ان کا ذکر خیر کیا انہیں یہاں بعینہ نقل کیا جاتا ہے تاکہ معاصرین کی نگاہوں میں اس مفکر کی جو قدر و منزلت تھی اس کی ایک جھلک دیکھی جاسکے ـــــ

"حبر محقق تحریر مدقق سرآمد دانشوران واجب التعظیم مولانا عبدالحکیم منشاء و مولدش قصبہ سیالکوٹ از مضافات دارالسلطنت لاہور است و مراتب شہرت ذکر فضائلش از لیالی و ایام و شہور و عوام اشہر اگر اورا ثالث معلمین خوانند می شاید و اگر عقل حاوی عشر دانند می‌سزد آں جناب در آغاز حال از دبستان تعلیم الہی ادب آموزی کردہ و از دانش کدہ فضل لامتناہی حکمت اندوزی

نموده در آخر کار پرده کشائی اسرار عالم سواد و بیاض گشت وبهم نیروی کمالات خدا داد نهایت معروف بمبدأ و معاد برکتب معتبره که همگی از تصانیف اوستادان پاستانیست و تفصیل آن در ذیل این صحیفه مرقوم حواشئ خود پسند معنی طراز بقلم آورده دیباچهٔ سپهر کدام را ازمام نامی حضرت ثانی صاحب قران شاه جهان بادشاه مزین ساخت و مدت شصت ساله صدر نشین مدرسهٔ تلقین سنن و فرائض شراع نبوی صلوات الله و سلامه علیه و علی آله و صحبه بوده . از برکات ذات عالی درجات و سیامن مکارم صفات حمیدهٔ خویش پنجاب بلکه هندوستان را لبریز فیض جاوید داشت - رفته رفته علم علم در عرصهٔ تفوق بعنوانی برا فراخت که سائر آموز گاران روزگاران روزگار در پیشش دبستان گزین استفادهٔ فنون دانش گشته و جمله ادبائے سخن پرواز مانند کودکان حرف شمار در جنب کمالاتش بشمار آمدند بلکه ارباب دانش و اصحاب فطرت کامل ادیب یونان را از تهجی خوانان دبستان ادب آموزش و عقل دانش افروز راجزوکش مدرسهٔ تعلیمش تصور نموده بدین تجویز درست خود را صاحب تمیز کامل دانستند -

بالجمله آن صاحب فضائل صوری و معنوی حق عظیم بر سائیر ارباب فضل ثابت کرده در سال هزار و شصت و هفت هجری متوجه دارالبقا گردید -" (71)

---

(71) محمد صالح کنبوه - عمل صالح ج سوم ص: 294-295

باب سوم :

معاصرین مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی

— شاہ محب اللہ الہ آبادی (۹۹۶ھ/۱۵۸۷ء تا ۱۰۵۷ھ/۱۶۴۸ء)

— ملا عبد السلام دیوی۔ متوفی تقریباً (۱۰۷۰ھ/۱۶۵۹ء)

— شیخ عبد الحق محدث دہلوی (۹۵۸ھ/۱۵۵۱ء تا ۱۰۵۴ھ/۱۶۴۲ء)

— علامہ سعد اللہ خان (۹۹۹ھ/۱۵۹۱ء تا ۱۰۶۶ھ/۱۶۵۶ء)

— حضرت میاں میر لاہوری (۹۵۷ھ تا ۱۰۴۵ء)

— ملا محمود جونپوری (۱۰۱۵ھ تا ۱۰۶۲ء)

معاصرین مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی

کسی شخصیت کے علمی مقام کو سمجھنے اور اس کے علمی کارناموں کا تعین کرنے کے لئے صرف واقعات کی فہرست اور سنین و اعداد کا مجموعہ کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ اس کے عصری رجحانات اور معاصرین کی علمی و تحقیقی خدمات کا تفصیلی جائزہ بھی لیا جانا ضروری ہے ۔

ہندوستان میں دسویں اور گیارھویں صدی ہجری کا زمانہ سلطنت مغلیہ کا وہ زرین دور ہے جس نے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں علماء و فضلاء پیدا کئے جن میں سے بیشتر آسمان علم و معرفت کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے اور علمی و تحقیقی کاوشوں کی بدولت ایوان علم و ادب کے صدر نشیں بنے رہے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے علمی مقام اور ان کے علمی کارناموں کی قدروقیمت کا اندازہ کرنے کے لئے ان کے معاصرین کا مطالعہ کرنا ازحد ضروری ہے اسی اہمیت کے پیش نظر معاصرین کے تذکرہ کے لئے ایک مکمل باب مخصوص کیا گیا ہے کیونکہ اس دور کے ہزاروں علماء کا تفصیل سے تذکرہ ناممکن تھا اس لئےخوف طوالت کی وجہ سے صرف انہیں علماء و فضلاء کے حالات یہاں قدرے وضاحت کے ساتھ دیئے گئے ہیں جو مولانا سیالکوٹی سے کسی نہ کسی اعتبار سے قریب رہے ہیں یا پھر اپنے بتحر علمی اور تصنیفی و تالیفی کارناموں کی وجہ سے نمایاں شہرت کے حامل ہیں ۔ اس باب میں مندرجہذیل صرف چھ 6 شخصیات پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے ۔

1 ۔ شاہ محب اللہ الہ آبادی (996ھ/1587ء ۔ تا 1058ھ / 1648ء)

2 ۔ ملا عبدالسلام دیوی متوفی 1070ھ /1659ء

3 - شیخ عبد الحق محدث دھلوی (958ھ / 1551ء - تا 1052ھ/1642ء)

4 - علامہ سعد اللہ خاں (999ھ/1591ء - تا 1066ھ/1656ء)

5 - میاں میر لاھوری (957ھ - تا 1045ھ/1635ء)

6 - ملا محمود جونپوری (1015ھ - تا 1062ھ / 1652ء)

1 - شاہ محب اللہ الہ آبادی (996ھ/1587ء تا 1058ھ/1648ء)

عہد شاہ جہانی کے مشہور عالم اور مذھبی مفکر شاہ محب اللہ الہ آبادی علوم عقلی و نقلی میں امتیازی حیثیت رکھنے کے ساتھ ساتھ ایک صاحب نسبت بزرگ تھے - شاہ صاحب فلسفۂ وحدتہ الوجود کے موید اور شیخ اکبر محی الدین بن عربی (560ھ/1165ء تا 638ھ/1340ء) اور ان کی تصانیف کے پر زور حامی تھے ظاھری کا ایک بڑا طبقہ ان کو ملحد قرار دیتا ھے جس کی وجہ غالباً یہی ھے کہ ان کی تصانیف ان کی فہم سے بالاتر اور ان کے عقائد سے مختلف تھیں لیکن اس کے برعکس صوفیائے کرام نے ان کو عارف باللہ اور اسرار و معارف کا مخزن قرار دیا ھے - مولوی رحمان علی نے تذکرہ علمائے ھند میں لکھا ھے ـــ

> " ان کی تحقیقات و تدقیقات علم تصوف میں اجتہاد کا درجہ رکھتی ھیں بلکہ حق تو یہ ھے کہ شیخ محی الدین ابن عربی کو شیخ اکبر اور ان کو شیخ کبیر کہیں (تو بجاھے) ان کی عمدہ تصنیفات حقائق و توحید میں بہت ھیں ان کی تصانیف کو اسرار الہی کا خزینۂ وقائق اور گنجینۂ حقائق کہنا چاھئے۔" (1)

---

(1) مولوی رحمان علی - تذکرۂ علمائے ھند ص 404

اس مقالہ کی تیاری میں زیادہ تر استفادہ ڈاکٹر مسعود انور علوی ریڈر شعبہ عربی کی تصنیف "کواکب" سے کیا گیا ہے ۔

ولادت ـــــ

2 صفر بروز دوشنبہ 996ھ/1587ء کو صدرپور ضلع خیرآباد میں بعہد جلال الدین محمد اکبر بادشاہ متولد ہوئے سلسلۂ نسب حضرت بابا فرید الدین گنج شکر تک اس طرح پہنچتا ہے ۔ شاہ محب اللہ بن شیخ مبارز بن شیخ پیر بن شیخ بڈے بن شیخ مٹھی بن قاضی رضی الدین ملک العلماء بن شیخ اوحد الدین بن قاضی مجد الدین بن شیخ جمیل الدین بن قاضی رفیع الدین بن شیخ محب اللہ فیاض بن حاجی رستم اللہ بن حبیب اللہ بن حاجی شیخ ابراہیم بن علاؤالدین بن قاسم بن عبدالرزاق بن عبدالقادر بن ابوالفتح بن عبدالسلام بن جعفر بن شہاب الدین بن حضرت فریدالدین مسعود عمری (2)

ابتدائی حالات ـــــ

شاہ صاحب نے ابتدائی تعلیم صدرپور میں اپنے والد سے حاصل کی پھر مزید تعلیم کے لئے لاہور گئے ۔ وہاں امیر فتح اللہ شیرازی کے شاگرد عبدالسلام لاہوری (1037ھ/28 - 1627ء) سے جملہ علوم کا اکتساب کیا ۔ ڈاکٹر مسعود انور علوی اپنی کتاب "کواکب" میں رقمطراز ہیں "شاہ صاحب نے اپنی کتاب "انفاس الخواص" کے دیباچہ میں اپنی تعلیم شادی اور لاہور کی روانگی کا حال تحریر کیا ہے ۔

---

(2) سید عبدالحئی الحسنی ۔ نزہتہ الخواطر ج 5 ص 323

عنفوان شباب میں مجھ کو ظاہری علوم کی تحصیل کا بڑا شوق تھا ۔ میرے ایک عالم و عارف استاد تھے انھوں نے مجھے انفاس کی تعلیم دی تھی جس کی وجہ سے مجھے توحید کے حقائق و معارف حاصل ہوتے رہتے تھے لیکن علوم ظاہری کے بے پناہ شوق کی بنا پر علم حقیقت کی طرف توجہ نہیں کر پاتا تھا اسی دوران والد ماجد کی وفات ہوگئی اور پھر اس کے بعد میری شادی ہوگئی مگر حصول علم کا شوق مجھے لاہور لے آیا اور اساتذہ کی خدمت میں اکتساب علم میں مشغول ہوگیا ۔ لاہور میں میرے ساتھ میرے دو ماموں زاد بھائی بھی پڑھتے تھے جس مکان کو میں نے کرایہ پر لیا تھا اس کے ایک گوشہ میں ایک دیوانہ مقید تھا ایک روز دفعتاً شب میں اس کا انتقال ہوگیا اس کی بیوی نے گریہ زاری شروع کی مجھے وحشت نے آگھیرا اور دل میں مبداؤ معاد کی بحث چھڑ گئی غرض کہ اس کوچہ کی نالہ آشنائی کی بنا پر متاسف اور غلطاں و پیچاں تھا شیطان میرے دل میں خطرات و شبہات پیدا کرتا اور شرعی عقائد کی صورت میں لاکر میرے سامنے پیش کرتا تھا میں لاحول پڑھا کرتا اور اللہ تعالی سے استعانت و مدد کا خواہاں رہتا تھا ۔ یہاں تک کہ میں نے تفسیر بیضاوی شروع کی مگر سابقہ حالت بدستور قائم رہی میرا کوئی لمحہ تفکرات سے خالی نہ رہتا کبھی رحمانی (شرعی) خیالات رہتے اور کبھی نفس و شیطان کے ساتھ ہوتا کبھی مومن ہوتا اور کبھی کافر اسی کشمکش کی حالت میں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ مجھ کو مخاطب فرماکر زبان معجز بیان سے ارشاد فرماتے ہیں کہ محب اللہ جو کچھ تم کو دیا گیا ہے وہی حق ہے میں بیدار ہوا تو تمام وسواس و خطرات دفع فرمائے ۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب میں تحصیل علوم ظاہری سے فارغ ہوکر اپنے وطن صدرپور آیا تو فکر معاش نے میرے دل کو پیشان کیا تلاش معاش میں

احمد آباد گیا وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پھر خواب میں دیکھا ۔ اس دفعہ حضورؐ کی توجہ اپنی طرف کم پائی التفات کی کمی کی وجہ کو بھی میں نے جان لیا ۔ چنانچہ اس کی وجہ سے اس قدر حسرت و افسوس و حزن و ملال مجھ پر غالب ہوا کہ جی چاہتا تھا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر جنگل کی طرف نکل جاؤں لیکن اللہ کا فضل شامل حال ہوا اور میں اپنے وطن صدریور واپس ہوکر درس و تدریس میں مصروف ہوا مگر باوجود تمام تفکرات کے پاس انفاس کا شغل اور علم وحدت جو استاد اول نے مجھے تعلیم فرمایا تھا میں نے برابر جاری رکھا وہ شغل کسی حالت میں مجھ سے کبھی ترک نہیں ہوا (3)

شیخ ابوسعید سے اجازت و خلعت ـــ

اسی زمانہ میں شاہ صاحب کو دھلی کے مزارات پر حاضری کا شوق ہوا چنانچہ دھلی پہنچے ایک روز ان کے سابق دوست سعداللہ خان جو اب وزیر اعظم ہندوستان تھے سے اچانک ملاقات ہوگئی وہ شاہ صاحب کو شاہ جہاں کے پاس لے گئے اور ان کو وزیر بنانے کی سفارش کی شاہ جہاں خود بھی شاہ صاحب کی شخصیت سے بڑا متاثر ہوا اور ان کو جاگیر و منصب عطا کی شاہ صاحب بڑی شان و شوکت سے دربار شاہی سے روانہ ہوئے اس زمانے میں دستور یہ تھا کہ جس امیر کو کوئی خلعت یا منصب عطا ہوتا تو وہ سلام کے لئے حضرت قطب الدین بختیار کاکی کی درگاہ پر حاضر ہوتا شاہ صاحب بھی وہاں پہنچتے اور درگاہ سے کچھ فاصلے پر اپنے ہمراہیوں کو چھوڑ کر تنہا مزار پر حاضری دینے کے لئے پہنچے وہ جب وہاں پر مراتب ہوئے تو وہاں سے حکم ہوا کہ ظاہری و دنیاوی امور کی درستگی کے لئے پیدا نہیں کئے گئے آجکل حضرت مخدوم

---

(3) ڈاکٹر مسعود انور علوی ۔ کواکب ص 55 - 56

علاؤ الدین مکی احمد صابر کلیری کا سلسلہ گرم ہے وہاں جاؤ ۔ شاہ صاحب یہ ارشاد سن کر منصب شاہی پر لات مار گنگوہ روانہ ہوگئے جب سعد اللہ خان کو خبر ہوئی تو بہت روئے اور کہا کہ وہ مردان خدا میں سے ہیں ہم نے انہیں دنیا میں پھنسانا چاہا مگر وہ بھلا کب پھنسنے والے تھے ۔

گنگوہ پہنچنے کے بعد پیر مرشد شیخ ابو سعید سے اجازت و خلعت و خلافت اور خرقہ حاصل کرنے کے بعد شاہ محب اللہ اپنے وطن صدرپور واپس چلے آئے کچھ عرصہ قیام کے بعد الہ آباد روانہ ہوگئے ۔ مؤلف "بحر زخار" لکھتے ہیں کہ ـــــ

" از وقت حضرت شیخ گنج شکر تا او کسے از اجدادش میل و رغبت بہ دنیا نہ کردہ در زمانہ ہائے خود سوائے از تحصیل علوم صوری و معنوی کار نہ داشتہ اند و بہ عنفوان جوانی شیخ از وطن خود قصبہ صدرپور کہ توابع خیرآباد از مضافات اودھ است با کتاب صوری دانش بہ لاہور رفت و بہ پایہ تکمیل رسانیدہ بہ دہلی رفت . سعداللہ خان وزیر از وقت طالب علمی آشنائے آں حضرت بود خواست کہ اورا از منصب مناسب سلطان بہرہ در گرداند ۔" (4)

الہ آباد میں قیام کرنے کے بعد شروع میں بڑی تنگ دستی اور فاقہ کی صورت رہی لیکن ان کے پائے استقلال میں جنبش نہ ہوئی رفتہ رفتہ ولایت کی شہرت شروع ہوئی ۔ لوگ جوق در جوق اکتساب فیض کے لئے آنے لگے ۔ دارا شکوہ خاص

---

(4) شیخ وجیہہ الدین اشرف لکھنوی ۔ بحر زخار (قلمی) بحوالہ کواکب ص 58

ارادت مندوں میں ہوئے ۔ حقائق و معارف کے بیانات میں ید طولی تھا ۔ تقاریر ایسی موثر اور دل نشین ہوتی تھیں کہ وحدت الوجود کے مخالف اور منکر علماء میں سے اکثر آپ کے فیض کے قائل ہوگئے اور یہی مسلک اختیار کیا ۔

وفـــــات ـــ

شاہ محب اللہ تقریباً بیس سال الہ آباد میں مقیم رہے اور ہزاروں تشنگان علم آپ سے سیراب ہوئے بالآخر 9 رجب 1058ھ /1648ء کو وصال فرمایا اور الہ آباد میں مدفون ہوئے ۔

"قریب بست سال در شہر الہ آباد بر سجادہ ارشاد مستقیم بود و بتاریخ نہم ماہ رجب روز پنجشنبہ برابر غروب آفتاب در سنہ یک ہزار و پنجاہ و ہشت ہجری بعالم بقا خرامید ودر شہر مذکور مدفون گشت ۔" (5)

"تذکرہ علمائے ہند" میں ان کی وفات کے بارے میں یوں لکھا ہے ـــ

" 9 رجب 1058ھ/1648ء میں مغرب کے قریب انتقال ہوا الہ آباد میں ان کا مزار زیارت گاہ اہل بصیرت ہے ۔" (6)

آپ کے خلفاء کافی ہوئے ہیں جو سب کے سب آئینہ کمال ہوئے ان میں شیخ قاضی گھاسی الہ آبادی شیخ محمد رسولدار قاضی عبد الرشید میر سید محمد قنوجی اور شیخ احمد وغیرہ مشہور ہوئے اخلاف میں صرف ایک بیٹے کا پتہ چلتا ہے جن کا نام شیخ تاج الدین تھا ۔

---

(5) ڈاکٹر مسعود انور علوی ۔ کواکب ص 62

(6) مولوی رحمان علی ۔ تذکرہ علمائے ہند ص 396

یک پسر خورد سالہ شیخ تاج الدین نام عقب گذاشت ۔ (7)

تصانیف

کتب تذکرہ و تاریخ سے شاہ محب اللہ کی جن کتابوں کا پتہ چلتا ہے ان میں زیادہ تر مسئلہ وحدتہ الوجود یعنی علم تصوف اور اور عقائد سے متعلق ہیں شاہ صاحب کو مسئلہ وحدتہ الوجود پر عبور حاصل تھا ۔ ان کی کتب کی تفصیل کچھ یوں ہے ۔ تجلیتہ الفصوص شرح فصوص الحکم (عربی) انفاس الخواص (عربی) الافادتہ والقبول (عربی) عقائد الخواص (عربی) المغالیط العامہ (عربی) ترجمتہ الکتاب (عربی) منہیات ترجمتہ الکتاب (عربی) التنویتہ بین الافادتہ والقبول (عربی) عقائد الخواص (عربی) المغالیط العامہ (عربی) مراتب الوجود ۔ رسالتہ سیر الہی ۔ رسالہ اعانتہ الاخوان ۔ شرح التنویہ (فارسی) شرح فصوص الحکم (فارسی) طرق الخواص (فارسی) عبادتہ الخواص (فارسی) اخص الخواص (فارسی) مناظر اخص الخواص ہفت احکام (فارسی) غایتہ الغایات رسالہ سہ رکنی (اوراد مجی) رسالہ وجود مطلق در تحقیق وجود مطلق ۔ رسالہ توحید امالتہ القلوب ۔

شاہ صاحب نے اپنے فارسی مکتوبات بھی یادگار چھوڑے ہیں یہ مکتوبات بھی ان کے مسلک وحدتہ الوجود کے آئینہ دار ہیں ان کی تصنیفات کے بارے میں بحر زخار کے مصنف رقم طراز ہیں ۔

"اورا تصانیف حقائق و توحید بسیار است کہ خزینتہ دقائق و گنجینہ حقائق اسرار الہی ست از ادراک حالات و مقامات

---

(7) شیخ عبد الرحمن چشتی ۔ صراتہ الاسرار بحوالہ کواکب ص 62

آں کتب صریح اجتہادش بر مشرب صوفیہ و اہل صفا مشرف
است لہذا شیخ محی الدین ابن عربی را شیخ اکبر می‌گویند ے
را شیخ کبیر لقب می کنند ۔ (8)

ان کی اکثر تصانیف شیخ اکبر کی کتابوں کی شروح ہیں ۔ ذیل میں چند دستیاب شدہ تصانیف کا ایک اجمالی تعارف درج ہے ۔ شاہ محب اللہ الہ‌آبادی کے مکتوبات کا ایک نادر نسخہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی لائبریری (سبحان اللہ ف 29707) میں موجود ہے متوسط تقطیع میں چار سو تینتیس صفحات پر مشتمل ہے اس میں اٹھارہ مکتوبات درج ذیل مختلف شخصیتوں کے نام ہیں ۔ جن میں شیخ اکبر اور فلسفہ وحدت الوجود کی پر زور تائید کی ہے یہ مکتوبات اس لحاظ سے بھی بہت اہم ہیں کہ ان کے ذریعہ شاہ صاحب کے نظریات و افکار سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے اس نسخہ کے آخر میں درج ذیل عبارت ہے ــــ

"بتاریخ بست و ششم محرم الحرام 895 محمد اکبر بادشاہ
جمجاہ غازی اتمام گرفت بدید احقر الطالب علم شیخ عظیم
اللہ بموجب فرمائش مشفق قدر داں خواجہ غلام نقشبند صاحب"

ابتدا میں فہرست نہیں ہے مکتوبات درج ذیل ترتیب سے لکھے ہوئے ہیں ۔

1 -	ملا محمود جونپوری	صفحہ 1 -	22
2 -	" " "	" 22 -	40
3 -	شیخ عبد الرشید جونپوری	" 40 -	100

---

(8) ڈاکٹر مسعود انور علوی - کواکب ص 64

4 -	شیخ عطاءاللہ جونپوری	صفحہ	100 - 132
5 -	میر محمد قنوجی	"	132 - 139
6 -	میر سید عبدالحکیم	"	139 - 213
7 -	شیخ عبدالرحیم	"	213 - 286
8 -	شیخ تاج محمد	"	286 - 287
9 -	شیخ عبدالرحیم	"	287 - 314
10-	شیخ عبدالرحمن	"	314 - 225
11-	" " "	"	225 - 335
12-	میاں شیخ عبدالرحمن رضی	"	336 - 337
13-	شیخ عبدالرشید جونپوری	"	337 - 339
14-	شیخ عبدالرحمن جونپوری	"	339 - 361
15-	" " "	"	361 - 377
16-	شیخ عبدالرحیم	"	377 - 406
17-	شاھزادہ دارا شکوہ	"	406 - 426
18-	" " "	"	426 - 433

دارا شکوہ کے نام مکتوبات سے باھمی روابط کا پتہ چلتا ھے شاہ صاحب سے ان کی عقیدت اور ارادت مندی نیز شاہ صاحب کی نگاہ میں ان کی قدرومنزلت معلوم ھوتی ھے دارا شکوہ کے نام اپنے ایک مکتوب کی ابتدا یوں کرتے ھیں ـــــ

"بندگان ملا ز عارفان و معاذ جہانیاں عرف پناہ حقائق آگاہ ضابطہ احکام دینی حادی مراتب کشفی و یقینی عین الانسان و انسان العین سلطان عالم صوری و معنوی بر

سریر سلطانی و منعثه شهودحقانی جلوه‌گر باشند بعد از منازل نیازمندی و اخلاص و قطع مراسم محبت و اختصاص آنکه فقیر پیش از میں به کمالات انسانی و مراتب عرفانی آں ملاذ عارفان محظوظ و خورسند بود و در شکر زمانه رطب اللسان که الحمدالله که شاه و شاهزاده ایں زمانه صالح و عارف ربانی اند و چوں ایں صوبه بانام بندگان آنجناب عالی شد نشاط و شکر سابق مضاعت گشت که الحمدالله که بامحکوم عارف سبحانی شدیم ۔" (9)

2 - رسالۂ غایت الغایات/ عنایت الخواص (مسلم یونیورسٹی علیگڑھ لائبریری سبحان اللہ کلکشن ف $\frac{2977}{34}$)

متوسط تقطیع اور چوراسی اوراق پر مشتمل ہے ۔ ابتدا یوں ہے ـــــ

بعد از تحیه و توحید ذاتی که وصول مد نعمت بانعام اوست و تمامی سر کارو بار بتقدیم نام او ۔ وصلوته و تسلیم بر حبیب خاص و برآل و اصحاب اهل اختصاص می گوید ۔ فقیر محب الله مبارز چوں بعضے اخوان اهل صفاٗ دفا بریں آمدند که بعضے مطالب اهل الله خاص بدر عالم و سبب ایجاد عالم که در تصانیف عارف و اصل و محقق کامل از وجد و حال بری و شیخ محی الدین عربی ثبت یافته اند فقیر آں را جدا ساخته در چند اوراق ثبت نماید بضرورت قبول نمود که عذر و حیله را راه نمود ۔

اس رسالہ کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے بنابر ایں ترتیب ایں رساله بر پنج باب ۔ باب اول در بیان آں که مناظر اهل الله در حق حق غیر

---

(9) مکتوبات (قلمی) ص 386 (سبحان اللہ ف 297/3) مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

عقائد اهل کلام و علماء رسوم است ۔ باب دوئم در بیان آں که وجد و حال که نقص است نه کمال باب سویم درمیان معرفت حق اسماء و صفات او باب چهارم در بیان سبب بدء عالم باب پنجم در بیان بدا خلق روحانی و بدء جسوم انسانی۔

3 ۔ عبادات الخواص (مسلم یونسورسٹی علی گڑھ فارسیه مذهب 193)

بڑی تقطیع میں تیره سو ستتر صفحات پر مشتمل هے ۔

پندره شنبیهات نوا بواب پانچ سو سینتیس فصلوں اور خاتمه پر مبنی هے فصلوں میں جمله تمام مسائل کا شرح و بسط سے بیان هے ۔ پهلا باب لا اله الا الله محمد رسول الله کے بیان میں دوسرا جهنم تیسرا جنت چوتهدا اصول فقه پانچواں طهارت چهٹا نماز ساتواں زکوته آٹهواں روزه اور نواں حج کے بیان میں هے خاتمه میں نوافل سنتوں اور فرضوں کا بیان هے۔

کتاب کے خاتمه پر لکهتے هیں ـــ

ببداں که افتتاح و بدایت املاء ایں تالیف در بست و هفتم شهر رمضان سنه یک هزار و پنجاه و یک واقع شده بود و در هشتم ماه محرم سنه یک هزار و پنجاه و در فقیر بیمار شد و در املا ایں کتاب تعلل و تخلل واقع شد و در هشتم ماه شوال سنه مذکور بر ایں آمد که تالیف راهبر تقدیر باتمام برساند اگر مشیت الهی تو شح و حرکت بخشد بقلم پس شروع نمود در اتمام ایں تالیف و در یازدهم ماه ربیع الاول سنه هزار و پنجاه و سه به عنایت رحمانی و معونت سبحانی باتمام رسید وله الحمد اولاد آخرا۔"

آخر میں کاتب نے لکها هے ـــ

"ختم الکتاب المستطاب المسمی به عبادات الخواص من مولفات القطب الربانی الغوث الصمدانی نادر العصر والزمان خاتم البیان و التبیان سیوسیدی و سند سندی و

شیخ شیخی محبوب اللہ حضرت شیخ محب اللہ مبارز پیر قدس سرہ ۔"

4 - شرح فصوص الحکم فارسی ـــ

شیخ اکبر محی الدین بن عربی کی مشہور و معروف کتاب کی شرح ہے ۔ شاہ صاحب کی یہ تالیف 1047ھ/1637ء کی ہے مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں اس کے دو نسخے موجود ہیں ۔ مکمل نسخہ حبیب گنج کلکشن (ف 21/241) میں موجود ہیں جو بڑی تقطیع میں سات سو ساٹھ صفحات پر مشتمل ہے ۔ دوسرا ناقص الطرفین نسخہ ذخیرہ شیفتہ (55/60) میں موجود ہے یہ شرح بہت جامع اور اپنی نظیر آپ ہے ۔

شاہ غلام مصطفی میرونڈوی اور محمد باقر الہ آبادی کے اردو ترجمے مع فارسی متن کے ادارہ انیس اردو الہ آباد سے 1961ء میں شائع بھی ہو چکی ہے ۔

5 - المغالیطہ العامہ ـــ

اس کا ایک نادر نسخہ مسلم یونیورسٹی (یونیورسٹی عربیہ علوم 138) میں موجود ہے ۔ اس کے اول و آخر میں شاہ محمد اجمل الہ آبادی کی مہریں ہیں ابتدا میں مہر کے اوپر شاہ صاحب موصوف کی یہ تحریر ہے ۔

ھذا الکتاب من متملکات احقر الناس اضعف العباد ابوالفضل ناصرالدین محمد المشتھر بہ اجمل الہ آبادی غفا اللہ تعالی عنہ متوسط تقطیع میں 993 صفحات پر مشتمل ہے ۔

ابتدا یوں ہے ۔ الحمد للہ الذی ھو الرحمن الذی علم اھلہ القرآن خلق الانسان علمہ البیان ۔

مختلف مسائل کا بیان ہے - عوام میں پھیلے ہوئے غلط عقائد اور رجحانات کا تذکرہ ہے - حق تعالی کی روایت کا جواز ولایت نبوت رسالت اس طرح ایک سو ستر مغالطوں کا بیان ہے درمیان میں مختلف فصلیں بھی ہیں ہر جگہ شیخ اکبر کے اقوال بطور استنا درج کئے ہیں -

6 - رسالۂ ہفت احکام — مسلم یونیورسٹی (ف 21/359 فارسیہ تصوف) میں اس کا موجودہ نسخہ تیس صفحات پر مشتمل ہے -

حمد و صلوتہ کے بعد لکھتے ہیں —

"می گوید فقیر حقیر محب اللہ مہارز پیر کہ چوں ادعان مناظر عرفاء و تصدیق ملاحظۂ اولیاء کہ بنذے ازاں مناظر ذکر یافتہ قبل ازیں در مناظر اخص الخواص مبنی است بر معرفت ہفت مسائل - حکم اول علم بہ حقائق است - دوم علم تجلی حق تعالی در اشیاء مثالث علم بخطاب حق تعالی مر عباد را بالسنہ شرائع بہ کمال و نقص دروجود . خامس علم انسان بنفس خود از جہت حقائق آں حکم سارس علم بخیال و عالم آں سابع علم بہ علل و ادویۂ آں -

احکام کے بیان سے پہلے حقائق و معارف پر مشتمل ایک مقدمہ بھی ہے -

7 - انفاس الخواص —

فصوص الحکم کی عربی شرح ہے - اسی انفاس پر مشتمل ہے اس کا ایک قدیم نسخہ کتب خانہ انوریہ کاکوروی میں موجود ہے جو 1081ھ کا لکھا ہوا قبل باصلہ یعنی اصل نسخہ سے مقابلہ کیا ہوا ہے - رضا لائبریری رامپور (39) انڈیا آفس لائبریری (1279) خدا بخش پٹنہ (883) میں بھی اس کے

قلمی نسخے موجود ہیں ۔

ابتدا یوں ہے

الحمد اللّٰہ الذی لاحمد لما سواہ و لیس المختار الاایاہ

اختتام پر یہ عبارت ہے ۔

فمن لایراہ لا یراہ لفقد عین القلب فانھا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور و ھذا آخر الکتاب و انہ لتذکرہ للمستقین فسبح باللّٰہ ربک العظیم قد وقع الفراغ من کتابتہ ھذا الکتاب ۔"

8 - مناظر اخص الخواص ـــــ

متوسط تقطیع میں تقریباً 400 صفحات پر مشتمل ہے اس کا ایک مکمل قلمی نسخہ جمادی الآخر 1131ھ کا لکھا ہوا کتب خانہ انوریہ خانقاہ کاظمیہ کاکوری میں موجود ہے ۔

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (ف 55/60 شیفتہ کلکشن) میں بھی اس کا ایک نسخہ ہے لیکن وہ ناقص الطرفین ہے ۔

9 - التسویہ بین الارادتہ والقبول ـــــ

یہ شاہ صاحب کا سب سے مشہور و معروف رسالہ ہے ۔ حقائق و معارف کے ایسے بیانات درج ہیں کہ بقول صاحب تصنیف شرح تسویہ واقع مزلت الاقدام عرفا است و از اینجاست کہ بسیارے در پے انکار آں رفتہ و از بدعت بر شیخ تہمتہا بستہ ۔(10)

جب یہ رسالہ مشہور ہوا اور اورنگ زیب عالمگیر کی نظر سے گذرا تو وہ بہت غصہ ہوا اور حکم دیا کہ شیخ کو حاضر کرو ۔ لوگوں نے کہا کہ ان کی

---

(10) تصفیہ شرح تسویہ ۔ از مولانا حافظ شاہ علی انور قلندر کاکوروی (مطبوعہ) 3

وفات ہوگئی البتہ ان کے مریدوں میں دو آدمی باقی ہیں ۔ ایک شاہ محمدی دوسرے ملا محمد قنوجی ۔ کہنے لگا کہ اگر ان میں سے کوئی اس رسالے کے مضامین کی مطابقت شرح سے کردے تو خیر ورنہ رسالہ جلا دیا جائے اور جس قدر ان کے مرید ہوں بیعت توڑ دیں کیوں کہ اس کے مطالب نہایت دشوار ہیں مثلاً رسولؐ کے جبرئیل انہیں کے ساتھ تھے باہر پیغمبر کے جبرئیل نے ان سے اپنی زبان میں باتیں کیں ۔ ملا محمد قنوجی منصب دار شاہی نے تو بیعت توڑدی مگر شاہ محمدی نے جواب میں لکھا کہ بیعت اسلام سے ارتداد ممکن نہیں اور شیخ نے جس مقام سے گفتگو کی میری ابھی وہاں رسائی نہیں ۔ بروقت عروج ان مضامین کی مطابقت آیات و احادیث سے کردی جائےگی اور اگر اس رسالہ کے جلا دینے کا مصمم ارادہ ہے تو جس قدر اس کی نقلیں ملیں جلادیں شاہی باورچی خانہ میں فقراً متوکل کے یہاں سے زیادہ آگ ہے عالم گیر خاموشی میں رہا (11)

شاہ محب اللہ الہ آبادی کے بارے میں مولف مآثر الکرام یوں رقمطراز ہیں ـــ

"در آں وقت کہ علماً ظاہر بر رسالہ تسویہ شیخ محب اللہ الہ آبادی قدس سرہ ہنگامہ برپا کردند و سلطان اورنگ زیب انا اللہ برہانہ را رسانیدند کہ ایں رسالہ سخنان مخالف شرع شریف دارد سلطان حکم فرمودند کہ درویشان قلم رو پادشاہی را در معکر سلطانی احضار نمایند و از مقالہ

---

(11) ترجمہ رسالہ تصفیہ شرح تسویہ ۔ مولانا شاہ تقی حیدر قلندر کاکوروی مطبوعہ 4

هر کدام استفسام نمایند شیخ محمد افضل الہ آبادی قدس سرہ (1038ھ/ 1668ء م تا 1124ھ/ 1712ء م) از رسالہ واردات اندیشیدند کہ در قلبہ حالات رقم زدہ کلک ارشاد گردیدہ ہر چند دل شیخ قدس سرہ نمی خواست کہ بشویند لکن دراں ایام کہ آتش فتنہ سخت مشتعل بود نگاہداشتن ہم مصلحت نمی دیدند لاجرم آب در ظرف کلاں چوبیں پُر کردہ آں رسالہ چہار ورقی را انداختند کہ چوں کاغذ کالبی در آب زود متلاشی می گردد خود بخود محو خواہد شد - غرض شیخ ایں کہ بدست خود را ازالہ خط سعی نہ کردہ باشند تمام شب در آب بود ورقے و سطرے محو نہ شد دم دم صبح ایں حال مشاہدہ نمودہ بخاطر آوردند کہ مرضی حضرت سید قدس سرہ در کتاب "اطعام الانام" می گوید من آں رسالہ را بعینہا با رسائل دیگر از تصانیف حضرت قدس سرہ یک جا جلد کردہ حرز جان و ایمان خود دارم -" (12)

رسالہ تسویہ سے باوجود اختلاف کے ہندوستان میں اس کی درج ذیل شرحیں لکھی گئیں -

1 - شرح تسویہ مصنفہ محمدی فیاض زینبی ہرگامی شاگرد شاہ محب اللہ الہ آبادی

2 - شرح تسویہ - مصنفہ شیخ امان اللہ بنارسی 1133ھ/ 1721ء

---

(12) غلام علی آزاد بلگرامی - مآثر الکرام 1 : 84 - 85

3 - شرح تسویہ - مولفہ شیخ عبد اللہ بن عبد الباقی نقشبندی دہلوی

4 - شرح تسویہ - شیخ محمد افضل بن عبد الرحمان عباسی الہ آبادی (1024ھ/ 1712ء)

5 - شرح تسویہ بزبان عربی - مولانا عبد الحلیم فرنگی محلی بن مولانا امین اللہ انصاری 1284ھ /8-1867ء

6 - تسویہ التسویہ - سید علی اکبر دہلوی فیض آبادی

7 - تصفیہ شرح تسویہ - شرح فارسی مولانا حافظ شاہ علی انور قلندر کاکوروی (1906ء)

یہ شرح معہ فارسی متن اور اردو ترجمہ مولانا شاہ تقی حیدر قلندر کاکوروی کے خانقاہ کے ضمیمہ سے شایع ہوئی ہے - اس کا ایک نادر و نایاب نسخہ کتب خانہ انوریہ خانقاہ کاظمیہ میں موجود ہے اس کی ابتدا یوں ہے ---

" الحمدلمن وجد بکل ماوجد و مسجد بکل ما سجد الصلوتہ والسلام علی خیر من نطق بہ و اصطفاہ و الی بقولہ تعالی اینی تو لوافثم وجہ اللہ و اجتباہ و الہ خیر الآل و احسن اکمال .....

پانچ اوراق سمیر مشتمل اس نسخہ میں اٹھارہ سطر میں فی صفحہ ہیں - ہر سطر میں سات آٹھ الفاظ ہیں -

آخر میں یہ عبارت ہے

قال اللہ تعالی و جاوزنا ببنی اسرائیل البحرفا بتعھم فرعون و جنودہ بغیاً و عدواً .....

رسالہ تسویہ کا ایک دوسرا نسخہ مسلم یونیورسٹی لائبریری (عبد الحئی فرنگی

محلی کلکشن 1098/84 عربیہ منقولات) میں محفوظ ہے جو مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی کا نقل کردہ ہے اس کے آخر میں یہ عبارت درج ہے —

تمت رسالته التسویه بین الافادته والقبول من الشیخ محب الله الله آبادی افاض الله علیه الایادی بین الفقیر الی رحمته العلی الکریم محمد عبدالحلیم ابن المرحوم الملا محمد امین الله الانصاری نسباً والکھنوی و طناً و الحنفی مذھباً والقادری مشرباً فی بلدہ بمبئی حین رجوعه الحرمین الشرفین زادھما الله شرفاً فی شھر المولدمن 1280ھ

اس نسخہ میں کل سات اوراق ہیں ہر صفحہ میں گیارہ سطر ہیں رسالہ تسویہ کا ایک فارسی ترجمہ مسلم یونیورسٹی (فارسیہ مذھب 401 / 43) میں موجود ہے جو چھوٹی تقطیع میں 43 اوراق پر مشتمل ہے اور 1105ھ کا لکھا ہوا ہے -

حمد و صلوته کے بعد اس کی ابتدا یوں ہے بدانکه فقیر محب الله بعضے اخوان باصفا و یاران باوفا که در حل عبارت عربی محتاج بودند به سوئے ترجمه فارسی خود را در قید آوردکه "رساله تسویه" را ترجمه فارسی به نویسد . . .

رسالہ تسویہ کی عربی شرح مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی کی طبع ہو چکی تھی ۔(13)

---

(13) ڈاکٹر مسعود انور علوی ۔ کواکب ص 126 - 124

2 - ملا عبد السلام دیوی ـــ

شمالی ہندوستان اور خصوصاً صوبہ اودھ کے تقریباً سبھی لوگوں کے درس کا سلسلہ امام معقولات ملا عبد السلام لاہوری اور امیر فتح اللہ شیرازی تک ان کے نامور اور مشہور شاگرد ملا عبد السلام دیوی جو حضرت مخدوم شیخ اعظم ثانی کی اولاد ہیں تک پہونچتا ہے ۔ فرنگی محل خاندان خیرآبادی خاندان اور دہلی کے نامور خاندان سب ان کے سلسلہ تلمذ میں کسی نہ کسی طرح وابستہ و منسلک ہیں ۔ ہندوستان میں معقولات اور علم کلام کی شوقی و اشاعت کو سب سے زیادہ مدد جلال الدین محقق دوانی (908ھ/ 1502ء) کے تلامذہ سے ملی ان کے ارشد تلامذہ میں خواجہ جمال الدین محمود ہیں جن کا دیرپا سلسلہ تلمذ ان کے دو شاگردوں مرزا جان شیرازی اور امیر فتح اللہ شیرازی 997ھ/1589ء) سے چلا ہے امیر فتح اللہ شیرازی بیجاپور سے اکبری دربار میں آئے اور یہاں سے شہرت و ناموری کے اوج پر پہنچے تبھی سے پورے ملک میں علوم عقلیہ کی ترویج و اشاعت زور شور سے شروع ہوگئی جس کے نتیجہ میں یہاں بلند پایہ علماً معقولات پیدا ہوئے شیخ وجیہہ الدین علوی گجراتی (998ھ/ 1589ء) ملا عبد السلام لاہوری (1037ھ/1627ء) ملا عبد السلام دیوی مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی (1067ھ/1656ء) ملا کمال الدین کشمیری ملا عصمت اللہ سہارنپوری (1039ھ/1630ء) ملا محمود جونپوری (1062ھ/1652ء) اور ملا عبد الحلیم سہالوی جیسے بےشمار علماً اپنے عہد کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے ان علماً کی بساط درس پر جن فضلائے زانوئے تلمذ تہ کیا اور ان کے تلامذہ سے اکتساب کیا وہ بھی اپنے زمانے کے ائمہ معقولات ہوئے اس سلسلہ میں اودھ کے علماً قابل ذکر ہیں امیر فتح اللہ شیرازی (997ھ/1589ء) کے

شاگرد ملا عبدالسلام لاہوری ان کے شاگرد ملا عبدالسلام دیوی اور ان کے شاگرد ملا عبدالحلیم سہالوی ہوئے -

ملا عبدالسلام دیوی اعظمی اپنے عہد کے امام معقولات اور استاد الاساتذہ ہیں لیکن بیشتر ہندوستانی مشاہیر کی طرح ان کے حالات زندگی بھی پردۂ خفا میں رہے ہیں تذکرے کی کتابوں میں ان کے حالات نہایت مختصر ملتے ہیں حتی کہ ان کی ولادت و وفات کے سنین کی صراحت بھی کسی تذکرہ میں نہیں ملتی - ان کے معاصر تذکروں شاہ جہاں نامہ، طبقات شاہ جہانی، عمل صالح وغیرہ اور بعد کے تذکروں مآثر الکرام، بحر زخار وغیرہ میں بھی ان کا ذکر مختصر ہی ہے ان کے قدرے تفصیلی حالات کا سب سے اہم مآخذ شیخ خیرالزماں لکھنوی کی "باغ بہار" ہے - دوسرا اہم ثانوی مآخذ مولانا حافظ شاہ علی حیدر قلندر کاکوروی کی "تذکرہ مشاہیر کاکوروی" ہے علاوہ ازیں کشف المتوازی فی حال نظام الدین القاری مولفہ مولٰنا شاہ تراب علی قلندر کاکوروی اور نفحات النسیم فی تحقیق احوال اولاد ملا عبدالکریم مولفہ منشی امیر احمد علوی کاکوروی (ڈپٹی کلکٹر) میں بھی ان کے بارے میں کچھ معلومات ملتی ہیں - علاوہ ازیں اس سلسلہ میں ڈاکٹر مسعود انور علوی صاحب (ریڈر شعبہ عربی) کی تصنیف کردہ کتاب "اودھ کے چند عربی علماء" سے زیادہ تر استفادہ حاصل کیا گیا ہے -

مذکورہ بالا چند تذکروں کی روشنی میں اس فاضل اجل استاد الاساتذہ کے سلسلہ میں یہ سطور قلم بند ہورہی ہیں - خلاصہ آداب و قوانین المعروف بہ اسم تاریخی باغ بہار 1211ھ کے مولف علی غنی عرف شیخ محمد خیرالزماں لکھنوی (1249ھ/1833ء) بن محمد وجیہہ الدین اعظمی نقوی ملا

صاحب مذکور کے احفاد میں ہیں انھوں نے اپنے تذکروں کی بنیاد بعض خاندانی بیاضوں اور آبائی شجروں پر رکھی ہے "باغ بہار" کے تین نسخے راقمہ کے علم میں ہیں اول الذکر نسخہ کتب خانہ انوریہ خانقاہ کاظمیہ قلندریہ کاکوری میں ہے دوسرا فرنگی محل لکھنؤ میں ابوالاحیا مولانا محمد نعیم انصاری فرنگی محلی (1318ھ/ 1901ء) کے کتب خانہ میں موجود ہے - تیسرا نسخہ شعبہ فزیالوجی میڈیکل کالج مسلم یونیورسٹی کے سابق صدر ڈاکٹر سید وجیہہ الحسن صاحب مرحوم کی ملک تھا - اول الذکر دونوں نسخے کسی جاہل کاتب کے مرہون منت ہیں -

ملا سید عبدالسلام اعظمی دیوی شاہ جہانی عہد کی سر برآوردہ علمی شخصیاتوں میں تھے آبائی وطن دیوہ بارہ بنکی تھا نانہیال کاکوری (ضلع لکھنؤ) تھا چنانچہ اپنے نانا حضرت مخدوم ملا عبدالکریم علوی (1039ھ /1629ء) نبیرہ حضرت مخدوم قاری شیخ نظام الدین بھکاری (981ھ/1574ء) کے پاس رہ کر تمام تعلیم و تربیت حاصل کی بعد ازاں لاہور جاکر ملا عبدالسلام لاہوری (1037ھ/ 1627ء) سے اکتساب کیا -

ملا عبدالسلام کا سلسلہ نسب یہ ہے -

ملا سید عبدالسلام ابن مولوی ابو سعید ابن مولوی محب اللہ (برخوردار) ابن مولوی عبدالرحیم فیاض ابن مولوی احمد فیاض ابن حضرت مخدوم شیخ اعظم ثانی لکھنوی ابن شاہ ابوالبقاؑ ابن محمد موسی ابن شاہ ضیاؑ الدین ابن شاہ شجاع کرمانی ابن امیر مبارز الدین ابن امیر مظفر ابن خواجہ غیاث الدین ابن امیر محمود ابن امیر علی ابن امیر احمد علی ابن امیر جعفر ابن امیرعبداللہ ابن سید علی اصغر ابن امام محمد تقی - ابن امام موسی رضا - ابن امام موسی کاظم ابن امام جعفر صادق - ابن امام محمد باقر - ابن امام زین العابدین ابن

امام حسین ابن حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ ۔(14)

ملا عبد السلام دیوی اپنے استاد ملا عبد السلام لاہوری (1037ھ/1627ء) سے بقیہ علوم کی تکمیل کرکے ان کے نقش ثانی بنے مآثر الکرام کے مولف نے اس کی صراحت اس طرح کی ہے کہ ــــ

"چنانچہ اتحاد اسمی متحقق بود نسبت فضیلت نیز رتبہ مساوات بہم رساند ۔" (15)

ہمنام ہونا تو ثابت ہے ہی بلکہ فضیلت کی نسبت اور مساوات کا مرتبہ بھی ایک تھا ۔ استاد کی وفات کے بعد ان کے قائم کردہ مدرسہ میں ان کی جگہ مدرس بھی رہے ان کے بارے میں مولانا شاہ محمد علی حیدر کاکوروی اپنی شہرہ آفاق تصنیف تذکرہ مشاہیر کاکوروی میں یوں رقمطراز ہیں ــــ

"شاہ جہاں بادشاہ کے عہد میں یہ اسی مدرسہ میں اپنے استاد کی جگہ پر مدرس بھی رہے اکثر علماء ہندوستان مثل عبد الحلیم والد ملا قطب الدین شہید سیالوی و ملا دانیال چوراسی و ملا عبد القادر فاروقی (جو بہت بڑے عالم اور استاد اساتذہ ہند تھے) ان کے ارشد تلامذہ میں سے تھے ۔" (16)

ملا صاحب عہد شاہ جہانی میں کچھ روز دہلی کے قاضی بھی رہے اس کے بعد شاہ جہاں (1037ھ/1627ء ــ 1068ھ/1658ء) کے مفتی لشکر ہوئے

---

(14) باغ بہار (قلمی) کتب خانہ انوریہ کاکوروی بحوالہ اودھ کے چند عربی علما ص 15

(15) ماثرالکرام ۔ غلام علی آزاد بلگرامی 1-6 - 235

(16) تذکرہ مشاہیر کاکوری ۔ مولانا محمد علی حیدر کاکوروی ص 253

بادشاہ نامہ کے مولف لکھتے ہیں ـــــ

"چندی بہ دانش آموزی متلمذہ گذرانیدہ از اسعاد بخت بیدار خود را بآستان خواقین مکان رسانید و در سلک ملا زمان درگاہ خلائق پناہ در آمدہ لختی بخدمت عسکر فیروزی قیام می نمود اکنوں از فزونئ سال کہ باعث اختلال حواس و الخلال اعضاست حسب الحکم دست ازاں باز داشتہ دارد وی گیہان پوی بہ درس متداولات و رعای دولت ابدی سمات اشتغال دارد ۔" (17)

"عمل صالح" سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ آخیر وقت تک انھوں نے درس و افادہ میں اپنے کو مشغول رکھا (18)

ملا صاحب اپنے فضل و کمال اور بتحر نیز استغنا کی بنا پر کبھی جلالت شاہی سے مرعوب نہ ہوتے ۔ برسر دربار جو حق بات کہنے کو نہ بھی ہوتی وہ بھی کہہ جاتے اور اس معاملہ میں کسی کی رو رعایت نہ کرتے۔ باغ بہار کے مولف نے اس سلسلہ میں چند واقعات درج کئے ہیں وہ ملا صاحب موصوف کے حالات لکھتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ ـــــ

"در عہد خویش نظیر نہ داشت شاہجہاں بادشاہ بہ سبب اوستادیش و بتجر علوم بسیار اکرام اومی کرد و نزد خود می نشاند سند افتاہے اردوئے معلی بنام ملا بود چنانچہ تا عرصہ مستد مذکور از و تعلق می داشت بحسب اتفاق روزی

---

(17) بادشاہ نامہ ۔ عبدالحمید لاہوری کلکتہ 1868ء ص 343 - 342

(18) عمل صالح ۔ محمد صالح کنبوہ لاہوری ص 3 - 300

بادشاه بنابر ملاحظه قلعه شاهجهان آباد وقت تعمیرش بر
فصیل آن بود ملا راجز حاضر شدن و آنجا عذرے مناسب
حال نگردید از آنجا که بر مشی دیوار ربط نه داشت
پایش لغزش می کرد بادشاه فرمود که اے ملا از مرگ این
قدر می ترسی که بر دیوار رفتن نمی توانی گفت چه گونه
نترسم چرا که مثل من هزار سال چرخ اگر چرخ زند دیگر
پیدا نه شود و مانند حضرت بادشاه بسیار ممکن اند بادشاه
را بد نه گذشت بلکه تبسم فرمود ۔"

ایک دوسری جگه ملا صاحب کی جسارت مزاج کے تیکھے پن اور حق گوئی کا
بیان اس طرح کرتے هیں ـــ

"وقتے دارا شکوه ولی عهد به حضور عرض نمود که حضرت
ظل الله و خلیفه رسول الله اند بر اقاصی و ادانی لازم
ست که رتبه به لحاظ داشته پایه خود شناخته باشند
چنانچه جمیع بندگان حضور اقدس بیرون از آداب نیستند
مگر ملا عبدالسلام که باوجود خبر از نص و حدیث شوکت
سلطنت را قوت نمی دهد و معنی اطیعوا الله و اطیعوا الرسول الخ
را خوب می داند و عمل نمی کند بادشاه فرمود که هرگاه
ملا در حضور حاضر شود معنی آیه مذکوره از و سپر سید
و ملزم کیند ۔ دارا شکوه وقتے که ملا حاضر شد معنی آیه
سپر سید ۔ ملا گفت ظاهر است که اطاعت کیند الله ورسول
اور نائبا نشی را ۔ دارا شکوه گفت نائب عبارت از کدام

شخص است ملا گفت که از مانند ما نائب رسول اند که
خلق را بر راه دین می آرند پس بادشاه را لازم است
که مطیع من باشند دارا شکوه خاموش ماند و بادشاه
متبسم گردیده فرمود بابا شنیدی جواب ملا ازیں گفتگو
خاطر ملا عبد السلام قیاس باید کرد ۔"

ترجمہ ـــــ شاہ جہاں کے ولی عہد دارا شکوہ نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ بادشاہ سلامت سایۂ الٰہی اور خلیفۂ رسول ہیں ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ آپ کے مرتبہ و منزلت کو پہچان کر آپ کی تعظیم و تکریم بجا لائے اس بناء پر حضور عالی کے تمام ظاہر آداب شاہی سے مطلق رو گردانی نہیں کرتے مگر ملا عبد السلام جو قرآن وحدیث سے پوری طرح باخبر ہیں اس امر کی پرواہ نہیں کرتے حالانکہ و اطیعوا اللّٰہ و الطیعوالرسول الخ (اللّٰہ اور اس کےرسولؐ اور تم میں جو صاحبان اقتدار (اولی الامر) ہوں ان کی فرمانبرداری کرو) کے معنی و مفہوم خوب جانتے ہیں مگر (پھر بھی اس پر) عمل نہیں کرتے بادشاہ نے فرمایا جب ملا صاحب آئیں تو ان سے اس آیت کے معنی پوچھنا (تب) ان کو ملزم ٹھہرانا ۔ دارا شکوہ نے جب ملا صاحب دربار میں موجود تھے اس آیت کے معنی ان سے پوچھے ملا صاحب نے جواب دیا کہ ظاہر ہے اللّٰہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور ان کیجو ان کے جانشین ہوں داراشکوہ نے (پھر) پوچھا کہ نائبین کا اطلاق کن پر ہوتا ہے ملا صاحب نے جواب دیا کہ ہمارے جیسے (علماء حق) نائبین رسولؐ ہیں جو مخلوق کو دین حق کی راہ پر چلاتے ہیں اس وجہ سے بادشاہ پھر لازم ہے کہ ہماری اطاعت کرے دارا شکوہ خاموش ہوگئے اور شاہ جہاں مسکرادیئے اور کہا بیٹا ! ملا صاحب کا جواب سن لیا۔ اس گفتگو سے ملا صاحب کی شخصیت و مزاج کا صحیح اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

"طبقات شاہ جہانی" جو ملا صاحب موصوف کی حیات میں مرتب کی گئی اس سے بھی یہ پتہ چلتا ہے کہ شاہ جہاں نے ان کو اردوئے معلی کے افتا کی خدمت تفویض کی تھی دھلی کے قیام کے دوران انھوں نے حضرت خواجہ محمد باقی باللہ (1012ھ/1603ء) کی خدمت میں بھی حاضری دی اور ان سے فیوض و برکات کا اکتساب کیا ۔ مناظرہ و مباحثہ اور فروعات کے جھگڑوں میں پڑنے سے کوئی واسطہ نہ تھا ۔ مؤلف طبقات شاہ جہانی لکھتے ہیں ـــ

ـــ "از ملایان و دانایان مشہور ہندوستان است و در علم فقہ و اصول و معانی و بیان قدرتے عجیب دارد گویند در اصول فقہ تصنیفے کردہ کہ باطلویح دم در مسادات می‌برند پادشاہ دین پناہ حضرت صاحبقراں ثانی را آمدہ ملازمت نمود روش و طریق وے پسندید خاطر اقدس افتاد ۔ امر فتوی اردوئے معلی را بہ دے تفویض نمود درویش مولوی درویشانہ افتادہ مثل طالب علمان بہ بحث وجدال کارے ندارد چوں از تحصیل فارغ شد چندے بہ ملازمت قطب وقت حضرت خواجہ محمد باقی بودہ ہمانا ایں معنی از برکت آں صحبت تحصیل کردہ عمرش باد (19)

وفـــــات ـــ

ملا صاحب کی ولادت و وفات کے سنن کا پتہ بھی کسی تذکرہ سے اب تک محقق نہ ہوسکا وفات کے سلسلہ میں تذکرہ نگاروں کے درمیان کافی اختلاف پایا جاتا ہے ۔

سید عبدالحی رائے بریلوی نے "نزہتہ الخواطر" میں "الاکسیر" کے حوالے سے لکھا ہے ۔

(19) طبقات شاہجہانی ۔ محمد صادق ہمدانی بحوالہ اودھ کے چند عربی علما ص 24-25

"قال الصوفی فی "الاکسیر . ازمات فی سنته تسع" و
ثلاثین الف"

لیکن اس کے بعد لکھتے ھیں ـــ

"وہذا الاصحّ لانه کان حیّا سنته سبع و اربعین کما یظہر
من بادشاہ نامه" (20)

"عمل صالح" مولّفه محمد صالح کنبوہ لاھوری کا سن تکمیل 1070ھ/ 1659ء
اس کے مولّف ملا صاحب کے حال میں لکھتے ھیں ـــ

"آخر کار در دقت موعو درخت ھستی بر بست ۔" (21)

ترجمہ ـــ بالآخر وقت مقررہ پر زندگی کے سامان کو لپیٹ دیا ۔ (وفات پائی) ۔ مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی مرحوم نے اپنے مقالہ "ملا قطب الدین شہید" میں ملا عبدالسلام موصوف کی وفات کے سن کی تحقیق میں چند باتیں درج فرمائی ھیں انھوں نے مولانا محمد نعیم فرنگی محلی (1318ھ/ 1900ء) کی بیاض کے حوالہ سے لکھا ھے کہ ملا عبدالسلام دیوی کا سال وفات افضل العلماء سے نکلتا ھے (1082ھ/ 1671ء) اور دوسرا مادہ تاریخ علماء امتی کا بنیاد بنی اسرائیل ھے ۔

خلاصہ یہ کہ ملا عبدالسلام دیوی شاہ جہاں کے عہد (1068ھ / 1658ء) تک بقید حیات تھے ۔ عمل صالح کی تکمیل (1070ھ /1659ء) کے وقت ان کی وفات ھو چکی تھی اس کا مطلب یہ ھوا کہ ان کی وفات اپنی دو برسوں میں کسی سال میں ھوئی مزار شریف قصبہ دیوہ ضلع بارہ بنکی میں ھے۔

---

(20) نزھتہ الخواطر ۔ عبدالحیٔ رائے بریلوی ۔ ج 5 ص 223
(21) عمل صالح ۔ محمد صالح کنبوہ ج 3 ص 30

خاندان ـــ

ملا عبدالسلام دیوی کے چار بھائی تھے ملا صاحب کے چار بیٹے اور ایک بیٹی متولد ہوئے ۔ بیٹوں میں ملا ضیاءالدین ملا عبدالوالی ملا عبدالباقی اور ملا ابوالمعالی میں اول الذکر تینوں سے اولادیں ہوئیں جنھوں نے فضل و کمال میں شہرت حاصل کی ان کے چاروں صاحبزادے علم و فضل میں اپنے والد کے نقش ثانی تھے ۔

تصانیف ـــ

ملا عبدالسلام کو اللہ تعالی نے تخلیقی و انتظامی صلاحیت سے نوازا تھا ان کی علمی شخصیت اجاگر کرتے ہوئے مناظر احسن گیلانی نے لکھا ہے ـــ

"مولنا عبدالسلام لاہوری کے شاگردوں میں جس شخص نے نمایاں امتیاز حاصل کیا عجب اتفاق ہے کہ ان کا نام بھی عبدالسلام ہی ہے فرق یہ ہے کہ استاد عبدالسلام لاہوری اور شاگرد ملا عبدالسلام اودھ کے مشہور مردم خیز قصبہ دیوہ کے تھے گو آخر عمران کی بھی لاہور میں گزری اب توخیران بیماروں کا تذکرہ کرتا ہے لیکن درس کے قدیم حلقوں میں ملا عبدالسلام دیوی کا نام بڑے احترام سے لیا جاتا ہے ۔ "توضیح و تلویح" اور "بیضاوی" پر ان کے معرکتہ الآرا حواشی ہیں خصوصاً تلویح کا حاشیہ تو سمجھا جاتا ہے کہ اپنی نظیر نہیں رکھتا ۔" (22)

---

(22) ہندوستان میں نظام تعلیم و تربیت ۔ مناظر احسن گیلانی 1 - 300

"تذکرہ مشاہیر کاکوروی" میں ان کی تصنیفات کے بارے میں یوں خیال آرائی کی گئی ہے ـــ

"ملا صاحب کی تصنیفات میں " کتاب النشر احات العالیہ ہے جو اپنے صاحبزادہ شاہ ابوالمعالی کے لئے ان کے درس زمانہ میں فن حکمت و منطق میں تصنیف فرمائی .... اس کے علاوہ تہذیب المنطق اور منار الاصول کی شرحیں بھی ان کے مصنفات سے ہیں ۔" (23)

1 - النشراحات العالیہ ـــ

" المنار" اصول فقہ کا مشہور متن ہے اس کے مصنف امام ابوالبرکات عبداللہ بن احمد معروف بہ حافظ الدین نسفی (710ھ / 1310ء) ہیں مصنف نے بھی اپنے اس عمدہ متن کی شرح "کشف الاسرار" کے نام سے کی تھی ۔ ہندوستان میں منار کی سب سے پہلی شرح غالباً مولانا سید یوسف بن جمال حسینی مدرس مدرسہ فیروز شاہی کی توجیہہ الافکار ہے ۔ جن میں بکثرت علماً فضلا نے اس متن کی شرح اپنے اپنے انداز میں کی ہے ۔ ان میں سعد الدین ابوالفضائل دہلوی (891ھ / 1486ء) کی " افاضتہ الانوار فی اضاءتہ اصول المنار" ۔ناصر الدین ابن الربوتہ دمشقی (764ھ/ 1363ء) کی "قرص الاسرار شیخ شجاع الدین ہبتہ اللہ شوکتانی (733ھ) کی شہصرتہ الاسرار فی شرح المنار شیخ جمال الدین یوسف کی " اقتباس الانوار" جلال الدین ابن احمد رومی فقیہہ حنفی (792ھ/ 1290ء) کی شرح ہیں ۔ ہندوستان میں ملا احمد

---

(23) تذکرہ مشاہیر کاکوروی ۔ مولانا محمد علی حیدر کاکوروی ص 254

جیون امیٹھوی (1130ھ/ 1708ء) کی شرح نور الانوار درس نظامی میں داخل رہی ہے -

الانشراحات العالیہ "یا" شرح علی المنار" کے میرے علم میں اب تک دو نسخے آئے ہیں اول الذکر کو کتب خانہ انوریہ خانقاہ کاظمیہ قلندریہ کاکوروی میں محفوظ ہے اور دوسرا خدا بخش لائبریری پٹنہ کے ذخیرہ مخطوطات (ایچ - ایل 740) میں موجود ہے موخد الذکر نسخہ ناقص الاول ہے خانقاہ کاظمیہ کا نسخہ مکمل ہے متوسط تقطیع میں پانچ سو آٹھ صفحات پر مشتمل ہے نستعلیق و خفی ہے حمد و ثنا کے بعد اس کی ابتدا یوں ہے -

الحمد اللہ الذی دل علی وجودہ بتکوین المخلوقات مع خطاب کمن القدیم وخص من بینھما الانسان بالدلالتہ علیہ بافعالہ و اقوالہ بلطفہ العمیم حتی صار مثل نوراللہ فی اظھار احوال العلویات والسفلیات و الجسمانیات و الروحانیات

بعد ازاں منارالاصول کی شرح کے سلسلے میں تمہیدی کلمات کے بعد ان سطور کو لکھنے کے داعی نے اپنے مرحوم بیٹے ابوالمعالی کا تذکرہ کیا ہے کتاب پر جابجا مفید حواشی ہیں اور منار کی مختصر عبارتوں کو لکھنے کے بعد ان کی تفصیل و تشریح اور تفسیر کی ہے -

دونوں نسخوں میں تشرقیمہ کی عبارت میں سن کتابت درج نہیں ہے -

خدابخش لائبریری کے نسخے کا خط کافی جلی ہے اس کی ابتدا اس طرح ہے -

اعلم ان اللہ سبحانہ و تعالی صفات ثمانیتہ قدیمتہ الحیوٰتہ والقدرتہ و الارادتہ والسمع والبصیر و العلم و الکلام و التکوین

اثبته قوم من علماء ماوراء النهر و فی بعض الکتب اثبته الحنیفه وهی لیست عین الذات ولا غیرها . الخ

2 - شرح تهذیب المنطق و الکلام ـــ

علامه سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی (792ھ / 1391ء) نے 789ھ / 1387ء میں اپنے بیٹے کے لئے منطق و کلام میں ایک اهم متن "تهذیب المنطق و الکلام" کے نام سے مرتب کرکے دو اقسام پر منقسم کیا - ان کی اس تصنیف کو بڑی شہرت حاصل هوئی - چنانچه مدرسین کے حلقه درس میں داخل هوگئی علامه جلال الدین محمد بن اسعد صدیقی دوانی (907ھ/ 1501ء) نے اس کی شرح لکھی جو باوجود ناتمام رہ جانے کے بہت مشہور و متداول هوئی پھر امیر ابوالفتح سعیدی (950ھ/ 1543ء) نے اس پر ایک حاشیه لکھا اور دوانی کے کلام پر تکمله کیا - شیخ مصلح الدین لاری (980ھ/ 1572ء) نے بھی اس پر ایک حاشیه لکھا تھا فاضل حسین خلخالی (1030ھ/1621ء) بھی اس کے محشیوں میں سے هیں - تهذیب شروح میں شیخ الاسلام احمد بن محمد (906ھ/ 1500ء) کی شرح التهذیب زین العابدین عبدالرحمن بن ابی بکر معروف به عینی (893ھ/1488ء) کی "جهد المقل" اور مظفر الدین علی بن محمد شیرازی (992ھ / 1584ء) نیز ملا عبداللہ ایزدی کی شروح مشہور هیں -

ملا عبدالسلام دیوی نے اسی "تهذیب المنطق و الکلام" کی شرح اپنے انداز میں کی - راقمه کی نظر سے اس کا صرف ایک نسخه مسلم یونیورسٹی علی گڑھ لائبریری کے ذخیرہ حبیب گنج کلکشن 40/18 میں محفوظ هے- یه نسخه 100 اوراق پر مشتمل خط نستعلیق میں متوسط تقطیع پر هے - ابتداء میں وجه

تالیف وغیرہ کا بیان نہیں ہے بلکہ براہ راست بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد تہذیب المنطق کے عبارات کو لکھ لکھ کر تشریح و تفسیر کی ہے اور اس ضمن میں متقدمین کے اقوال بھی بعض جگہ درج کئے گئے ہیں ۔

مذکورہ بالا نسخوں کی طرح اس میں بھی ترقیمہ کی عبارت میں کسی سن کتابت یا سن تصنیف کا پتہ نہیں چلتا ہے البتہ خاتمہ پر اسقدر عبارت ہے ــــ

" اللّٰھم اجعلنا علیین بالاسم معرضین عن الفضول بالقول من العمل و اعصمنا من الخطاع و الخطل تمت شرح التھذیب صفہ الحبر الکامل عبدالسلام الدیوی اللعظمی یوم الجمعتہ قبل صلوتھا ۔ فالحمد للّٰہ اولہ و اٰخرہ ۔" (24)

ــــ • ــــ

3 - شیخ عبدالحق محدث دھلوی (958ھ/ 1551ء تا 1054ھ/ 1642ء)

اکبر کے آخری عہد میں ایک ممتاز شخصیت عالم وجود میں آئی جس نے عہد جہانگیری میں اپنی علمی صلاحیت کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل کی اور دھلی کو علوم دینیہ کا دارالسلطنت بنادیا یہ شخصیت شیخ عبدالحق دھلوی کی ذات با برکات تھی وہ شمالی ھندوستان کے پہلے بڑے عالم تھے جنھوں نے اکبر کی فتح گجرات کے بعد حجاز کے سمندری راستوں کے کھل جانے کا پورا فائدہ اٹھایا وہ برصغیر کے عظیم الشان فقیہہ جلیل القدر عالم دین اور فقید المثال محدث تھے ۔ علوم و فنون کی تمام شاخوں پر کامل عبور تھا اگرچہ

(24) مسعود انور علوی کاکوروی ۔ اودھ کے چند عربی علماء ص 32 - 33

ہندوستان میں ان سے قبل متعدد محدثین کے تذکرے ملتے ہیں جنھوں نے ہندوستان میں علم حدیث کی اشاعت کی البتہ یہ وہ شخص ہیں جنھوں نے ہندوستان میں رہ کر حدیث کے سربمہر خزانے کو وقف عام کیا ۔ اور اپنی محققانہ تصانیف کے ذریعہ علماً ظاہر و باطن کی محفلوں سے داد تحسین حاصل کی ۔ سید عبدالحیٔ حسنی نے تاریخی حقائق کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کو ہندوستان میں علم حدیث کی خدمت انجام دینے والا پہلا شخص قرار دیا ہے وہ لکھتے ہیں ـــ

" الشیخ عبدالحق بن سیف الدین سعد اللّٰہ البخاری الدھلوی المحدث المشھور اول من نشر علم الحدیث بارض الھند تصنیفاً و تدریساً " ۔(25)

شیخ نے ہندوستان میں ایک دینی تحریک کا آغاز کیا تاکہ مسلمانوں کے بکھرے ہوئے شیرازے کو یکجا کیا جاسکے اسی لئے انھوں نے اپنی تصنیفات کے دایرہ کو قرآن و سنت تک محدود رکھا اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے اکبری عہد میں ملحدانہ فضا کو بہت قریب سے دیکھا تھا ۔ عہد جہانگیری میں یہ فضا کلی طور پر ختم نہیں ہوئی تھی بلکہ دنیا پرستی کی لعنت نے ہندو ہندوستانی مسلمانوں کے عزم اور راستی کی روح کو مردہ کر رکھا تھا ایسی حالت میں عوام کو قرآن و سنت کے ذریعہ ہی راہ مل سکتی تھی اس کو مد نظر رکھتے ہوئے شیخ نے احیاً علوم دینیہ اور ترویج شریعت کو اپنا اصل مقصد بناکر اپنی علمی تحریک کا آغاز کیا اور اپنی پوری زندگی اسی کارخیر کے لئے وقف کردی ۔ انھوں نے اپنی تصانیف کے ذریعہ عربی نثر میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا اور

---

(25) نزھتہ الخواطر ۔ سید عبدالحئی الحسنی ج 5 ص 201

"لمحات التنقیح علی مشکوته المصابیح" ماثبت بالسنّه فی ایام السنته- تحقیق الاشاره - کتاب اسماء الرجال- مشکوته المصابیح اور الدرته البهیته کے ذریعه نه صرف هندوستان میں علم و حدیث کو عام کیا اور مسلم سماج سے الحاد و زندقه کو ختم کیا بلکه عربی ادب کی غیر معمولی خدمت انجام دی اورهندستان میں عربی نثر کو ترقی کی ایک نئی منزل سے روشناس کرایا -

ابتدائی حالات

شیخ کے آبا و اجداد بخارا کے رهنے والے تھے سلطان علاءالدین خلجی کے عهد حکومت میں هندوستان آئے اور معزز فوجی عهده پر مامور هوئے وه نسلاً ترک تھے - ان کے دادا شیخ سعداللّه کی زیاده توجه سلوک و طریقت کی طرف رهی - وه شاه جلال الدین گجراتی کے مریدوں میں سے تھے اور اپنے زمانے کے کامل شیخ تھے - ان کے بیٹوں شیخ رزق الله اور شیخ سیف الدین کو بھی یهی ذوق وراثت میں ملا تھا - والد کے انتقال کے وقت شیخ سیف الدین کی عمر صرف آٹھ سال تھی وفات سے قبل والد ماجد نے آپ کے لئے دعا فرمائی تھی که ایک لڑکے کی تعلیم و تربیت سے تو فارغ هو چکا هوں مگر اس کو یتیم و بےکس چھوڑ رها هوں اس کو تیرے سپرد کرتا هوں تو هی اس کی تربیت و حفاظت فرما - چنانچه یهی لخت جگر بعد میں دهلی کا با وقعت اور با عزت انسان بنا اور اسی گھر میں وه آفتاب طلوع هوا جس نے ساری فضائے علم کو منور کیا اور جو عبدالحق محدث کے نام سے جانے گئے - شیخ کی پیدائش اسلام شاه سوری کے عهد میں محرم 958ھ میں دهلی میں هوئی -(26) یه وه زمانه تھا جب سید محمد جونپوری کی مهدوی تحریک زوروں پر

---

(26) محمد اسحاق بھٹی - فقهائے هند - ج 4 ص 214

تھی اور علمائے دین ان کے مذھبی افکار و تصورات کے بارے میں مختلف الخیال تھے مولوی رحمان علی تذکرہ علمائے ھند میں ان کی ولادت میں لکھتے ھیں ا ـــ

"وہ ماہ محرم 958ھ/1551ء میں پیدا ھوئے - ان کی ولادت کی تاریخ شیخ الاولیا' ھے۔" (27)

شیخ عبدالحق کی ابتدائی تعلیم و تربیت اور ذھنی نشوونما اپنے والد شیخ سیف الدین کی آغوش میں ھوئی انھوں نے ابتدا ھی میں قرآن پاک ختم کرنے کے بعد میزان الصرف صبلح اور کافیہ تک کتابیں پڑھائیں - شیخ کی ذھانت اور قابلیت کے جوھر عالم طفولیت میں ھی نمایاں ھوئے ـــ

"ابتدائی تعلیم ان کے والد ماجد نے دی اور ابتدا ھی میں قرآن پاک شروع کرایا وہ بھی نئے انداز سے شیخ نے ابھی قواعد تہجی بھی نہ سیکھے تھے کہ ان کے والد ماجد نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ قرآن پاک کی کچھ سُورتیں لکھ کر ان کو یاد کرنے کے لئے دیا کرتے تھے اسی طرح دو تین مہینہ میں قرآن پاک مکمل ھوگیا۔" (28)

شیخ سیف الدین نے تمام توجہ بیٹے کی تعلیم و تربیت پر مرکوز کردی کہ جلد سے جلد ان کا بیٹا عالم دین ھو جائے اور علم و فضل میں درجہ کمال کو پہنچے شیخ ایک تو خود نہایت ذھین تھے دوسرے والد کے ھر وقت طلب علم کا شوق دلاتے - ان کے والد نے ابتدائی تعلیم کے سلسلہ میں کسی مخصوص

---

(27) رحمان علی - تذکرہ علمائے ھند - 276

(28) خلیق احمد نظامی - حیات شیخ عبدالحق 79

نصاب کو اختیار نہ کیا بلکہ صرف ذہنی و علمی صلاحیت کو اجاگر کرنا اور علمی بنیاد کو مضبوط کرنا ہی پیش نظر رکھا ۔ بارہ تیرہ سال کی عمر میں انھوں نے شرح عقائد اور شرح شمسیہ پڑھ لی تھی ۔ اس کے بعد مختصر اور مطول کی تعلیم سے تقریباً اٹھارہ سال کی عمر میں فارغ ہوگئے یعنی اٹھارہ انیس سال کی عمر میں انھیں علوم عقلی و نقلی پر عبور حاصل تھا ۔ اور خط و کتابت اور انشاء پردازی میں بھی مہارت پیدا کرلی تھی ان کے دیگر اساتذہ میں استاد محمد نعیم اور مدرسہ دھلی کے دیگر اساتذہ قابل ذکر ہیں انھوں نے چھوٹی سی عمر میں ہی تکمیل علم کے مراحل طے کرنے کے بعد 20 سال کی عمر میں ہی درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا ۔ لیکن جیسا کہ "بادشاہ نامہ" میں عبدالحمید للھوری نے اور "شاہ جہاں نامہ" میں محمد صالح کنبوہ نے بیان کیا ہے کہ ہنگامہ تدریس کا یہ دور بہت مختصر ہے اور وہ جلد ہی حجاز مقدس روانہ ہوگئے ۔ اس زمانہ میں ہندوستان پر مغل حکمراں اکبر داد حکمرانی دیتا تھا اور یہاں کی دینی فضا پر تکدرکی وسیع چادر تنی ہوئی تھی علمائے سوئے اکبر کے دل میں اسلامی امور اور دینی احکام کے خلاف نفرت و عناد کی افسوس ناک کیفیت پیدا کردی تھی جس کی وجہ سے اس سر زمین پر کسی صحیح العقیدہ عالم دین کا قیام ممکن نہیں تھا ۔ شیخ بھی ان حالات سے متاثر ہوئے اور ترک وطن پر مجبور ہوگئے چنانچہ 996ھ/ 8-1587ء میں حجاز پہنچے اور 999ء تک وہاں قیام کیا (29)

دینی اعتبار سے اکبری دور کے ہندوستان کے حالات شیخ عبدالحق اور دیگر اصحاب تقوی کے لئے نہایت ناسازگار اور تکلیف دہ تھے اور ان کے لئے اب یہاں ٹھہرنا ناممکن تھا ۔ ہندوستان کے نامور مؤرخ جناب خلیق احمد

---

(29) معارف ۔ مارچ 1992ء دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ ص 182

نظامی لکھتے ھیں ـــ

"ابوالفضل اور فیضی نے اس دینی انتشار واپتری کی رھبری کی شیخ عبدالحق کے فیضی سے ذاتی تعلقات تھے دربار کے یہ حالات دیکھ کر ان کی طبیعت گھبرا اٹھی اگر زمانہ سازی پر ان کی طبیعت ذرا بھی راضی ھو جاتی تو دولت و ثروت عزت و حشمت ان کے قدم چومتی لیکن ان کامذھبی شعور بیدار تھا ۔ اور وہ کسی قیمت پر اپنے ضمیر کی آواز کو دبانے کے لئے تیار نہ تھے اکبر کا سیاسی اقتدار اس منزل پر پہنچ چکا تھا جہاں مخالف تحریکوں کا نشوونما پانا ناممکن تھا ۔ ان حالات میں ترک وطن کے علاوہ کوئی چارہ کار ھی سمجھ میں نہ آیا اور انھوں نے غیرت دینی سے مجبور ھوکر حجاز کی راہ لی ۔" (30)

حجاز میں انھوں نے پورا وقت شیخ عبدالوھاب کی خدمت میں گذارا اور مشکوتہ کا درس انھیں سے لیا ۔ شیخ عبدالوھاب نے اپنے علم حدیث کا بیشتر حصہ جس کی وجہ سے وہ مصر و عرب کی علمی مجلس میں مشھور تھے شیخ عبدالحق کو عنایت فرمایا انھوں نے حدیث۔تصوف۔ فقہ حنفی ۔ حقوق العباد ان چاروں کی اعلی تعلیم ان سے حاصل کی جب کہ مکہ معظمہ میں انھوں نے شیخ عبدالوھاب متقی کے فیض صحبت میں تمام ظاھری و باطنی علوم کی منزلیں طے کرلیں تو واپس ھندوستان جانے کا حکم ھوا لیکن شیخ ھندوستان کے دینی و مذھبی حالات سے سخت دل برداشتہ تھے مگر استاد کے پیہم اصرار پر بالآخر شعبان

---

(1) خلیق احمد نظامی ۔ حیات شیخ عبدالحق دھلوی ص 95

999ھ کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی قبر پر دعا کے لئیے طائف گئے پھر مکہ میں استاد محترم شیخ عبدالوھاب کی خدمت میں رمضان کے آخر تک حاضر رہ کر شوال میں عازم سفر ھوئے اور 1000ھ کو واپس ھندوستان آئے اور اب چونکہ وہ علوم دینی کے سرمایہ سے پوری طرح بہرہ ور تھے اور ملک میں اسلام کی محافظت اور رواج پذیر گمراھیوں کے سدباب کے لئے جس ساز وسامان کی ضرورت تھی وہ ان کے پاس موجود تھا ۔ چنانچہ انھوں نے دھلی میں ھی مسند درس و ارشاد بچھائی ۔ اور ھندوستان میں قرآن و حدیث کی تعلیم کا یہ پہلا مدرسہ تھا اور ساتھ ھی وہ تصنیف و تالیف میں بھی سرگرم عمل ھوگئے ۔

اس کے علاوہ حجاز مقدس سے واپسی پر وہ خواجہ محمد باقی باللہ نقشبندی کی خدمت میں حاضر ھوئے اور ان کے دستِ حق پر بیعت کی اور ان کے دامن تربیت سے وابستہ ھوکر بہت کچھ حاصل کیا ۔ کتاب المکاتیب والرسائل میں خواجہ صاحب کے نام جو خطوط لکھے ان کا تذکرہ کیا ھے ۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دھلوی حجاز سے واپسی پر جو اپنے ساتھ علوم کا خزینہ لائے تھے اس کی اشاعت میں دل و جان سے مشغول ھو گئے بالخصوص علم حدیث کی اشاعت و تدریس میں ایسے منہمک ھوئے کہ پورے ملک میں ان کا ھی سلسلہ تعلیم عام ھوگیا ۔

عہد اکبری میں جو دین و مذھب کا حال ھوا اس سے دیگر اصحاب دل کی طرح شیخ کا دل بھی سخت مغموم تھا لیکن جب زمام اقتدار جہانگیر کے ھاتھ میں آئی تو حالات خود بخود رو بہ اصلاح ھوگئے اور ارباب حکومت میں ایک خوشگوار ذھنی و فکری تبدیلی آگئی خود جہانگیر نے اپنے باپ کے

افکار و خیالات سے کنارہ کشی اختیار کرلی تھی چنانچہ شیخ محدث نے خیر خواہانہ جذبات کی وجہ سے جو فرائض بادشاہ وقت پر شرعاً عائد ہوتے ہیں ان سے اسے آگاہ کرنا چاہا چنانچہ "نورالہند سلطانیہ" کے نام سے ایک رسالہ تصنیف کرکے روانہ کیا ۔ بہرحال اب ان کے نزدیک فرمانروایان ہند کو صحیح دینی تعلیم سے روشناس کرانے کا وقت آگیا تھا لہذا انھوں نے جہانگیر سے میل جول رکھنے اور تعلقات استوار کرنے کا فیصلہ کیا ۔ بہت سی کتابوں میں ان کے جہانگیر سے روابط اور ملاقاتوں کا تذکرہ ملتا ہے ۔ محمد اسحاق بھٹی فقہائے ہند میں لکھتے ہیں ـــ

"جہانگیر بادشاہ شیخ کو بڑی قدر منزلت کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور ان کے علم و فضل اور زہد و ورع سے بہت متاثر تھا ۔ شیخ بھی اس کے اس جذبے اور اخلاص کی بےحد قدر کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ وہ ایک مرتبہ دربار میں اس سے ملاقات کے لئے بھی گئے جہانگیر اس دور میں شیخ کے علم و فضل تصوف اور طریقت اور توکل و تجرید سے بہت متاثر تھا ۔ اس نے ان کو ایک گاؤں بھی بطور جاگیر پیش کیا شیخ نے پہلے تو یہ گاؤں قبول کرنے سے انکار کردیا مگر جب بادشاہ کا اصرار زیادہ بڑھا تو قبول فرمالیا ۔" (31)

شیخ عبدالحق محدث دھلوی کے حالات بیان کرتے ہوئے جناب خلیق احمد نظامی نے ان کے مکان مدرسہ اور کتب خانے کے بارےمیں لکھا ہے دھلی میں جو ان کا مولد و مدفن ہے وھیں دھلی دروازے سے آگے ایک باغ مہدیاں

---

(31) محمد اسحاق بھٹی ۔ فقہائے ہند ج 4 ص 237

کے قریب شیخ عبدالحق محدث کا مکان خانقاہ اور مسجد واقع تھی ۔ اس خانقاہ کو خانقاہ قادریہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ۔ شیخ کی خانقاہ کا کچھ حصہ انیسویں صدی کے آخر تک موجود تھا ۔ شیخ کا کتب خانہ دیار ہند کا عظیم کتب خانہ تھا ۔ اور بیش قیمت علمی ذخائر پر مشتمل تھا ۔ ان کے بیٹے نورالحق اپنے وقت کے اکابر علماء میں سے تھے لیکن اٹھارویں صدی میں جب دہلی کی سیاسی فضا میں انقلاب و تغیر کی مہیب لہریں اٹھیں اور سکھوں مرہٹوں اور جاٹوں نے ہنگامہ آرائی کا وسیع سلسلہ شروع کیا تو معنوی اور علمی دولت کے یہ انمول خزانے بھی دست برد زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکے ۔

وفـــات ـــ

بالآخر 12 ربیع الاول 1052ھ کو علم کا یہ درخشاں آفتاب غروب ہوگیا جس نے چورانوے سال تک فضائے ہند کو منور رکھا تھا ۔ وصیت کے مطابق حوض شمس کے کنارے ان کو سپرد خاک کیا گیا ۔ نماز جنازہ ان کے فرزند شیخ نورالحق حقی نے پڑھائی ـــ

ان کی وفات کے بارے میں تذکرہ علمائے ہند میں یوں لکھا ہے ـــ

"ان کی وفات 1052ھ/3-1642ء میں دہلی میں ہوئی
ان کی قبر قطب صاحب میں حوض شمس کے کنارے ہے
انتقال کی تاریخ "فخرالعلماء" سے نکلتی ہے ۔" (32)

اولاد ـــ

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے تین بیٹے تھے ۔ شیخ نورالحق شیخ

(32) رحمان علی ۔ تذکرہ علمائے ہند ص 276

علی محمد اور شیخ محمد ہاشم یہ تینوں اصحاب علم و فضل تھے مگر شیخ نورالحق ان سب سے لائق اور بلند مرتبے کے مالک تھے ۔ شیخ صاحب اپنے اس فرزند کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے ۔ دوسرے فرزند شیخ علی محمد اپنے وقت کے فضلا میں سے تھے ۔ تیسرے بھی عالم فاضل اور عہد صالح تھے ۔ان کا حدیث وفقہ کے ماہر علماء میں شمار کیا جاتا ہے اور یہ تینوں فرزند گیارھویں صدی ہجری کے مشہور ہندوستانی علمائے دین میں سے تھے ۔

تصانیف ـــ

شیخ عبدالحق محدث دھلوی نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ تصنیف و تالیف میں گزارا ان کا کتب خانہ ہندوستان کے بیش قیمت ذخیروں میں سے ایک تھا ۔ ان کے معاصر تذکرہ نگاروں میں عبدالحمید لاھوری محمد صالح کنبوہ اور خافی خان نے یہ تعداد سو سے زیادہ بتائی ہے لیکن انھوں نے اپنے ایک رسالے" تالیف قلب التالیف بذکر فہرس التوالیف"میں اپنی تالیفات کی فہرست انچاس بتائی ہے ۔ لیکن اس رسالہ کی تالیف کے وقت تصنیف کا سلسلہ جاری تھا ۔ اس کے بعد مزید گیارہ کتابیں تصنیف کیں انھوں نے تصنیف و تالیف کے سلسلے کا آغاز طالب علمی کے زمانے سے ھی شروع کردیا تھا جو زندگی کے آخری ایام تک جاری رھا ۔ ان کی تصنیفات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ تمام اصناف علم پر ماھرانہ نظر رکھتے تھے ۔ اور اپنے نقطۂ فکر کی وضاحت میں مرتبۂ کمال پر فائز تھے ۔ تفسیر حدیث فقہ عقائد اخلاق تصوف سیرت تاریخ سیاست منطق فلسفہ نحو وغیرہ تمام علوم میں ید طولیٰ حاصل تھا ۔ ذیل میں ان کی تصنیفات کی تفصیل درج کی جارھی ہے ۔

ان کی تصنیفات کے بارے میں "عربی زبان عہد مظفریہ" کے مولف یوں رقمطراز ہیں ـــ

"شیخ عبدالحق نے اپنی تصانیف کی فہرست خود ہی ایک رسالہ جس کا نام "تالیف قلب الالیف بذکر فہرس التوالیف" ہے دی ہے ۔ یہ فہرست جس وقت مرتب کی گئی اس وقت تصنیف و تالیف کا سلسلہ بدستور جاری تھا "ھنوز سلسلہ سخن دراز است و در فیض و در فیض الہی بازتا یکجا رسد و یکجا رسانند" فہرست میں 49 کتابوں کے نام درج ہیں ان میں ایک کتاب "المکاتیب و الرسائل 68 رسائل پر مشتمل ہے فہرس التوالیف کے بعد شیخ نے گیارہ کتابیں اور تصنیف فرمائی تھیں اس طرح ان کی تصنیفات کی کل تعداد ساٹھ ہوتی ہے ۔" (33)

تذکرہ علمائے ہند میں ان کی تصانیف کی تعداد یوں دی گئی ہے ـــ

"لمعات شرح مشکوتہ (عربی) اشعتہ اللمعات ۔ شرح مشکوتہ فارسی ۔ شرح سفر السعادت شرح فتوح الغیب ۔ اسماء الرجال بخاری ۔ اخبار الاخیار ۔ جذب القلوب ۔ زبدتہ الآثار ۔ جامع البرکات ۔ موج البحرین ۔ زاد المتقین فتح المنان فی مناقب النعمان ۔ ماثبت بالسنتہ حلیہ سید المرسلین ۔ چہل رسالہ وغیرہ ۔" (34)

ذیل میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تصنیفات کا اجمالی جائزہ پیش ہے اس جائزے میں دیگر تذکروں کے علاوہ محمد اسحاق بھٹی کی فقہائے ہند سے زیادہ

---

(33) شبیر احمد قادری آبادی ۔ عربی زبان عہد مظفریہ میں ۔ ص 159-60

(34) رحمان علی ۔ تزکرہ علمائے ہند ص 276

تر استفادہ کیا گیا ہے ـــ

1 - تفسیر ـــ

تفسیر قرآن سے متعلق شیخ عبدالحقؒ نے تین کتابیں تصنیف کیں - تعلیق الحاوی علی تفسیر البیضاوی - شرح صدور تفسیر آیت النور- تحصیل الغنائم والبرکات بتفسیر سورتہ و العادیات -

2 - شیخ عبدالحق تجرید و قرأت میں بھی مہارت رکھتے تھے اور یہ علم انھوں نے شیخ عبدالوھاب متقی سے حاصل کیا تھا - اس موضوع پر انھوں نے دو کتابیں تصنیف کیں -

درتہ الفرید فی قواعدا لتجوید - یہ کتاب نایاب ہے اور ھند و پاک کے کسی کتب خانے میں غالباً اس کا کوئی نسخہ موجود نہیں - شرح القصیدہ الجذریتہ

3 - حدیث ـــ

شیخ عبدالحق محدث دھلوی کی بہت بڑی خدمت علم وہ ہے جو انھوں نے علم حدیث کی ترویج و اشاعت کے لئے انجام دی اس میں پورے خطۂ برصغیر میں ان کا حریف کوئی نہ تھا تمام تذکروں میں تذکرہ نگاروں نے ان کی اس علمی خدمات کا نمایاں الفاظ میں ذکر کیا ہے - انھوں نے اس موضوع سے متعلق تیرہ کتابیں یادگار چھوڑیں -

1- اشعتہ اللمعات فی شرح المشکوتہ :-

یہ فارسی زبان میں مشکوتہ شریف کی بڑی جامع اور مفصل شرح ہے

2 - اشعتہ اللمعات - چار جلدوں پر محیط ہے پہلی جلد میں ایک مقدمہ بھی ہے اور 39 صفحات پر مشتمل ہے یہ مقدمہ علم حدیث محدثین اور اقسام

حدیث پر مشتمل ہے اور نہایت عالمانہ اور محققانہ مواد اپنے دامن میں سمیٹے ہے اس مقدمے کے علاوہ "اشعتہ اللمعات" کی پہلی جلد مشکوتہ کی کتاب الایمان۔ کتاب العلم۔ کتاب الطہارت۔ کتاب الصلوتہ۔ کتاب الجنائز۔ کے ترجمے پر مشتمل ہے۔ دوسری جلد میں کتاب الذکوتہ کتاب الصوم کتاب فضائل القرآن۔ کتاب الدعوات۔ کتاب اسماء اللہ تعالی۔ کتاب المناسک وغیرہ شامل ہیں۔

تیسری جلد میں کتاب البیوع کتاب العتق۔ کتاب الحدود۔ کتاب الامارت والقضاء۔ کتاب الجہاد۔ کتاب الصید والذبا غ۔ کتاب الاطعمتہ۔ کتاب اللباس۔ کتاب الطب والرقی۔ وغیرہ شامل ہیں۔ چوتھی جلد میں کتاب الآداب۔ کتاب الفتن۔ شامل ہیں۔

3 - لمعات التنقیح فی شرح مشکوتہ المصابیح ـــ

یہ عربی زبان میں مشکوتہ کی شرح ہے لمعات التنقیح سے 24 رجب 1025ھ میں فارغ ہوئے اس شرح کی خوبی یہ ہے کہ اس میں بعض لغوی و نحوی مشکلات کی نہایت عمدگی سے عقدہ کشائی کی ہے اور فقہی مسائل کی پیچیدگیوں کو نہایت ہی بہترین اسلوب سے حل کیا گیا ہے۔

4 - "جمع الاحادیث الاربعین فی ابواب علوم الدین و ترجمتہ الاحادیث الاربعین فی نصیحتہ الملوث والسلاطین ـــ

یہ کتاب ان چالیس احادیث کا مجموعہ ہے جن میں رسول ؐ نے بادشاہوں اور حکمرانوں کو ہدایت و نصائح سے نوازا ہے اور اس کے فارسی ترجمے کا نام "ترجمتہ الاحادیث الاربعین فی نصیحتہ الملوک والسلاطین" یہ ترجمہ انھوں نے شاہجہاں کے لئے کیا تھا۔

5 - جامع البرکات منتخب شرح المشکوته —

اس کتاب کو شرح مشکوته کے خلاصے کی حیثیت حاصل ہے اور دو جلدوں پر محیط ہے -

6 - رساله اقسام حدیث - (عربی) —

یه عربی زبان میں علم حدیث سے متعلق ایک مفید رساله تھا -

7 - رساله شب برات - یه رساله فارسی زبان میں ہے -

8 - ماثبت بالسنته فی ایام السنته (عربی) —

یه کتاب عربی زبان میں ہے اور اس میں تفصیل سے بتایا گیا ہے که ماه محرم سے ماه ذی الحجه تک یعنی سال بھر کے قمری مہینوں میں کن دینی امور کی انجام دهی احادیث صحیحه سے ثابت ہے -

9 - الاکمال فی اسماء الرجال

10 - اسماء الرجال و الروایات المذکورین فی کتاب المشکوته

11 - شرح سفر السعادته -

شرح محدث — سفر السعادته کے بارے میں یه تو مانتے ہیں که اس کے مصنف کا مقصد رسول ص کے اعمال مبارک کو حدیث کی روشنی میں ثابت کرنا ہے بہر حال شیخ کی یه شرح تین حصوں میں منقسم ہے -

12 - تحقیق الاشارته فی تعمیم الشادته الجنته - یه بھی مجموعه احادیث ہے -

13 - ترجمه مکتوب النبی فی تعزیته ولد معاذبن جبل (فارسی) —

یه رسول ص کے اس تعزیتی مکتوب کا فارسی ترجمه ہے جو رسول نے اپنے مشہور صحابی معاذ بن جبل رض کو ان کے بیٹے کی وفات کے موقع پر لکھا تھا -

4 - فقہ ـــ

علم فقہ کے متعلق شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے کتابیں تصنیف فرمائیں ہیں ان میں یہ قابل ذکر ہیں ـــ

(1) فتح المنان فی تائید النعمان (عربی)

یہ عربی زبان میں اور فقہ حنفی کی تائید میں ہے -

(2) ہدایت المناسک الی طریق المناہک ـــ

یہ رسالہ مناسک حج اور آداب زیارت حرمین کے متعلق ہے -

5 - عقائد ـــ

عقائد اسلام سے متعلق ان کی کتاب "الایمان و تفویتہ الایمان" ہے جو فارسی میں ہے -

6 - تصوف ـــ

تصوف کے مختلف گوشوں کے متعلق شیخ عبدالحق نے مندرجہ ذیل کتابیں یادگار چھوڑی ہیں ـــ

(1) تنبیہ العارف بماوقع فی العوارف

(2) قدمی ہذہ علی رقبتہ کل ولی اللہ

(3) تحصیل التعرف فی معرفتہ الفقہ والتصوف

(4) شرح فتوح الغیب

(5) ترجمتہ غنیتہ الطالبین

(6) توصیل المرید الی المراد بہ بیان الاحذاب والاوراد

(7) ہرج البحرین فی الجمع بین الطریقین

(8) نکات الحق والحقیقتہ من باب معارف الطریقتہ

7 - اخـــلاق ـــ

آداب و اخلاق کے موضوع پر شیخ محدث نے "آداب الصالحین ۔"
"آداب اللباس ۔ آداب المطالعته و المناظره "تسلیته المصاب النیل الماجد د التواب" وغیره تحریر کی هیں ۔

8 - وظائف و اوراد ـــ

اس موضوع سے متعلق شیخ عبدالحق کی اجویته ثنا عشر فی توجیه الصلوته علی سید البشر ۔
"ترغیب اهل السعادات علی تکثیر الصلوته علی سید الکائنات ۔
"رسالته عقد انامل"
مطلب الاعلی فی شرح اسماء اللّٰه الغنی " وغیره مشهور هیں ۔

9 - منطق اور فلسفه ـــ

شیخ محدث نے منطق و فلسفه سے متعلق عربی زبان میں تین کتابیں قلم بند کی هیں ۔
"مبناء الموفوع فی شرصیص مباحث الموضوع"
"درته السهجیته فی اختصار الرسالته الشمسیه "
"شرح شمسیه"

10 - تـــاریخ ـــ

تاریخ جیسے اهم موضوع پر شیخ محدث نے تین کتابیں تحریر کیں ـــ
"جذب القلوب الی دیار المحبوب"
"ذکر ملوک"
"رساله نورانیه سلطانیه"

11 - تذکرہ و سیرت ـــ

اس موضوع پر شیخ کی مندرجہ ذیل تصانیف ہیں ـــ

(1) مدارج النبوتہ

(2) اخبار الاخیار

(3) احوال ائمہ اثنا خلاصہ اولاد سید البشر

(4) انوار الجلیہ فی احوال مشائخ الشاذلیہ

(5) زبدتہ الآثار

(6) قطع الانوار لبہیتہ فی الحلیتہ النبویتہ"

12 - علم النحو ـــ

(1) حاشیہ الفوائد الضیائیہ "نحو کی مشہور کتاب شرح جامی پر حاشیہ ہے

(2) افکار الصافیہ فی ترجمتہ کتاب الکافیہ

13 - ذاتی حالات کے متعلق ـــ

ان کتب کے علاوہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بعض ایسی کتابیں بھی لکھیں جن میں انھوں نے اپنے ذاتی حالات درج کئے ہیں اور ساتھ ہی ان بزرگان دین کے کوائف بھی بیان کئے ہیں جن سے ان کے ذاتی مراسم یا عقیدت و نسبت تھی - ان میں

" اجازت الحدیث فی القدیم والحدیث

" تالیف قلب الالیف بذکر فہرس التوالیف "

" زاد المتقین الی طریق الیقین "

" وصیت نامہ وغیرہ قابل ذکر ہیں -

14 - خطبات ـــ

"فصول الخطب لخیل اعالی الرتب"

اس میں شیخ نے اپنے خطبات جمع کئے ھیں غالباً یہ مجموعہ اب نایاب ھے -

15 - مکاتیب ـــ

"کتاب المکاتیب" شیخ کے ان 68 مکتوبات کا مجموعہ ھے جو انھوں نے بعض اھم اور ضروری مسائل کے بارے میں خواجہ باقی باللہ حضرت مجدد الف ثانی شاہ ابوالمعالی شیخ عبداللہ نیازی نواب مرتضی خان عبدالرحیم خان خانان اور شیخ فرید کے نام تحریر کئے -

"صحیفتہ المودتہ" یہ شیخ کے دوستوں کے نام بوات مثنوی مکتوبات کا ایک مجموعہ ھے -

16 - شعر و شاعری ـــ

شیخ عبدالحق محدث دھلوی بہت اچھے شاعر تھے اور حقی تخلص کرتے تھے - شعر و سخن کا یہ ذوق انھیں وراثت میں ملا تھا - ان کے والد شیخ سیف الدین سیفی - چچا شیخ رزق اللہ مشتاقی اور دادا شیخ فیروز سبھی شاعرانہ ذوق رکھتے تھے -

شیخ کا مجموعہ کلام جس میں غزلیات قصائد قطعات و رباعیات اور مثنویاں غرض تمام اصناف سخن شامل ھیں - "حسن الاشعار" کے نام سے مرتب ھوا اور غالباً یہی وہ مجموعہ کلام ھےجونواب حسن خان مولف "صبح گلشن" نے دیکھا تھا - لیکن اس میں جو اشعار منتخب ھوئے ھیں وہ عاشقانہ قسم کے ھیں

غالباً قیام فتح پور سیکری میں لکھے گئے ہیں - رود کوثر میں عبدالحق محدث دہلوی کے چند اشعار درج ہیں -

شرح چابک سوار من نگرید * فتنہ روزگار من نگرید
کوہ کن کوہ کند و منِ جاں را * کار او نیز و کارِ من نگرید
اے خوش آندم کہ بارقیباں گفت * حتی خاکسار من نگرید

" چوں من میرم چہ حاصل گر بہست آرام جاں باشد
من از حسرت بمیرم او بکامِ دیگراں باشد
بہر جو ریکہ آں مہ می کند از جامر و حقی
کہ بد خو سرا شائید کہ مقصود لقماں باشد (35)

---

4 - علامہ سعداللہ خاں (999ھ/1591ء تا 1066ھ/1656ء) —

ابتدائی حالات —

علامہ سعداللہ خاں شاہجہانی عہد کے ممتاز علماء میں سے تھے شاہجہانی عہد کی تاریخوں میں طبقہ علماء میں ان کا نام سر فہرست رکھا گیا ہے -

عبدالحمید لاہوری اپنی تصنیف "بادشاہ نامہ" میں لکھتے ہیں —

"علامۃ الوری فہامتہ العصر سعد اللہ خان باستیفا فنون علوم معقولہ و منقولہ و استقائے ضوف دانش و حفظ قرآن مجید و وجودت قریحت و اضاءت ذہن و اصابت فکر و فرط معلومات

---

(35) شیخ محمد اکرام - رود کوثر ص 387

و فصاحت زبان و حسن تقدیر قصب السبق از دانشوران
روزگار جوده و بمیامن انظار خاقانی و برکات توجهات
جهانبانی به منصب عالیه فائز گشتند بنائیه دالای وزارت کل
رسیده است و شرح احوال آں عالی مرتبت و ارتقاء بمراتب
دولت ورطی وقائع سال چهارم از دوم دور جلوس عالم
آرا نگاشته آمد ۔" (36)

علامہ سعد اللہ 999ھ/1591ء میں لاھور میں پیدا ھوئے (37) زانوئے تلمذ ملا کمال الدین کشمیری کے سامنے تہ کیا اور بچپن میں قرآن پاک حفظ کرلیا اور ساتھ ساتھ علوم عقلی و نقلی میں کامل دستگاہ حاصل کی ان کی تقریر کی فصاحت و بلاغت کی بھی بڑی شہرت تھی مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی اور علامی سعد اللہ میں ابتدا سے یگانگت تھی علمائے ھند کا شاندار ماضی کے مولف ان کے بارے میں یوں رقمطراز ھیں ـــــ

"مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی اور علامی سعد اللہ میں ابتدا سے
یگانگت تھی حضرت مجدد صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کے
استاد مولانا کمال کشمیری سے دونوں نے ابتدائی تعلیم حاصل
کی ایک مرتبہ حضرت استاد نے فرمایا بادشاہ کے وزیر کے یہاں
بلاوٴ طلبہ کو تعجب ھوا حضرت استاد نے فرمایا کہ یہی
سعد اللہ جو اس وقت خستہ حالت میں ھے وزیر اعظم ھوگا ۔" (38)

---

(36) عبدالحمید لاھوری "بادشاہ نامہ" ج 2 ص 754
(37) ثروت صولت ۔ ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ ۔ ص 292
(38) محمد میاں ۔ "علمائے ھند کا شاندار ماضی" ص 336

استاد کا کہنا اس قدر صحیح ثابت ہوا کہ یہ نابغہ روزگار ہستی بہت تھوڑے ہی عرصہ میں بادشاہ کا مقرب خاص ہوگئی ۔ وہ اپنے وقت کے ممتاز خطیب و انشا پرداز سمجھے جاتے تھے ۔ اور حیرت انگیز طور پر چند سال کے اندر ترقی کرکے بلند سے بلند منصب و عہدہ پر فائز ہوئے ۔ ابتدا میں جب علامہ سعد اللہ شاہ جہاں کی خدمت میں حاضر ہوئے تو کچھ یومیہ وظیفہ مقرر کردیا گیا ۔ ان کی غیرت نے گوارہ نہ کیا اور وہ واپس چلے گئے اور اپنے کو تعلیم و تدریس میں مشغول کرلیا ۔ شاہ جہاں نے جب ان کے فضل و کمال کا شہرہ سنا تو ان کا گرویدہ ہوگیا اور موسوی خان کو ان کے حاضر دربار کرنے کا حکم دیا چنانچہ یوم یکشنبہ ماہ رمضان المبارک 1050ھ کو شاہ جہانی دربار میں پیش ہوئے۔ شاہ جہاں ان سے غیر معمولی توجہ التفات سے پیش آیا اور مناسب وظیفہ اور خلعت و اسپ عنایت فرمایا ۔ پھر بادشاہ کی مردم شناس اور قدردان بصیرت نے صرف تین دن بعد وظیفہ کے بجائے منصب مرحمت فرمایا ۔ اور جوہر شناس بادشاہ کی قدردانی نے صرف چار سال کے عرصے میں وزارت عظمی کے اعلی درجہ پر پہنچا دیا ۔ بزم تیموریہ میں "عمل صالح" کے حوالے سے یوں لکھا ہے ــــ

"رمضان 1050ھ میں موسوی خاں صدر کل کی سفارش سے بادشاہ کے حضور میں شرف یابی حاصل کی پہلی مجلس ہی میں بادشاہ کی کمال شناسی اور قدردانی کی وجہ سے اس کی استعداد کا مرتبہ نمایاں ہوگیا اور بادشاہ کی دقیقہ رسی کے باعث اس کا کمال ظاہر ہوا اس کی دقت طبع ۔ جدت فہم ۔ کثرت فراست استنباط ۔ دقائق و ریاضت حقائق اور تحصیل علم وہبی و کسبی وغیرہ کا حال اہل علم پر ظاہر ہوگیا چونکہ بادشاہ شریعت کی ترویج اکابر دین کی تقویت علما"

صلحاء کی تعظیم و تکریم طلبہ کر تربیت و اہتمام میں ہمیشہ
رغبت ظاہر کرتا ہے اس لئے اس کی خاص ہمزبانی کی وجہ
سے جس میں آب حیات کی خاصیت ہے اس نے حیات جاوداں
پائی ۔" (39)

چنانچہ علامہ سعد اللہ خاں نے 1050ھ میں دربار شاہ جہانی میں حاضری کے بعد صرف ایک سال ہی گذارا تھا کہ منصب ہزاری ذات و دو صد سوار کے علاوہ خطاب خانی سے سرفراز ہوئے اور دولت خانہ خاص کی داروغگی کے منصب پر مامور ہوئے اس طرح ان کا سلسلہ شاہی محل سے وابستہ ہوگیا ۔ اس کے بعد ان کے مناصب میں روز بروز ترقی ہوتی گئی 1052ھ میں ان کے منصب میں پانچ صدی صد سوار کا اضافہ ہوا اور حلقۂ خاص سے ایک فیل بھی مرحمت کیا گیا ۔ پھر اسی سال ماہ رمضان میں منصب دو ہزاری و پانصد سوار عطا ہوا اور خدمت میر سامانی تفویض ہوئی پھر اسی سال 1054ھ میں منصب دو ہزار پانصدی ششصد سوار عطا ہوا پھر چند ماہ بعد منصب سہ ہزاری ششصد سوار قرار پایا اور طویلہ خاص سے طلہ کارساز سے مزین گھوڑا عطا ہوا اس کے بعد 1055ھ میں نئے منصب کے ساتھ ایک ہاتھی عطا ہوا اور خالصہ شریفہ کی دیوانی اور فراہمین کے مضامین کی تنقیح کی خدمت سپرد ہوئی اس کے بعد اسی سال ماہ رجب میں منصب پنج ہزاری ذات و ہزار و پانصد سوار سے ممتاز ہوکر عہدہ وزارت کل "ومدار المہائمی" پر مامور کئے گئے اور قلمدان وزارت کے ساتھ غیر معمولی خلعت فاخرہ سے سرفراز کئے گئے پھر منصب پنج ہزاری و علم و نقارہ سے سرفراز ہوئے پھر شش ہزاری بنائے گئے پھر 1056ھ میں اس منصب سے

---

(39) صلاح الدین عبدالرحمان - بزم تیموریہ ص 212

ممتاز کئے گئے اور ترقی کرنے کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا یہاں تک کہ 1057ھ میں منصب ہفت ہزاری و ہفت ہزار سوار پر سرفراز کردیئے گئے۔(40) اس طرح سعد اللہ خان صرف سات سال کے اندر حصول منصب کے بعد ہفت ہزاری تک پہنچ گئے اور مغلیہ عہد میں ایسی ترقی کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں اور دس کروڑ کا انعام اور علامی و فہامی کا خطاب بھی انھیں دیا گیا ۔ شاہ جہاں کو ان پر اس قدر اعتماد تھا کہ وہ کوئی کام ان کے مشورہ کے بغیر نہ کرتا تھا ۔ ان کے دور وزارت کے کارنامے اور مختلف مکاتیب و فرامین کے تذکرے عہد شاہجہانی کی تاریخوں میں موجود ہیں ۔ ان سے ان کی اعلی استعداد اور ملکی نظم و نسق کے خوبی سے انجام دینے کا اندازہ ہوتا ہے ۔

سعد اللہ خان عقل و فہم۔تدبر اور بصیرت کے باوجود رحمدل اور انصاف پسند واقع ہوئے تھے وہ غرباء اور مساکین کے بہت زیادہ طرفدار تھے ان کا یہ اصول تھا کہ کثرت محاصل ترقی دولت کا سبب نہیں بلکہ رعایا پروری و باشندگان ملک کی خوشنودی و خوشحالی ترقی دولت کی بنیاد ہے ان کی یہی حسن نیت تھی کہ ہندوستان اس وقت دولت اور خوشحالی کی معراج پر پہنچا ہوا تھا۔

وفـــات ـــ

علامہ سعد اللہ خان 1066ھ میں فالج میں مبتلا ہوئے بادشاہ نے شاہی اطباء سے علاج کرایا اور خود بار بار ان کی عیادت کے لئے جاتا تھا ۔ مگر چند ماہ کی علالت کے بعد اواخر جمادی الاخر 1066ھ میں انتقال ہوگیا ۔ شاہجہاں کو ان کی وفات کا صدمہ اسقدر ہوا کہ بےاختیار زارزار رودیا ۔(41)

---

(40) معارف ج 56 جولائی تا دسمبر 1945ء معارف پریس اعظم گڑھ ص 395

(41) محمد میاں ۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی ص 336

علامہ سعد اللہ خان کی وفات کے بعد ان کے بڑے لڑکے لطف اللہ کو منصبہ ہفت صدی صد سوار اور دوسرے لڑکوں کو دیگر مناصب ووظائف سے سرفراز کیا گیا ۔ علامہ کو ملک کے ہر طبقے میں ہر دلعزیزی حاصل تھی ۔ ان کی وفات پر عام ماتم کیا گیا ۔

کیونکہ عہد شاہ جہانی کی اس اہم شخصیت نے صرف چند سال میں اعلی سے اعلی منصب و عہدہ پر فائز ہوکر سلطنت اور رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے بہترین خدمات انجام دیں تھیں ان کے بارے میں شاہ جہاں نامہ کے مولف یوں رقمطراز ہیں ـــــ

" . . . . .نہایت باشعور تھا کہ دانشمندانِ عصر ان کے آگے طفل مکتب کی حیثیت رکھتے تھے ۔ اس کے باوجود اخلاق رہانی کا نمونہ اور کمالات انسانی و ملکوتی کا پیکر تھا لیاقت و استعداد کے زور سے جزئیات و کلیات پر نظر رکھتا اور ایسی ایسی نادر باتیں کرجاتا کہ یگانہ عصر دقیقہ سنج سر جھکا کر رہ جاتےتھے بیان مطالب میں اتنا خوش گفتار کہ ہر پہلو روشن کرتا چلا جاتا تھا . . . . . 1060ھ (1656ء) میں انتقال ہوا ۔" (42)

علامہ سعد اللہ خان کی تعریف میں"ثروت صولت"یوں رقمطراز ہیں ـــــ

"عہد شاہجہانی کے وزیروں میں سب سے عظیم شخصیت-دھلی کا لال قلعہ اور جامع مسجد ان کی ھی نگرانی میں تعمیر ہوئے ان کا یہ قول بہت مشہور ہے دیانت قابل تعریف چیز ہے اور وفاداری بہترین طریقہ لیکن بادشاہ کے کاموں میں جو عوام سے

---

(42) محمد صالح کنبوہ ۔ شاہ جہاں نامہ تلخیص و ترجمہ ممتاز لیاقت ص 564

متعلق ہوتے ہیں بادشاہ کے بجائے عوام کا خیال رکھنا بہترین
وفاداری ہے ۔" (43)

علامہ سعد اللہ خان نے اپنی پوری زندگی عوام کی فلاح و بہبود میں گزاری
معاصر تذکرہ نگاروں نے آپ کا ذکر نہایت ہی اچھے الفاظ میں کیا ہے تحریر
و تقریر میں بہت مشہور تھے ذیل میں ان کے خط کا نمونہ پیش کیا جارہا ہے
جس سے ان کی تحریر کی بلاغت کا پتہ چلتا ہے یہ خط انھوں نے اپنے ہم‌سبق
ملا عبدالحکیم سیال کوٹی کو "رسالہ خاقانیہ" تحریر کرنے کے لئے لکھا تھا یہ
خط علامہ سعد اللہ خان کی انشاپردازی کی زندہ مثال ہے ۔ وہ لکھتےہیں ــــ

"افادت پناہ اضافت دستگاہ جامع و معقول و منقول حاوی فروع
و اصول وحید العصر الدھر بادراک نشاتین و احراز جادین
کامیاب باشند ۔ حسب الحکم اشرف می نویسد کہ چوں از
افراد وقائع ایران بمسامع مجامع رسید / کہ افادت پناہ اضافت دستگاہ
خلیفہ سلطان وزیر دانشور عراق کہ اعلم العلمای آں دیار
است از محمد فاروق مشرف و محب علی واقعہ نویس کہ
بامارت مآب جان نثار خاں سفیر متعین اند پس از دعوای
اینان بفضل و کمال پر سید کہ امام غزالی درمسئلہ قدم
عالم و نفی علم واجب (تعالی شانہ کما یقول الظالمون فی
حق انفسھم و الجاھلون باللہ جھلا مرکبا) بجزئیات مادیہ
و نفی حشر اجساد تکفیر ابونصر فارابی و شیخ ابو علی
سینا نمودہ و جمعی تاویل کلام حکماء کردہ اند ۔ ایں مراتب

---

(43) ثروت صولت ۔ ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ ۔ ص 292

را تقریر باید کرد مدعیان دروغ چون شمع کشته بی فروغ ماندند و از سلوک معقولیت دور افتارند - لهذا بکمترین صوبدان حکم شد که بآن فضائل و کمالات دستگاه سطری چند بر نگارد و بر گزارد که آن افادت و اضافت مرتبه را درین مسائل مختصری جامعه و موجود مفید که مستجمع حکمات حکما و تاویلات علماء و وجه تکفیر اسلامیین و اقوال ملحین و مباحثات و مناظرات و شکوک و شبهات و ازلات و ازاحات و اصوله و اجوبه و غایت تدقیقات و نهایت تحقیقات و اصل کلام در هر باب و اساس متعن در هر جواب و آنچه براں ظفر یافته باشند و برهان بدان فائز شد و باشند و احاطه مسائل متعلقه بمطلب علم از حضوری و حصولی بودن و علم عین عالم و عین معلوم باغیر آن و تعلق آں بجزئیات بروجه کلی است یا بروجهٔ جزئی و تحریر آنکه کلیت و جزئیت مفهوم تابع مدرک یا تابع مدرک است و نسبت واجب جزئی هست یانه و بیان آنکه ادراک تعقلی است یا احساسی و شمول علم بمغیبات و مشفعات از زمان و غیر آں و بقای علم با تغیر معلوم و تبدیل زمان و حضور زماں بجمیع اجزائه من ازل الآزال الی ابد الآباد به کونه غیر قار وجز آں باشد - نوشته در حضرت خلافت در عرض پانزده روز باید فرستاد که بایران فرستاده شود - و آں چناں باید بود که قابل فرستادن ولائق اضافت بآن فضائل دستگاه بود و بروزگار ازاں آثار گویند و در تاریخ ناسها نوشته آید -" (44)

---

(44) Journal of the Research Society of Pakistan, Part II, Vol.I, October 1964, p. 49-50

5 - حضرت میاں میر لاہوری (957ھ تا 1045ھ/1635ء) ـــ

ابتدائی حالات ـــ

حضرت میاں میر لاہوری عہد جہانگیری کے ایک باکمال بزرگ تھے - علمی حلقوں میں آپ کو بڑی مقبولیت حاصل تھی - جہانگیر آپ کا معتقد تھا اس کے بعد شاہ جہاں اور اس کے بیٹے بھی ان کے معتقد تھے دربار شاہ جہانی میں ان کی بڑی قدر و منزلت تھی - علوم معقول و منقول کے بہت بڑے عالم تھے - ابن عربی کی تصانیف ,,فتوحات مکیہ،،"اصول الحکم،،اور جامی کی "شرح خصوص الحکم،،زبانی یاد تھیں - تصوف کے حقائق و معارف نیز اصطلاحات کے سمجھنے سمجھانے میں بحر زخار تھے - ان کی پیدائش کے بارے میں اختلاف ہے -

حضرت میاں میر کا اصلی نام میر محمد تھا اور کنیت میر ہے 957ھ میں سندھ کے قدیم شہر سیستان میں ہوئی -(45) دارا شکوہ نے آپ کی ولادت کے بارے میں سکینتہ اولاولیا میں لکھا ہے ـــ

"حضرت میاں میر کی ولادت 938ھ میں ہوئی-" (46)

اور اعجاز الحق قدوسی نے تحفتہ الکرام کے حوالے سے لکھا ہے ـــ

"میں نے ایک محضر دیکھا ہے جسے آپ کے بھتیجے سیوستان سے تصحیح کرکے لائے تھے اس میں آپ کا سنہ ولادت 975ھ تھا-" (47)

---

(45) محمد میاں - علمائے ہند کا شاندار ماضی - ص 435

(46) دارا شکوہ - سکینتہ اولاولیا (اردو ترجمہ) ص 19

(47) اعجاز الحق قدوسی - تذکرہ صوفیائے سندھ - ص 221

ان کے والد کا نام سائیں دتہ بن قاضی قلندر اور والدہ محترمہ کا نام بی بی فاطمہ تھا ۔ حضرت میاں میر خاندانی اعتبار سے فاروقی ہیں ۔ آخر میں ان کا نسب حضرت عمر فاروقؓ سے ملتا ہے ۔ ان کے والدین بھی اپنے زمانے کے عارف کامل تھے ۔ ابتدائی تعلیم والد سے حاصل کی پھر ان کے انتقال کے بعد والدہ کے زیر سایہ علوم ظاہری کی تکمیل کرلی ۔ اور بارہ سال کی عمر میں سلوک و طریقت کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوگئے ۔ آپ کی والدہ نے آپ کو سلسلہ قادریہ کے سلوک کی تعلیم دی اس کے بعد والدہ سے اجازت لےکر سلسلہ قادریہ میں شیخ خضر سیوستانیؒ کے مرید ہوئے ۔ جو سیوان کے باہر ایک پہاڑ پر مقیم تھے کچھ مدت کی ریاضتوں و مجاہدوں کے بعد شیخ نے فرمایا کہ اب تمہارا کام مکمل ہے تمہیں اختیار ہے جہاں جی چاہے سکونت اختیار کرو ۔ حضرت میاں قدیم طرز کے صوفی بزرگ تھے ۔ شروع کی سختی سے پابندی کرتے تھے ۔ 25 سال کی عمر میں 985ھ میں اس وقت اکبر بادشاہ کا دور حکومت تھا لاہور پہنچ کر زہد و ریاضت میں مصروف ہوگئے ۔ لاہور پہنچ کر مولانا سعد اللہ کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے جو اس زمانے کے متبحر عالم تھے ۔ پھر کچھ سال مولانا نعمت اللہ اور مفتی عبدالسلام لاہوری سے تعلیم حاصل کی لاہور میں آپ دن کے وقت ویران جگہوں پر جاکر یاد حق میں مشغول رہتے اور جو مریدین آپ کے ساتھ ہوتے وہ بھی الگ الگ درختوں کے نیچے یاد الٰہی میں مشغول ہو جاتے ۔ جب نماز کا وقت آتا سب مل کر نماز با جماعت ادا کرتے ساری رات عبادت میں مشغول رہتے اکثر یہ اشعار پڑھتے ؎

کسے کو غافل از حق یک زمان ست

در آں دم کافرست اما نہاں ست

کزمیں غفلت بجاں پیوستہ بودے

در اسلام بروئے بستہ بودے (48)

لاھور میں جب آپ کی ولایت کی شہرت ھوئی تو آپ سرھند تشریف لے گئے لیکن وھاں آپ کو بیماریوں نے آگھیرا اس بیماری میں آپ کے ایک مرید حاجی نعمت اللہ سرھندی نے آپ کی دل و جان سے خدمت کی وہ آپ کے سب سے پہلے مرید ھیں جنھیں آپ نے درجہ کمال پر پہنچا دیا ۔ ایک سال سرھند میں قیام کرنے کے بعد آپ واپس لاھور آگئے اور خان پورہ میں رشد و ھدایت میں مشغول ھوگئے ۔ اپنے مریدوں کی اصلاح فکر اور تہذیب نفس کرکے ایک ایسی جماعت پیدا کی جس سے رشد و ھدایت کے چشمے پھوٹے ۔ وہ ایک قدیم طرز کے صوفی تھے جو فنا فی اللہ کی منزل میں تھے ۔ ان کا تمام وقت عبادت میں گزرتا تھا ۔ انھوں نے وحدت الوجود کے فلسفے کو اپنا منتہائے نظر بنایا تھا ۔ شہرت سے نفرت تھی اسی وجہ سے سندھ سے لاھور تشریف لانے کے بعد چالیس سال تک لاھور والوں کو اس کا علم بھی نہ ھوسکا ۔

عام لوگوں کے علاوہ درباری حلقوں میں بھی آپ کا احترام کیا جاتا تھا ۔ شاھان مغلیہ میں جہانگیر شاہ جہاں اور دارا شکوہ وغیرہ آپ کے بہت معتقد تھے دارا شکوہ اپنی کتاب سکینتہ اولیا میں حضرت میاں میر کا تذکرہ نہایت ادب و عقیدت کے ساتھ کرتا ھے ان کے زھد و تقوی اور علم و فضل کی وجہ سے ان کے نزدیک ھر وقت علماء و فضلا کا جمگھٹا رھتا تھا ۔ جہانگیر کو آپ سے بےحد عقیدت تھی "تذکرہ صوفیائے سندھ" کے مؤلف لکھتے ھیں ـــ

"جہانگیر آپ سے بےحد عقیدت رکھتا تھا اس نے اپنی تزک میں لکھا ھے "جب مجھے علم ھوا کہ لاھور میں ایک درویش

---

(48) اعجاز الحق قدوسی ۔ تذکرہ صوفیائے پنجاب ۔ ص 568

میاں میر نامی سندھ کے رہنے والے نہایت فاضل باہرکت اور
صاحب حال ہیں اور توکل اور گوشہ عزلت کو اپنا شعار بنائے
ہوئے فقر کی دولت کی بدولت غنی اور دنیا سے مستغنی ہیں
ان اوصاف کی بنا پر میرا دل ان کی ملاقات کے لئے بےچین
ہوا اور ان کی زیارت کے لئے میں نے اپنے دل میں غیر معمولی
رغبت پائی لیکن میرے لئے لاہور جانا مشکل تھا میں نے ایک
خط کے ذریعہ ان کی خدمت میں اشتیاق ملاقات ظاہر کیا -
حضرت باوجود ضعف پیری کے زحمت فرما کر تشریف لائے اور
ایک طویل عرصہ تک میں خلوت میں آپ کے ساتھ بیٹھا - اور
آپ کی صحبت سے مستفید ہوا بلا شبہ آپ کی ذات غیر معمولی
شرف کی حامل ہے اور اس زمانے میں آپ کا وجود مغتنمات میں
سے ہے ان ملاقاتوں میں مجھے آپ سے بہت سے معارف و
حقائق سننے کا اتفاق ہوا میں نے ہر چند چاہا کہ آپ کی
خدمت میں نذر پیش مروں لیکن آپ کے پایہ عالی کو دیکھتے
ہوئے مجھے اپنی اس تمنا کے اظہار کی جرأت نہ ہوئی آخر
میں ایک سفید ہرن کی کھال جانماز کے طور پر آپ کی خدمت
میں پیش کی (49)

سکینتہ اولیاء میں ہے کہ جہانگیر نے اس ملاقات کے موقع پر عرض کیا کہ آپ مجھ سے کسی بات کی خواہش کریں آپ نے فرمایا جو کچھ میں طلب کرونگا تم دوگے؟

---

(49) اعجاز الحق قدوسی - تذکرہ صوفیائے سندھ ص 224

اس نے کہا ہاں ! آپ نے فرمایا تو بس اب مجھے رخصت کی اجازت دو ۔ جہانگیر نے آپ کو نہایت تعظیم و توقیر سے رخصت کیا ۔ اور آپ واپس لاہور تشریف لے آئے لاہور آنے کے بعد بھی جہانگیر نے آپ سے خط و کتابت جاری رکھی ۔

شاہ جہاں کو بھی آپ سے بےحد عقیدت تھی ۔ وہ دو مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ "بادشاہ نامہ" "عمل صالح" اور "سکینتہ اولیا" میں ان ملاقاتوں کا ذکر ملتا ہے ۔ تذکرہ صوفیائے پنجاب میں "بادشاہ نامہ" کے حوالہ سے لکھا ہے ـــ

"8 رجب 1044ھ

خدیو آگاہ اسباب صفوت وصفا' رہنمائے اصحاب معرفت وتقی ۔
قدوہ' شناسان صافی ضمیر میاں میر کہ جنکی تشریف آوری
سے پہلے بھی یہ گھر محیط انوار بن چکا تھا ۔ دوبارہ
تشریف لائے اور بادشاہ کی گزارش پر آپ نے بہت سے
دقائق حقائق اور غوامض و معارف کو اس دلکش طریقے پر
بیان فرمایا جو انشراح صدر اور انبساط قلب کا موجب تھا۔" (50)

شاہ جہاں نامہ کے مولف شاہ جہاں سے حضرت میاں میر کی ملاقاتوں کا ذکر کرتے ہیں کہ ـــ

"بادشاہ سلامت کشمیر سے واپسی پر دو مرتبہ ان کی خانقاہ
میں حاضر ہوئے اور اتنی عقیدت ہوئی کہ بارہا کہا ہندوستان

---

(50) اعجاز الحق قدوسی ۔ تذکرہ صوفیائے پنجاب ص 578

کے عارفوں اور درویشوں میں میاں میر صاحب کو کامل پایا۔" (51)

دارا شکوہ بھی حضرت میاں میر کا عاشق تھا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انھوں نے بھی اس کی روحانی تربیت اور ذوق و شوق کو آب رنگ بخشا تھا ۔ دارا شکوہ اپنی تصنیف "سکینتہ اولیاء" میں لکھتا ہے کہ ایک بار میں ایسا بیمار ہوا کہ طبیبوں نے جواب دے دیا تھا ۔ میرے والد میاں میر کی خدمت میں مجھے لے کر حاضر ہوئے اور دعا کے لئے عرض کی انھوں نے اس پیالے سے جس میں خود پانی پیتے تھے پانی دم کرکے پلایا مجھے اس پانی سے شفا ملی ۔ دوسری ملاقات میں جب شاہ جہاں حضرت میاں میر کے پاس دارا شکوہ کو لے کر گیا تو وہ عقیدت کی وجہ سے ننگے پاؤں ان کی خدمت میں حاضر ہوا وہ بہت خوش ہوئے اور اس کے حق میں دعا کی ۔ لیکن جب دارا شکوہ کو ان کی بیعت کا خیال آیا تب تک وہ وفات پا چکے تھے ۔ اس لئے اس نے آپ کے محبوب ترین خلیفہ ملا شاہ محمد بدخشی سے بیعت کی سکینتہ اولیاء میں اس کی روایت ہے کہ آپ نے مجھے غائبانہ طور پر اپنی وفات کے بعد مشاہدہ اور مراقبہ سکھایا ۔ اسی عالم کی ایک اور کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ حضرت نے مجھے اپنے سینہ سے لگا کر فرمایا اپنی امانت لے لو آپ کے سینہ مبارک سے اسقدر انوار میرے سینہ میں داخل ہوئے کہ میں نے عرض کیا حضور بس کیجئے میں اب اس سے زیادہ کا متحمل نہیں ہوسکتا اس وقت سے میں اپنے سینے کو منور اور پر ذوق پاتا ہوں ۔

وفـــات ـــ

حضرت میاں میر لاہوری نے بالآخر 7 ربیع الاول 1045ھ/1635ء میں وفات پائی (52) سکینتہ اولیا میں ہے کہ آخر عمر میں آپ اسہال میں مبتلا

---

(51) محمد صالح کنبوہ ۔ شاہ جہاں نامہ (اردو) مترجم ممتاز لیاقت ص 556
(52) اعجاز الحق قدوسی ۔ تذکرہ صوفیائے سندھ ص 222

ہوئے پانچ روز تک بیمار رہے اور محلہ خانپورہ میں وفات پائی آج بھی آپ کا مزار ہاشم پورہ جو اب میاں میر کے نام سے موسوم ہے زیارت گاہ خاص و عام ہے ۔ وفات کے بارے میں بھی اختلاف ہے ۔ محمد صالح کنبوہ نے "شاہ جہاں نامہ" میں ان کی وفات کے بارے میں یوں لکھا ہے ـــ

"1044ھ/33 - 1632ء میں انتقال فرمایا مرقد منور غلہ منڈی عالم گنج (لاہور چھاونی) کے نزدیک موضع غیاث پور میں ہے ۔" (53)

مؤلف "علمائے ہند کا شاندار ماضی" رقمطراز ہیں ـــ

"ساٹھ سال تک آپ زینت افزا لاہور رہے 7 ربیع الاول بروز سہ شنبہ بعد نماز ظہر 1045ھ اٹھاسی سال کی عمر پاکر دفتر ہستی کو طے کیا ۔" (54)

حضرت میاں میر لاہوری کے بہت سے مریدوں اور عقیدت مندوں نے تاریخ وفات کہہ کر اپنی عقیدت اور دلی سوز و غم کا اظہار کیا ۔ ملا فتح اللہ جو آپ کے مریدوں میں سے تھے کی یہ تاریخ آپ کے گنبد کے دروازہ پر کندہ ہے ۔

میاں میر سر دفترِ عارفاں * کہ خاک درش رشکِ اکسیر شد
سفر جانب شہر جاوید کرد * ازیں محنت آباد دل گیر شد
خرد بہر سال وفاتش خوشت * بفردوس والا میاں میر شد

1045ھ

---

(53) محمد صالح کنبوہ (ممتاز لیاقت) شاہ جہاں نامہ ص 556
(54) محمد میاں ۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی ص 434

خزینتہ الاصفیا' میں مفتی غلام سرور لاہوری نے ان کی تاریخ ولادت و وفات کہہ کر اس طرح اظہار عقیدت کیا ہے۔ ؎

میر دنیا و دیں میاں میریست * واقف راز و محرم اسرار

ہست "میر بہشت" تولیدش * ہم میاں میر چشمہ' انوار

957ھ

باز فرمود شیخ والا جاہ" * عقل تولید او بصد تکرار

"بندہ' مقتدا میاں میریست * سال تولید آں شہ ابرار

957ھ

ہادی صدق میر اشرف خاں * وصل آں شاہ زبدتہ الاخیار

1045ھ

نیز فیاض حق ولی آمد * ہم میاں میر دستگیر ای یار (55)

1045ھ

حضرت میاں میر کے مزار مبارک کی تعمیر کے لئے دارا شکوہ نے تمام مسالہ جمع کیا لیکن ابھی تعمیر کی نوبت نہ آئی تھی کہ دارا شکوہ اپنے بھائی کے حکم سے قتل کیا گیا ۔ بہت دن تک مزار کی عمارت نامکمل رہی کئی سال بعد عالمگیر آپ کے مزار پر حاضر ہوا اور اس نے عمارت کو مکمل کرایا ۔ دارا شکوہ کی بیوی نادرہ کی قبر بھی آپ کے مزار مبارک کے قریب ایک شکستہ بارہ دری میں واقع ہے ۔

حضرت میاں میر نے باوجود کمال و فضل کے کوئی کتاب نہیں لکھی اور نہ کبھی کوئی شعر فرمایا ۔ لیکن پھر بھی جب کبھی کسی آیت یا حدیث یا بزرگوں کے مشکل اشعار کے معنی بیان فرماتے تو علما و فضلا دنگ رہ جاتے

---

(55) اعجاز الحق قدوسی ۔ تذکرہ صوفیائے پنجاب ۔ ص 585

لیکن اگر آپ کے بیان کئے مضامین و مطالب کو کوئی لکھنا چاھتا تو آپ ناپسند فرماتے تھے ۔ ایک دفعہ آپ کی مجلس میں " التعظیم الامر اللہ والشفقتہ علی خلق اللہ " پر گفتگو چھڑی ۔ اس مجلس میں ایک عالم موجود تھے آپ نے ان سے پوچھا کہ اس قول کا کیا مطلب ھے ۔ انھوں نے کہا کہ امر الھی کو بجا لانا چاھئے ۔ اور اللہ کے بندوں سے مہربانی سے پیش آنا چاھئے آپ نے فرمایا اس سے بہتر معنی بیان کیجئے انھوں نے عرض کیا کہ آپ ھی ارشاد فرمائیں ۔ فرمایا امر سے مراد روح ھے جیسا کہ قرآن پاک میں ھے "قل الروح من امر ربّی ۔ روح کی تعظیم یہ ھے کہ اسے یادِ الھی سے غافل نہ رکھا جائے اور خطرات سے دور کیا جائے اور خلق سے مراد خلقت ھی ھے ۔ یعنی اپنے اعضاء ان پر شفقت یہ ھے کہ ان سے کوئی فعل خلاف شرع صادر نہ ھو تاکہ وہ آخرت کے عذاب میں گرفتار نہ ھوں ۔ ایک دفعہ اپنے بعض مریدوں سے مخاطب ھوکر فرمایا کہ میری ھڈیوں کو نہ بیچنا اور میری قبر پر دوسروں کی طرح دوکان نہ بنا لینا ۔ فرمایا کرتے تھے حب جاہ کو دل سے نکالنا بڑا کام ھے میاں میر کے خلفاء میں حاجی نعمت اللہ سرھندی ۔ ملا بدخشی ۔ میاں نتھا صاحب ۔ حاجی وصطفی ۔ ملا حامد گجر ۔ ملا روحی مسمی بہ ابراھیم ۔ ملا خواجہ کلاں حاجی صالح کشمیری ۔ ملا عبد الغفور وغیرہ قابل ذکر ھیں ۔ حضرت میاں میر لاھوری نے تمام عمر پارسائی و تجرّد میں گذاری شادی بیاہ بال بچوں کے بکھیڑے میں نہ پڑے فقر و غنا اور بے نیازی کا حال یہ تھا کبھی کسی سے کچھ سوال نہ کیا ۔ اھل دنیا کو ملا حق کا پھندا توڑنے کی تلقین کرتے جو سعادت مندان کے حلقہ میں داخل ھوکر طریقت کی منزل میں قدم رکھتا بہت جلد اونچے درجے

تک پہنچ جاتا ۔ آخری عمر میں ہر وقت محبوب حقیقی کا جلوہ نظر میں سمایا رہتا اور سب سے بیگانے ہوکر گوشہ عزلت میں بیٹھے رہتے ۔ (56)

6 - ملا محمود جونپوری (1015ھ تا 1062ھ/1653ء)

ابتدائی حالات ـــ

ملا محمود جونپوری عہد شاہ جہانی کے معقولات و منقولات کے ممتاز علماء و فضلاء کی فہرست میں شامل ہیں خاندانی روایات کے مطابق ملا محمود جونپوری کی ولادت نورالدین جہانگیر کی سلطنت کے دوسرے سال رمضان المبارک 1015ھ میں جونپور میں ہوئی ۔ (57)

لیکن تجلی نور کے مصنف مولوی نورالدین زیدی اور مولانا عبدالحئی نے "نزہتہ الخواطر" میں اس سے اختلاف کرتے ہوئے ملا محمود کی پیدائش 993ھ لکھی ہے جو صحیح معلوم نہیں ہوتی ۔نزہتہ الخواطر کے مولف لکھتے ہیں ـــ

"الشیخ الامام العالم الکبیر العلامتہ الشہیر محمود بن محمد العمری الجونپوری احد الافضل المشہورین لم یکن فی زمانہ مثلہ فی العلوم الحکمیہ والمعارف الالٰہیہ ولد جونپور سنتہ ثلاث و تسعین و تسع مائتہ ۔" (58)

---

(56) محمد صالح کنبوہ ۔ شاہ جہاں نامہ ص 556

(57) سید اقبال احمد ۔ تاریخ سلاطین شرقی و صوفیائے جونپور ج 2 ص 1345

(58) عبدالحئی الحسنی ۔ نزہتہ الخواطر ج 5 ص 409

ملا محمود جونپوری کی ولادت کے بارے میں "معارف" میں قدرے وضاحت سے یوں تحریر کیا گیا ہے ـــ

"ملا صاحب اپنے گھر کی روایت کے مطابق سلطان نورالدین جہانگیر کی سلطنت کے دوسرے سال رمضان 1015ھ میں پیدا ہوئے مولانا ابوالخیر نے "شیر و شکر" میں تصریح کی ہے ولادت با سعادتش در مبارک سنہ ہزار و پانزدہ واقع شد مگر "تجلی نور اور "نزہتہ الخواطر" میں ملا صاحب کی پیدائش 993ھ درج ہے جو صحیح نہیں ہے ملا صاحب کی جائے پیدائش جونپور ہے جیسا کہ انھوں نے خود "الفرائد" کے شروع میں تحریر فرمایا ہے اما بعد فیقول العبد الملتجی الی ربہ الصمد محمود بن محمد الفاروقی محتداً الجونفور می مولداً ..... ان کے والد شیخ محمد 4 ربیع الاول 1027ھ میں فوت ہوئے اس وقت ملا صاحب کی عمر 12 سال سے بھی کم تھی اور نانا شیخ شاہ محمد زندہ تھے انھوں نے اپنے نواسے کو اپنی تعلیم و تربیت میں پروان چڑھایا ۔" (59)

ملا محمود جونپوری ماں کی طرف سے عثمانی اور باپ کی طرف سے فاروقی تھے ابتدائی تعلیم ملا شمس الدین سے جونپور ہی میں حاصل کی بارہ سال کی عمر میں ہی باپ کے سایہ شفقت سے محروم ہوگئے لہذا تعلیم و تربیت کا دوسرا مرحلہ ننہال میں نانا کے زیر نگرانی انجام پایا ۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے

---

(59) مولانا قاضی اطہر مبارکپوری ۔ دیار پورب میں علم اور علما ص 306 و 307 معارف جون 1973ء ص 424

بعد جونپور کے افضل العلماء استاذ محمد افضل بن همزه جونپوری کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ۔ سبحته المرجان میں لکھا ھے کہ ھندوستان میں دو فاروقی ایسے گزرے ھیں جن کا جواب نہیں ان میں سے ایک فاروقی شیخ احمد سرھندی اور دوسرے علوم عقلیه و ادبیه کے ماھر ملا محمد جونپوری پرورش اور نشوونما کا تذکرہ "نزھته الخواطر" کے مؤلف اس انداز میں کرتے ھیں ـــ

"و نشأ فی محمد جد شاه محمد و قرأ علیه الکتب الدرسیته
ثم لازم الشیخ الاستاذ محمد افضل بن همزه العثمانی الجونپوری
و اخذ عنه و اقبل علی المنطق والحکمته اقبالا کلیا حتی برز
فی تلک الفضائل و بریح اقرانه وله
بسمع عشرته سنته ۔ وکان غایته فی الذکاء و الفطنته و سیلان
الذهن و قوته الحفظ والادراک ۔" (60)

طالب علمی کے ھی زمانے میں ایسی شہرت اور ناموری حاصل ھوئی کہ بڑے بڑے علماء و فضلاء علمی مسائل پہ گفتگو کرنے سے احتراز کرتے اور آپ کی استعداد صلاحیت کے معتقد تھے ۔ وہ ملا محمد افضل جونپوری کے نہایت ھی چہیتے شاگرد تھے ان کے شاگردوں کی اگرچہ ایک طویل فہرست ھے مگر ان میں سب سے زیادہ شہرت ملا محمود جونپوری کو حاصل ھوئی ۔ استاذ الملک ملا افضل اپنے دونوں شاگردوں دیوان عبد الرشید (م 1083ھ) اور ملا محمود جونپوری (م 1062ھ) پر بڑا فخر کرتے تھے ۔ انھوں نے 17 سال کی عمر میں علوم

---

(60) سید عبد الحئی الحسنی ۔ نزھته الخواطر ۔ ج 5 ص 409

میں علوم کی تکمیل کے بعد درس کو زینت بخشی کم عمری میں اس عظیم کارنامے کا ذکر "البحرالعلوم" کے مؤلف یوں کرتے ہیں ـــ

" وفرغ من تحصیل العلوم و ھوابن سبع عشرته سنته له تصانیف شھیرته منھا الفرائد شرح الفوائد (القاضی عضدالدین الایجی فی المعانی والبیان) و علق علیه حاشیته احسن فیھا کل الاحسان ۔" (61)

ملا محمود جونپوری تعلیم سے فراغت کے بعد درس و تدریس میں مشغول ہوگئے دور دراز علاقوں سے تشنگان علم آپ سے فیض حاصل کرنے کے لئے جونپور آنے لگے ملا محمد صادق ملا دائم قادری ۔ ملا محمد جمیل اور بہت سے شاگردوں نے آپ سے علم حاصل کرکے گھر کی چوکھٹ سے ایوان شاھی تک آپ کی شہرت میں چار چاند لگائے ۔ حتی کہ شاہ جہاں بھی آپ کی لیاقت اور قابلیت کا قائل ہوگیا ۔ اس نے ملا جونپوری کو دارالسلطنت دھلی میں طلب کرکے زمرۂ فضلائے شاھی میں شامل کرلیا اور منصب سہ صدی ذات سے نوازا جب وہ دھلی بادشاہ کی طلب پر آئے تو وزیر سعد اللہ خان نے ان کا شاھانہ طریقہ سے استقبال کیا اور دربار میں شاہ جہاں نے ان کو اپنے پہلو میں جگہ دی جس سے ان کی شہرت میں مزید اضافہ ہوا ۔ انھیں بادشاہ اور اس کے امراء وزراء کی خصوصی توجہات حاصل تھیں شاہ جہاں۔ شہزادہ شجاع ۔ آصف خاں ۔ شائستہ خاں اور سعد اللہ خاں وغیرہ ان کے عقیدت مندوں میں شامل تھے ۔ مستقل جاگیر کے علاوہ درباری منصب بھی عطا کیا گیا تھا ۔ وہ نہایت فارغ البالی سے

---

(61) نواب صدیق حسن خان ۔ ابجد العلوم ۔ ص 901

زندگی بسر کرتے تھے ۔ جونپور کے مدرسہ شاھی میں درس و تدریس کی خدمات انجام دیتے رھے ان کے معاصر تذکرہ نگار بھی ان کی تعریف میں رطب اللسان ھیں محمد صالح کنبوہ لکھتے ھیں ــــ

" فضل و دانش کا نیّر تاباں جونپور میں پیدا ھوا سخنوری اور سخندانی میں بڑا فضل و کمال پایا تھا ۔ تمام علوم بالخصوص فلسفہ ، منطق ، ریاضی ، طبیعات ، الہیات اور منقولات میں بڑے باکمال مقابلہ کرنے سے بڑے عاجز تھے ۔ لیکن تیز زبانی اور گویائی سے بہر مند نہ تھا ۔ البتہ تحریر و تصنیف میں اس کا قلم نہایت رواں تھا کلام اللہ کی تفسیر اور حقائق اشیاء کی تشریح کرتے وقت ایسے ایسے نکتے قلم سے نکلتے تھے کہ معنی پردازی کا حق ادا ھو جاتا ۔" (62)

ملا محمود جونپوری کی بتحر علمی کی شہادت سید اقبال احمد جونپوری اپنی شہرہ آفاق کتاب " تاریخ سلاطین شرقی و صوفیائے جونپور" میں یوں دیتے ھیں وہ لکھتے ھیں کہ ــــ

" شاہ ایران کی طرف سے ایک سفیر الکمج نامی شاہ جہاں کے دربار میں آیا وہ مادر زاد اندھا تھا ۔ لیکن قدرت نے اس کی چشم باطن کو روشن کردیا تھا ۔ علوم عقلی و نقلی میں اور دیگر علوم و فنون میں اس کو مہارت تامہ حاصل تھی ۔

---

(62) محمد صالح کنبوہ ترجمہ ممتاز لیاقت ۔ شاہ جہاں نامہ ص 566

اس نے "اثبات ھیولیٰ" پر علماء ھند سے مناظرہ کی خواھش ظاھر کی بادشاہ نے اکبرآباد وغیرہ کے علماء کو بلایا مگر مناظرہ میں وہ اکبج کے سامنے ٹھہر نہ سکے اور شکست فاش ھوگئی شاہ جہاں کو اس واقعہ سے بڑا افسوس اور تعجب ھوا اس نے ارکان دولت سے کہا میری قلمرو میں بڑے بڑے علماء و فضلائے روزگار موجود ھیں لیکن اس میں سے کسی ایسے عالم کو بلایا جائے جو اکبج سے مناظرہ کرسکے اور ھندوستان کی شان پر کوئی حرف نہ آئے وزیر سعد اللہ خاں جو حضرت ملا محمود جونپوری کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرچکے تھے ان کو آپ کی ذھانت و فطانت کا پورا علم تھا ناظم جونپوری کے نام شاھی فرمان بھیجا کہ علامہ کی خدمت میں خود حاضر ھوکر اور شاھی فرمان پیش کرکے پھر کسی طرح ان کو دارالخلافہ آنے کے لئے راضی کیا جائے چنانچہ ملا محمود جونپوری بہت ھی کروفر اور جاہ و جلال کے ساتھ دھلی روانہ ھوئے اور جب قریب دھلی پہنچے تو وزیر سعد اللہ خاں آصف خاں اور دوسرے ارکان دولت نے بڑھکر حضرت ملا کا استقبال کیا اور کمال تعظیم و توقیر اور عزت و حرمت کے ساتھ ان کو دربار میں لے گئے اور شاہ جہاں کے حکم سے مجلس مناظرہ منعقد ھوئی جس میں اثبات ھیولیٰ کی بحث چھڑ گئی ۔ اکبج نے اثبات ھیولیٰ پر بہت سے دلائل پیش کئے اور خزانہ علم کو خالی کردیا حضرت ملا محمود جونپوری نے

اکبر کی ہر دلیل کا ایسا کافی و شافی جواب دیا کہ تمام حاضرین مجلس انگشت بدنداں رہ گئے ۔

"آخر میں اکبر نے حضرت ملا صاحب سے کہا اچھا اگر آپ کے پاس اثبات ہیولیٰ پر کوئی دلیل ہو تو بیان کریں حضرت ملا نے اثبات ہیولی پر اپنا ایک رسالہ "الدولتہ المیادتہ فی حدیقتہ الصورتہ و المادتہ" پیش کیا ۔ اس کے علاوہ اثبات ہیولیٰ پر چند خاص دلائل بیان کئے اس کو سن کر اکبر بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھا اور حضرت ملا کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور اپنی کمر کا خنجر ان کی کمر میں باندھ دیا اور ان الفاظ میں حضرت ملا محمود جونپوری کے علم و فضل کا بھری مجلس میں اقرار و اعتراف کیا ۔

"جوانے بایں فہم و فراست از ولایت ایران تا ہندوستان کمستر یافتہ ۔" (63)

(ترجمہ) ایسی فہم و فراست اور ذہانت و فطانت کے جوان عالم ایران سے لے کر ہندوستان تک بہت ہی کم نظر آئے ہیں ۔"

شاہ جہاں ملا محمود جونپوری کی کامیابی پر بہت خوش ہوا اور زر و جواہر سے بھرا ہوا خوان ان کی خدمت میں پیش کیا چند روز بعد جب اکبر واپس ایران جانے لگا تو اس نے درخواست کی ملا جونپوری کی تصانیف بھی شاہی تحائف میں شامل کی جائیں اور شاہ ایران کی خدمت میں بھی یہ تحفہ

---

(63) مولانا اطہر مبارکپوری ۔ دیار پورب میں علم اور علماء ص 314-317

بھیجا جائے ۔ ملا محمود خود بھی بڑے غیور و حساس تھے اور علماء و فضلاء کی غیرت و حمیت سے بھی اچھی طرح واقف تھے انھوں نے بادشاہ سے کہا کہ یہ عالم حد درجہ غیور و حساس ہے اور معقولات میں کسی کو اپنا ہم پلہ نہیں سمجھتا اس مناظرہ میں شکست فاش اور خفت کی وجہ سے یہ زندہ نہیں رہ سکے گا ان کا یہ اندازہ بالکل صحیح ثابت ہوا اور اکبر اکبرآباد سے ایران جاتے ہوئے تیسری ہی منزل پر فوت ہوگیا ۔

حوض شمسی کا واقعہ ـــ

ملا محمود جونپوری کو نہ صرف یہ کہ حکمت و فلسفہ پر مہارت حاصل تھی بلکہ ریاضی حساب اور مقدار و پیمائش کا بھی بخوبی علم تھا ایک مرتبہ وہ احباب کے ساتھ سیر کرتے ہوئے دھلی میں حوض شمسی تک پہنچے اس حوض میں جھانک کر دیکھا اور برسبیل تذکرہ کہنے لگے کہ اس میں پانی مقدار اتنی ہے تو لوگوں کو بڑا تعجب ہوا اور ان کی آزمائش کرنی چاہی چنانچہ تھوڑے عرصہ بعد اس حوض سے کچھ پانی نکال دیا گیا پھر اس کے بعد ان کا جب دوبارہ ادھر سے گزر ہوا تو دوستوں نے پوچھا اب بتائیے حوض میں پانی کی مقدار کتنی ہے انھوں نے بغور جائزہ لیا اور فرمایا اس میں سے اتنی مقدار میں پانی نکال لیا گیا ہے اور یہ مقدار اتنی تھی جتنے گھڑے نکالے گئے تھے ۔ یہ سن کر لوگ آپ کی حکمت دانشمندی اور فن مہارت کے معترف ہوگئے ۔ "تاریخ سلاطین" شرقی و صوفیائے جونپور کے مؤلف ان کے بارے میں لکھتے ہیں ـــ

"ایک بار شاہ جہاں لاہور گیا اس کے ساتھ ملا محمود جونپوری اور حضرت ملا عبدالحکیم سیالکوٹی بھی تھے یہ

تینوں حضرات حضرت میاں میر لاھوری کی خدمت میں پہنچے لیکن اقلیم فقر کا یہ تاجدار (میاں میر) ان لوگوں کی طرف متوجہ نہ ھوا اس کا ان اقلیم دنیا کے شہنشاھوں کو رنج ھوا اور عالمانہ شان میں میاں میر سے کہا ۔

"توجہ بعلماء نہ کردن چہ معنی دارد "

پھر بھی میاں میر نے اس کا کوئی جواب نہ دیا اندر گئے اور اپنا کمبل لاکر بچھا دیا اور اس پر خود مؤدب ھوکر بیٹھے اور ان دونوں فاضلوں کو بھی بٹھا کر فرمایا ۔ میں جاھل ھوں اور آپ حضرات عالم ھیں اس شعر کا مطلب مجھے سمجھا دیں ؎

مبادا دل آں فرو مایہ شاد * کہ از بہر دنیا دہد دیں بباد

(ترجمہ) ایسا نہ ھو کہ دل فرومایہ شاد ھو جائے جس نے دنیا کے لئے اپنا دین بادشاہ کی نذر کردیا ھے ۔

یہ شعر سن کر حضرت مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی لوٹنے لگے اور گریہ کی کیفیت طاری ھوگئی اور ملا محمود بہت ھی متاثر ھوئے گریبان چاک کرڈالا اور درباری زندگی اور شاھی ملازمت و جاہ حشم ترک کرکے جونپور چلے گئے اور باقی زندگی تدریس و تصنیف میں گذار دی۔" (64)

جونپور واپس آکر تصوف کی طرف مائل ھوئے اور جب شاہ شجاع کی تربیت کے لئے بنگال گئے تو شیخ نعمت اللہ فیروزی سے بیعت و ارادت حاصل

---

(64) سید اقبال احمد ۔ تاریخ سلاطین شرقی و صوفیائے جونپور ۔ ص 1349

کی اور اپنا زیادہ وقت ذکر و ازکار و ریاضت میں گذارا ۔ وہ حکیم و فلسفی ہونے کے ساتھ ساتھ شاعرانہ ذوق بھی رکھتے تھے ۔ انھیں تمام علوم پر مہارت تامہ حاصل تھی ۔

وفـــــات ـــــ

بالآخر دور شاہ جہانی کے اس نامور عالم نے زیادہ عمر پائے بغیر 1062ھ/ 1652ء میں اس جہانِ فانی سے کوچ کیا ۔ مؤلف مآثر الکرام یوں لکھتے ہیں ـــــ

"رحلت ملا محمود نہم ربیع الاول سنہ 1062ھ اثنین و ستین و الف ۔" (65)

اور "نزہتہ الخواطر" میں ان کی وفات کے بارے میں لکھا ہے ـــــ

"توفی لتسع خلون من ربیع الاول سنتہ اثنین و ستین و الف بمدینتہ جونپور و قبرہ مشہور ظاہر خارج البلدتہ ۔" (66)

اس کے بر خلاف اللفاضتہ القدسیتہ کے مصنف مولنا محمد شریف مصطفی آبادی نے اپنے مقدمہ میں ان کی وفات 1032ھ بتائی ہے جو حالات و تاریخ کی روشنی میں صحیح نہیں ہے کیونکہ ملا جونپوری کی ولادت 1015ھ میں ہوئی جس پر تجلی نور اور نزہتہ الخواطر کے علاوہ سب مؤرخین کا اجماع ہے کیونکہ ملا محمود کے بہنوئی اور ہمعصر شاہ ابوالخیر ابو سعید فاروقی بھیروی نے

---

(65) غلام علی آزاد بلگرامی ۔ مآثر الکرام ج ، 1 ص 203

(66) سید عبدالحئی الحسینی ۔ نزہتہ الخواطر ۔ ج ؛ 5 ، ص ؛ 411

بھی ان کی وفات 1062ھ میں بتائی ہے ان کی وفات علم و فن کی وفات تھی ۔ ملا محمود جونپوری کے استاذ ملا محمد افضل کو ان کی وفات کا صدمہ اس قدر ہوا کہ چالیس دن تک مسکرائے تک نہیں اور پھر اسی غم و اندوہ کی حالت میں انتقال کرگئے ۔ تجلی نور کے مصنف نے ملا جونپوری کی وفات پر اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے ؎

"دریغا ز دنیائے نا پائیدار * سفر کرد محمود عالی تبار
ستھی شد زمانہ ز علم وھنر * بجز جاھلے نیست کہ غمگسار
زمیں گردش آسماں نیلگوں * سیہ گشت گیتی جہاں سوگوار
رگ ابرار اشکباری ھنوز * مطرِ برق ورما تمش بیقرار (67)

(ترجمہ) ھائے افسوس ملا محمود عالی تبار اس دنیائے بے ثبات سے رخصت ہوگئے ۔ زمانہ علم و ھنر سے خالی ہوگیا اب جاھلوں کے سوا کوئی غمگسار باقی نہیں رھا ۔ محمود کے ماتم میں زمین غبار ہوگئی نیلگوں آسمان کالا پڑ گیا ساری دنیا غمزدہ ہوگئی ۔ بادل آج تک آنسو بہا رھے ھیں ۔ بجلیاں آج تک پیچ و تاب کھا رھی ھیں ۔

حضرت ملا محمود جونپوری کے بارے میں مؤلف تاریخ سلاطین شرقی اور صوفیائے جونپور رقمطراز ھیں ۔

"ملا محمود جونپوری کی وفات 9 ربیع الاول 1062ھ/ 1652ء میں جونپور میں ہوئی ۔" (68)

---

(67) قاضی اطہر مبارک پوری ۔ "دیار پورب میں علم اور علماء" ص 333
تذکرہ علمائے ھند 321 - مآثر الکرام ص 203

(68) سید اقبال احمد ۔ تاریخ سلاطین شرقی و صوفیائے جونپور ج 2
ص 1349

ملا محمود جونپوری اپنے آبائی قبرستان فتدپورہ متصل روضہ جمال خاں اندر چہاردیواری دفن ہوئے ان کے جیسی عظیم ہستی جس نے خدا داد ذہانت و فطانت سے ایران کے فلسفی سے ہندوستان کی آبرو رکھنے والے اور عرب و عجم کے علماء و فلاسفر سے خراج تحسین حاصل کرنے والے عالم کے مزار کی حالت اسقدر خراب ہے کہ عوام تو عوام علماء جونپور جو ان کی کتاب شمس بازغہ کا درس دیتے ہیں وہ بھی کبھی ایصال ثواب کے لئے مزار پر نہ گئے سید اقبال احمد ان کے قبرستان کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں ـــ

"قبرستان کی چوحدی یہ ہے پچھم کھیت ٹھاکر داس
پورب صحن و راستہ بعدہ مکان - اتر تکیہ و عام قبرستان
و روضہ جمال خاں دکھن کھیت لال جی موریہ وغیرہ کا ہے۔" (69)

تصنیفات ـــ

ملا محمود جونپوری کو علوم عقلیہ و نقلیہ دونوں میں یکساں مہارت تھی انھوں نے ایک طرف علوم عقلیہ میں شمس بازغہ جیسی اہم کتاب تصنیف کرکے فلسفہ میں امتیازی حیثیت قائم کی دوسری طرف علم معانی و بیان و شاعری وغیرہ میں اپنی مہارت کا ثبوت دیا ذیل میں ان کی تصنیفات کا اجمالی خاکہ پیش کیا جارہا ہے ـــ

1 - الشمس البازغہ

2 - الفرائد فی شرح الفوائد

3 - الفرائد

---

(69) سید اقبال احمد - تاریخ سلاطین شرقی و صوفیائے جونپور ص 1357

4 - الدوحته المیادته فی حدیقته الصورته والحادته

5 - رساله فی الکلی و الجزئی

6 - رساله ارتفاع النقیضین

7 - نائیکا بھید

8 - اقسام نسواں

9 - رساله جبر و اختیار

1 - شمس بازغه ـــ

یه ان کی شهره آفاق تصنیف هے جو ان کے معقولی علوم و فنون کا ترجمان هے انھوں نے اس کو ایسے وقت تصنیف کیا تھا جبکه چاروں طرف سے پریشانیوں و بیماریوں نے ان کو جکڑ رکھا تھا اور صحت و تندرستی تقریباً جواب دے چکی تھی جیسا که خود لکھتے هیں ـــ

"کنت ادب فی التالیف دہیاوان للدھر فی تقریب جمانی
ارقالاً و تقریباً حینا او سودت کثیر امن مباحث ماقبل
الطبیعته و بقی اکثر و املیت من و طالب ما بعد الطبیعته
الاقل الاندر ھجم المرض الوھیل و ضرب علی طبل الرحیل ۔" (70)

اس کتاب میں انھوں نے الحکمته البالغته کے نام سے متن لکھکر "الشمس البازغته" کے نام سے اس کی شرح کی هے اس کے علاوہ بہت سے مباحث ان کی سخت بیماری کے سبب شمس بازغته میں آ نه سکے تھے جنھیں انھوں نے الگ رساله کی شکل میں ترتیب دیا تھا یه سب رسائل بھی شمس بازغته کے آخر میں موجود

(70) شمس بازغته (قلمی) ص 2 مسلم یونیورسٹی لائبریری علیگڑھ
سبحان الله کلکشن نمبر 110/25

ہیں - بعض مؤرخین نے ان کے رسالوں کو بھی الگ تصنیف قرار دیا ہے ان رسائل کے بارے میں عبدالحئی رقمطراز ہیں کہ ملا صاحب کی تصانیف میں سے اندوحتہ المیادتہ "رسالہ کلی و الجزئی - رسالہ تحقیق - اجتماع نقیضین و ارتفاع نقیضین بھی ہیں - جن سے غلام علی آزاد بلگرامی ناواقف تھے (71) - "شمس بازغہ" صرف حکیمانہ و فلسفیانہ مباحث کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ ادب و بلاغت کا بہترین نمونہ ہے کیونکہ وہ حکیم و فلسفی ہونے کے ساتھ ساتھ عربی ادب کا بھی نہایت ستھرا ذوق رکھتے تھے - اور یہی وجہ ہے کہ آج عرصہ دراز کے بعد بھی وہ داخل نصاب ہے وہ حکمت و فلسفہ کے ساتھ ساتھ فن ریاضی میں بھی عالی نگاہ رکھتے تھے جیسا کہ محمد صالح کنبوہ کی تحریر سے واضح ہے—

"در انواع فنون دانش خصوصی علم معقول و منقول و ریاضی و طبیعی والھی ہیچ کس از رباب استعداد را قوت دعوی برابری بادے نبود -" (72)

ان کی اس شہرہ آفاق تصنیف "شمس بازغہ" کے مخطوطات ہندوستان کی بہت سی لائبریریوں میں محفوظ ہیں - کلکتہ - رام پور لائبریری - نیز علیگڑھ یونیورسٹی لائبریری کے سبحان اللہ کلکشن وغیرہ میں محفوظ ہیں - ان میں پہلا نسخہ جو سبحان اللہ کلیکشن نمبر 110/7 ہے - یہ انتہائی شکستہ حالت میں ہے تحریر بھی بہت مشکل سے پڑھی جاتی ہے ہر صفحہ میں 21 سطریں ہیں اور کل 43 اوراق ہیں اس نسخہ کی طبائی نو اعشاریہ تین انچ ہے اور چوڑائی پانچ اعشاریہ پانچ انچ ہے - اس مخطوطے کے علاوہ ایک اور نسخہ بھی اسی

---

(71) قاضی اطہر مبارکپوری - دیار پورب میں علم اور علماء - ص 342

(72) محمد صالح کنبوہ - عمل صالح ج سوم ص 383 - 384

لائبریری میں موجود ہے - سبحان اللہ نمبر 110/25 - یہ بھی عربی زبان میں ہے اور صاف اور سادہ انداز میں تحریر کیا گیا ہے اس کے پہلے صفحہ پر لکھا ہے

الجزالاول - ھذہ الرسالتہ مسمیًا للمتن بالحکمتہ البالغتہ والشرح بالشمس البازغہ من تصنیفات مولانا محمود الجونپوری نوراللہ تعم مرقدہ -

اس مخطوطے کے 230 اوراق ہیں اور ہر صفحہ میں 17 سطریں ہیں اس کی لمبائی دس اعشاریہ چار انچ ہے اور چوڑائی چھ اعشاریہ چھ انچ ہے اس کی ابتدا یوں کی گئی ہے —

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحمد اللّٰہ حمد الشاکرین و اصلی علی محمد و آلہ الطاھرین اما بعد فانی کنت قد انتصت لتعلیم ما علمنی اللّٰہ والھمنی والصدق المھبین و الحق الیقین من اسرار الحکمتہ الحفتہ الحقیقہ الموزونہ بقسطاس البرھان الواجب التاع المنخولہ عن اخالیط الجدل ....."

2 - الفرائد فی شرح الفوائد —

یہ کتاب الفوائد الغیاثیہ کی شرح ہے جو مشہور عالم متکلم امام قاضی عضدالدین الایجی (م - 756ھ) کی تصنیف "الفوائد الغیاثیہ" اور اس کا حاشیہ دونوں ان کے علمی ذوق و شوق اور ادب و بلاغت کا مظہر ہیں - ملا محمود جونپوری جو ادب و بلاغت کے شیدائی تھے ان کو اپنے ذوق کے لئے اس فن کی

کسی معیاری کتاب کی تلاش تھی آخر ان کی نگاہ انتخاب "الفوائد الغیاثیہ" پر ٹھہری اور اس کی بہترین شرح کی اور شاہ جہاں کی نذر کردی اور جو لوگ ان کو صرف حکیم و فلسفی سمجھتے تھے ان کے اس کارنامہ پر ششدر رہگئے۔

ملا محمود جونپوری نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف "الفرائد فی شرح الفوائد" لکھنے کے بعد خود ہی اس کا حاشیہ بھی لکھا ہے جس سے اس کی قدر و منزلت میں اور اضافہ ہوگیا ۔ علمائے کرام نے ان کے اس کارہائے نمایاں کو نہ صرف سراہا بلکہ ان کی شان میں توصیفی کلمات بھی کہے ۔ مولانا آزاد بلگرامی نے لکھا ہے کہ ملا محمود نے فوائد کے حاشیہ میں نہایت عمدگی اور سلیقہ مندی سے کام لیا ہے یہ حاشیہ در حقیقت بڑی شرح ہے جس سے ان کی بحر علمی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے ۔ وہ لکھتے ہیں ـــ

"و علق علیہ حاشیہ احسن فیہا کل الاحسان و ہو شرح
جلیل القدر یعرف منہ بحرہ فی علوم الفصاحتہ طالعتہ کثیرا۔" (73)

مولانا عبد الحئی فرنگی محلی نے شمس بازغہ کے آخر میں لکھا ہے کہ ملا صاحب نے الفرائد پر حاشیہ تحریر کیا جو اصل کتاب سے زیادہ ہے اس میں خوش کن عجائب بیان کئے ہیں جن سے ذہنوں کو نشاط اور کانوں کو فرحت ملتی ہے ۔

3 ۔ الدوحتہ المیادتہ فی حدیقتہ الصورتہ والمادتہ ـــ

ملا محمود جونپوری جب شمس بازغہ تصنیف کر رہے تھے تو مختلف النوع امراض نے انھیں اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا تھا ۔ یہ مرحلہ ان کے لئے بڑا

---

(73) قاضی اطہر مبارکپوری ۔ دیار یورپ میں علم اور علماء ص 343
غلام علی آزاد بلگرامی ۔ سبحتہ المرجان ص 53

دشوار کن تھا ۔ اس دوران انھوں نے ماقبل الطبیعہ کے بہت سے مباحث کا مسودہ تیار کرلیا تھا جو ان کے مقررہ معیاد کے عین مطابق تھا ۔ چنانچہ انھوں نے انھیں پر ابواب قائم کئے البتہ ماہعد الطبیعہ کے جو گنجلک مسائل تھے اور جس کی نظم و ترتیب کے لئے وقت درکار تھا ان مسائل مبادی اجسام کو بعد میں ایک علیحدہ رسالہ کی شکل میں مرتب کیا جس کا نام " الدوحتہ المیادتہ فی حدیقتہ الصورتہ المادتہ، رکھا جیسا کہ شمس بازغہ میں خود فرماتے ہیں ـــ

" وکان ماسورتہ معا قبل الطبیعتہ الذی کنت فردتہ وکان ما شیرلی من تالیف ما بعد الطبیعتہ مباحث مسودہ قریب مما جوّتب علیہ الکتاب و قدرتہ علیہ نظم الابواب والا ان جملتہ منھا کان تنسبقہ النظام وھی المباحث المتعلقتہ بمبادی الأجسام وجعلتھا رسالتہ مفرد بالدوحتہ المیادہ فی حدیقتہ الصورتہ والمادتہ ۔" (74)

5 - رسـاله فی الکلی و الجـزئی ـــ

یہ رسالہ بھی ملا محمود جونپوری کی غیر معمولی ذکاوت و ذہانت کا اعلی شاہکار ہے جو فی الحقیقت شمس بازغہ کے مباحث کا تتمہ اور تکملہ ہے اور شمس بازغہ کے آخر میں الدوحتہ المیادتہ فی حدیقتہ الصورتہ والمادتہ کے بعد بسم اللہ سے شروع ہوتا ہے اور متن و شرح پر مشتمل ہے ۔

---

(74) شمس البازغہ (قلمی) ص 2 ۔ سبحان اللہ کلکشن نمبر 110/25 مسلم یونیورسٹی لائبریری علی گڑھ

6 - رسالہ ارتفاع النقیضین ـــ

مولانا عبدالحئی فرنگی محلی نے اس رسالہ کا نام رسالہ فی تحقیق اجتماع النقیضین و ارتفاعھا لکھا ھے - یہ رسالہ بھی شمس بازغہ کے آخر میں متن و شرح پر مشتمل ھے اور رسالہ کلی والجزئی کے بعد فی ارتفاع النقیضین کے نام سے شروع ھوتا ھے -

7 - نائیکا بھید ـــ

ملا محمود جونپوری اپنے دور کے عالم بے کراں تھے جنھیں تمام مروجہ علوم میں مہارت حاصل تھی - وہ حکیم و فلسفی ھونے کے ساتھ شاعرانہ ذوق بھی رکھتے تھے ان کی زندہ دلی اور شاعرانہ دلچسپی کا ثبوت ان کا رسالہ "نائیکا بھید" ھے یہ فارسی زبان میں ھے اور اب نایاب ھے قاضی اطہر مبارکپوری کے علاوہ تمام تذکرہ نگاروں نے ان کے اس شاعرانہ ذوق سے پہلو تہی کی ھے - قاضی صاحب نے نائیکا بھید کا تذکرہ اپنی کتاب میں کیا ھے - مولانا آزاد بلگرامی کے بقول اس میں عورتوں کی قسمیں بیان کی گئی ھیں ان کی شاعری کے متعلق قاضی اطہر مبارکپوری نے تجلی نور کے حوالے سے لکھا ھے ـــ

"ملا محمود جونپوری طبع سخنوری ھم نیکو داشت
شاعر اوابند و موجد انداز ھائے دل پسند بود
تخلص محمود کرد دو دیوان فارسی دارد یکے
دیوان شعراء دو عین مستند شعراء -" (75)

---

(75) قاضی اطہر مبارکپوری - دیار پورب میں علم و علماء ص 328

(ترجمہ) ملا محمود شاعرانہ طبیعت رکھتے تھے وہ نہایت اچھے شاعر اور دل پسند طریقوں کے موجد تھے ۔ کامیاب شاعر تھے ۔ تخلص محمود تھا ان کے فارسی اشعار کے دو دیوان تھے ایک دیوان شعراء اور دوسرا مستند شعراء قاضی صاحب آگے اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کے دونوں دیوان صرف ان کے اشعار پر مشتمل نہ تھے بلکہ ناموں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک میں مختلف شعراء کے منتخب اشعار تھے جن میں انھوں نے اپنے اشعار بھی درج کئے تھے اور دوسرے مستند شعراء کے حالات و اشعار تھے ۔ انھوں نے تجلی نور کے حوالہ سے ملا محمود کے چند اشعار لکھے ہیں ؎

"ہر آں مے کہ ندارد خمار در لب تست
چرا در چشم تو پیوستہ در خمار بود
اشکے کہ راز عشق بگوید فشاند نی ست
طفلے کہ خوش محاورہ افتد نماند نی ست
حظ کر و ظاہر آں دہن غنچہ رنگ را
درکار بودہ حاشیہ ایں متن تنگ را
ہر صوفی بے وجد و بال است عبادت
ہر شیشہ کہ خالی مست ذمے سجدہ حرام است
ریخت کافر بچہ خون مسلمان را
یاد آں روز کہ من نیز مسلمان بودم
سیب چاک گریباں من خستہ مپرس
کہ شب غم باجل دست و گریباں بودم " (76)

---

(76) قاضی اطہر مبارکپوری ۔ دیار پورب میں علم اور علماء بحوالہ تجلی نور ص 329

(ترجمہ) ھُر[1] وہ شراب جس میں تیرے ہونٹوں کا نشہ نہ ہو تو تیری آنکھ بھی ہمیشہ خمار آلود ہو - جن[2] آنسوؤں سے راز عشق ظاہر ہو وہ جھڑ جاتے ہیں خوش گفتار بچے زندہ نہیں رہتے - پھول[3] جیسے چہرے کو نمایاں کرنے کے لئے خط ضروری ہے یعنی مختصر عبارت (متن) کی تشریح کے لئے حاشیہ ضروری ہوتا ہے - بے[4]حال صوفی پر عبارت بھی وبال ہے جو شیشہ شراب سے خالی ہو اس پر سجدہ حرام ہے - جب کافر[5] نے مسلمان کا خون بہایا تو مجھے بھی یاد آیا کہ کبھی میں بھی مسلمان تھا یعنی اگر میں آج تک سچا پکا مسلمان ہوتا تو مجھے بھی جام شہادت میسر ہوتا - میری خستہ[6] حال چاک گریبانی کی کیفیت نہ پوچھ اس لئے کہ غم کی رات ایسی گذری ہے جس میں میں اور موت باہم دست و گریباں تھے یعنی میں موت کی کشمکش کر رہا تھا -

8 - اقسام نسواں —

ملا محمود جونپوری کا یہ چہار ورقہ رسالہ فارسی زبان میں ہے جو بقول مولنا آزاد بلگرامی فن نائیکا بھید میں ہے جس میں باعتبار سن و سال و بلحاظ بمعمر و مراتب عورتوں کی مختلف قسمیں اور الگ الگ نام بیان کئے گئے ہیں اگرچہ یہ کتاب نایاب ہے لیکن بعض مؤرخین اس کا ذکر کرتے ہیں —

"و للعلامته رسالته موجزه اربعته اوراق متوسطته بالفارسیته فی اقسام نسواں بین فیھا اقسامھن و تعارلیفھن خالیته من الامثلته لتعدرھا لان الفرس مغاذ التھم بالاثار دللھا لجزائد -" (77)

---

(77) غلام علی آزاد بلگرامی - سبحتہ المرجان ص 54

ما بعد کے تذکرہ نگار جنھوں نے ملا جونپوری کی اس نایاب کتاب کا حوالہ دیا ھے ان میں سے بیشتر کا مآخذ و مرجع یہی چند کتابیں شیروشکر۔ تجلی نور۔ اور سبحتہ المرجان وغیرہ ھیں ۔

9 - رسالہ تحقیق قضا و قدر (جبر و اختیار) ـــ

یہ رسالہ قضا و قدر کی تحقیق میں فارسی زبان میں ھے اس کا تذکرہ قاضی اطہر مبارکپوری نے اپنی کتاب میں یوں کیا ھے ـــ

"اس رسالہ کا اردو ترجمہ سرشاہ سلیمان نے الہ آباد میں ایک عالم سے کرایا تھا ۔ جس پر مولنا محمد شریف مصطفی آبادی صاحب الافاضتہ القدسیتہ نے تعاقب لکھکر دوسرے کے نام سے شایع کیا تھا ۔ مولنا اس زمانہ میں مدرسہ مصباح العلوم میں صدر مدرس تھے ۔" (78)

اس کے بعد اس رسالہ کو علی مہدی خاں نے 1934ء میں ایڈٹ کراکے برکات اکبر پریس الہ آباد سے شائع کیا جس میں متن کے ساتھ اس کا اردو ترجمہ بھی شامل ھے اس کے مقدمہ میں جونپور شہر کی سیاسی۔ سماجی و معاشرتی اور علمی و ادبی تاریخ سے بحث کی گئی ھے لیکن کافی تلاش کے بعد بھی یہ نسخہ حاصل نہ ھوسکا ۔ علی مہدی خاں اس رسالہ کے تعارف میں لکھتے ھیں فطری طور پر ھمیں یہ توقع رکھنی چاھئے کہ اس کے نسخے ملا محمود کے تلامذہ اور پسماندگان کے پاس رھے ھونگے لیکن ایسا معلوم ھوتا ھے کہ اس زمانہ کے علماء فلسفہ و حکمت نے اس رسالہ کو زیادہ اھمیت نہیں دی ۔ کیونکہ بیشتر علماء کے

(78) قاضی اطہر مبارکپوری ۔ دیار پورب میں علم اور علماء ۔ ص 344

کے پاس اس کے نسخے مفقود تھے - ان کے سوانح نگاروں نے بھی ان کی تصنیف کی جو فہرستیں دی ہیں ان میں اس رسالہ کا ذکر نہیں یہاں تک کہ مآثر الکرام - سبحتہ المرجان یا تذکرہ علماء ہند میں اس کا ذکر نہیں ملتا - مولنا عبدالحئی نے اس کے اصل نام کے بجائے رسالہ فی تحقیق القضاء والقدر سے موسوم کیا ہے البتہ حافظ عابد حسین جو ملا جونپوری کے خانوادے سے تعلق رکھتے تھے انھیں حسن اتفاق سے یہ رسالہ میسر آگیا تھا - وہ اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں ـــــ

"فلما ساعد فی الزمان غبّ اوقات زمان رحلت الاله اباد
حرسها الله عن الفساد والکساد افاد فی الله تعالی
بالرسالتین له بشقّ الأنفس احدها فی القصائد متن
فی لسان عربی بین وثانیها بالجبر والاختیار بالفارسیته
نافعته القلوب الخاشیته والفاسیته فاغتنهما وحمدت الله
علی ذلک حملاً کبیراً و حتمت ان یعم نفعهما کثیرا -" (79)

غالباً یہ رسالہ اس زمانہ کی تصنیف ہے جب ان پر امراض کا ہجوم تھا- اور ضعف و بیماری کی وجہ سے وہ دربار کی حاضری اور خدمت گذاری سے معذور ہو چکے تھے جہاں تک موضوع کا مسئلہ ہے وہ فکر اسلامی کی تاریخ میں مشکل ترین مسئلہ ہے - بقول ملا محمود جونپوری از راہ تعارض دلائل غامض ترین مسائل است " فلاسفہ متقدمین متاخرین دونوں نے اسے حل کرنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوسکے جب اسلامی دور میں فلسفیانہ مباحث کا آغاز ہوا تو مسئلہ

---

(79) رسالہ جبر و اختیار ص 5 حوالہ معارف جولائی 1973ء ص 67-66

جبر و اختیار کو بھی موضوع بحث بنایا گیا ۔ عقیدہ جبر کے علمبردار جہم بن صفوان اور اس کے متبعین کا قول تھا کہ انسان مجبور ہے نہ اس کے لئے آزاد ارادہ ہے اور نہ ہی اس کو اپنے افعال کے خلق پر قدرت حاصل ہے بلکہ خود اللہ تعالی اس کے ہاتھوں اعمال و افعال کا خالق ہے جبکہ معتزلہ کا عقیدہ اس کے برعکس ہے ۔ ملا محمود جونپوری نے بھی اپنے ایک رسالہ کے آغاز میں معتزلہ کا مؤقف واضح کرنے کے بعد اسی مسلک کو واضح کیا ہے اور انسان ایک لحاظ سے مجبور ہے لیکن دوسرے اعتبار سے مختار ہے کیونکہ اس کے جملہ افعال و اعمال کسی علت کے محتاج نہیں اور وہ علت اس کی قدرت و ارادہ کا فعل سے تعلق ہے چنانچہ لکھتے ہیں ـــ

"و ارباب تحقیق فراتراز ہیں ہے پردہ باصرہ بصیرت مشاہدہ نمودہ اند کہ انسان مختارے است مجبور و قادرے است مضطر کہ انعاش اختیاری و اختیارش اضطراری چہ ہمچناں کہ افعالش بواسطہ امکان محتاج بعلت است کے آں قدرت و ارادہ او بلکہ تعلق آں ارادہ و قدرت تواند بود ہمچنان کہ تعلق قدرت و اختیار ممکن نہ واجب جائز است نہ ضروری پس بنابریں ناچار محتاج بود بہ مرجح کہ جانب وجودش را بر علوم ترجیح دہد و از جہت و ارادہ او کہ بقدرت و ارادہ حق تعالیٰ منوط مربوط بود ۔" (80)

آگے لکھتے ہیں کہ جس وقت قدرت و ارادہ انسانی کا تعلق فعل کے ساتھ بشرط وجود جملہ اسباب خارجیہ پیدا ہوتا ہے لازمی طور پر فعل معرض وجود میں آجاتا

---

(80) قاضی اطہر مبارکپوری ۔ دیار پورب میں علم و علماء ص 369

ہے اور جب یہ تعلق معلوم ہوتا ہے تو وجود فعل محال ہو جاتا ہے اس کی توضیح خود ملا محمود جونپوری فرماتے ہیں ـــ

"و اگر کسے نگاہے ژرف از نظام عالم بکار مردہ ارسوافل بعوالی و از ثوانی بہ اوائل سیر نماید بہ یقین دریابد کہ آخر ایں سلسلہ بہ اندیش در پیوستہ است و منتہائے ایں رشتہ بمبداش باز بستہ وچوں چنیں باشد پس ہنگام تعلق قدرت و ارادہ و اختیار بفعل باوجود سائر و شرائط و اسباب وجود فعل ضروری بود وگر نہ تخلف معلول از علت لازمہ آید دودفت عدم ایں تعلق وجود فعل محال باشد و اگر نہ ممکن از علت مستغنی گردد ۔" (81)

رسالہ جبر و اختیار کا جو اجمالی خاکہ پیش کیا گیا اس سے ملا صاحب کی عظیم المرتب شخصیت کا اور فلسفیانہ اور کلامی مباحث میں ان کی عبقریت کا پورا اندازہ ہو جاتا ہے واقعہ یہ ہے کہ مسئلہ جبر و اختیار دقیق ترین اور نازک ترین مسئلہ ہے اس لئے شارع علیہ السلام نے اس میں غور و خوض سے منع فرمایا ہے لیکن ملا صاحب نے اس مسئلہ کے غوامض و حقائق کو ایسی وضاحت سے بیان فرمایا ہے کہ یہ مسئلہ منقح و مجلی ہوکر ہمارے سامنے اُجاتا ہے۔

---

(81) قاضی اطہر مبارکپوری ۔ دیار پورب میں علم اور علماء ص 370

باب چہارم :

علمی و ادبی کارنامے

— تفسیر
— فقہ
— عقائد و علم کلام
— منطق و فلسفہ
— علم نحو و بلاغت
— مستقل تصانیف
— متفرق

علمی و ادبی کارنامے

جیسا کہ گذشتہ ابواب میں عرض کیا جاچکا ہے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی اپنے دور کے ایک با کمال عالم تھے اکثر معاصر تذکرہ نگار اور مؤرخ ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں ۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے انھیں "آفتاب پنجاب" قرار دیا ہے ۔ غلام علی آزاد بلگرامی نے لکھا ہے ــــ

"علامہ زماں و افتخار زمانیاں است الحق و در جمیع فنون درسی مثل او از زمین ہند بر نہ ساخت ۔"

ملا عبدالحمید لاہوری لکھتے ہیں ــــ

"در فنون علم بنام پادشاہ دانش نواز تصانیف رائقہ دارد ۔" (1)

وہ علوم عقلیہ و نقلیہ کے جامع اور اپنے عہد کے نامور عالم تھے ان کی شہرت ان کی حسین حیات میں قسطنطنیہ تک پہنچ چکی تھی چنانچہ حاجی خلیفہ (م ۔ 1068ھ ۔ 1657ء) نے اپنی تصنیف "کشف الظنون" میں ان کی تصانیف کا ذکر کیا ہے ۔ مولانا محمد ہاشم کشمی جو حضرت مجدد کے ارشد مریدوں میں سے تھے "زبدۃ المقامات" میں لکھتے ہیں کہ حضرت مجدد فرمایا کرتے تھے کہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی علوم عقلیہ و نقلیہ میں تصانیف عالیہ رکھتے ہیں اور اس وقت دیار ہند میں ان کا کوئی ثانی نہیں ۔ ابوالفیض کمال الدین نے بھی "روضہ قیومیہ" میں لکھا ہے کہ علامہ سیالکوٹی علمائے وقت کے پادشاہ اور تصانیف عالیہ تھے (2)

---

(1) پروفیسر اختر راہی ۔ تذکرہ مصنفین درس نظامی ۔ ص 141

(2) دائرہ معارف اسلامیہ (اردو) ج 12 (1393ھ/1973ء) ص 835

ان کا دائرہ تصنیف و تالیف خاصا وسیع تھا وہ علم کلام تفسیر منطق فلسفہ صرف و نحو اصول فقہ اور علم فرائض میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور ان تمام علوم میں ان کی تالیفات موجود ہیں منطق و فلسفہ اور اسلامی عقائد سے انھیں گہری دلچسپی تھی وہ ایک فاضل مصنف اور انشاء پرداز بھی تھے جس طرح و معقولات و منقولات کے درس میں مہارت فن کا ثبوت دیتے تھے اسی طرح تصنیفات و تالیفات میں زور قلم اور متانت بیان کا پورا لحاظ رکھتے تھے۔ عربی نثر میں ان کی تحریریں بہت اہمیت کی حامل ہیں ان کا تصنیفی میدان بیشتر شروح و حواشی کا رہا ہے اور ان کی تمام عمر درس و تدریس میں ہی گذری مولانا شبیر احمد خاں غوری ان کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں ـــ

"But when after the death of Jahangir ascended the throne, he took keen interest in the promotion of learning and knowledge and began to patronize the scholars and divines of his country. His fame as patron of science and literature reached even the distant corners of Persia and scholars of that country after completing their studies in Shiraz, came to India to avail the munificence of the Timurids, so much so, that Shiraz. The University town of the then Iran, was generally regarded as a training centre of India Nahandandi in his Maathir-i-Rahimi quotes a certain physician who had heard in Persia that."

شیراز مکتب خانہ ہندوستان است (3)

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے اپنی تمام عمر درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گذاری اور عہد اکبری میں اکبرآباد میں اس کے قائم کردہ مدرسے

---

(3) Journal of the Research Society of Pakistan, Oct. 1964, p.52

میں کافی عرصہ تک مشہور و معروف شاعر قدسی کے ساتھ فرائض درس و تدریس انجام دیئے جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ انھیں تمام علوم میں مہارت حاصل تھی اور ان تمام علوم میں ان کی کوئی نہ کوئی یادگار تصنیف ہے اگرچہ زیادہ تر معروف درسی کتابوں کے شروح و حواشی ہیں مگر انھیں کی بنا پر وہ علمی دنیا میں مشہور و معروف ہیں اور ہندوستانی علماء کی صف میں ایک اعلیٰ و ارفع مقام پر فائز۔ حافظ عبدالرحمان امرتسری نے اپنے سفرنامہ میں ان کی نسبت لکھا ہے۔

"مولوی صاحب شاہ جہاں بادشاہ کے زمانہ میں زبردست عالم اور صاحب تصانیف گذرے ہیں آپ نواب سعد اللہ خاں وزیر اعظم کے ہم سبق تھے ۔ عراق شام اور استنبول کی متعدد درس گاہوں میں مجھے آپ کی تصانیف داخل درس دیکھنے کا موقع ملا اگرچہ نواب سعد اللہ خاں کو ہندوستان کی وزارت کا رتبہ حاصل ہے مگر ہندوستان سے باہر بلاد اسلامیہ میں علمی حیثیت سے جو شہرت مولوی عبدالحکیم کو حاصل ہے اسے کوئی مصنف حاصل نہیں کرسکتا ۔" (4)

ان کی تالیفات عام طور پر ان کے مربی و قدر دان مغل شہنشاہ شاہ جہاں کے نام معنون ہیں ۔ غرضیکہ عبدالحکیم عہد شاہ جہانی کے ان عظیم علماء و فضلاء میں سے تھے جنھوں نے اپنے خون جگر سے گلستان علم کی آبیاری کی درحقیقت وہ علمائے وقت کے بادشاہ اور بلند پایہ علمی کتابوں کے مصنف تھے ۔ جس وقت انھوں نے جنم لیا پورے عالم اسلام پر جمود و انحطاط کا دور تھا اور علماء

---

(4) حافظ عبدالرحمن امرتسری ۔ سیاحت ہند لاہور ص 60

مصنفین نے نئی نئی تخلیقات اور تصانیف لکھنے کی بجائے اپنے آپ کو صرف شروح و حواشی تک مقید کرلیا تھا لہذا ایسے حالات میں ہندوستانی علماء سے اسی قدر ہمت کی توقع کی جاسکتی تھی اور وہ اس توقع پر حتی المقدور پورے بھی اترے اس وقت کے بڑے بڑے علماء و فضلاء متقدمین کے فنون کی تشریح و توضیح ہی میں مصروف تھے اس لئے شروح و حواشی اس دور میں اس قدر عتاب کی نظر سے نہیں دیکھے جاتے تھے بقول منشی محمد الدین فوق ـــ

"اس کوشش اور کاوش میں بعض بزرگوں نے اپنا نصب العین اور زندگی کا مدعا ہی چمنستان علم کی نخل پیرائی اور مشکل کتابوں کی عقدہ کشائی کو قرار دیا ۔ ان رہنمایان وادیٔ پر خار میں میرسید شریف جرجانی مولانا بحرالعلوم عبد العلی لکھنوی ہمارے مخدوم مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی یا ہمارے قریب تر زمانے میں مولانا عبد الحلیم لکھنوی اور ان کے فرزند مولانا عبد الحئی لکھنوی صف اول میں جگہ پانے کے مستحق ہیں ان بزرگوں کی بدولت سینکڑوں قابل قدر بیش قیمت مگر مشکل تصانیف کے گراں بہا جواہر ریزے صاف و مجلا ہوکر ہم تک پہنچے اور اسلامی لٹریچر کی نفیس نعمتیں اور باریک و لطیف بحثیں قیام و استحکام کا خلعت پہن کر اور سلاست و سہولت کے زیور سے آراستہ ہوکر نابینا کو بینا اور بےدست و پا کو کار فرما بنانے کا باعث بنیں سمجھنے میں ہماری ہمت قصور کرے اور ہماری نظر سیر چشمی دکھائے توچشمۂ آفتاب را چہ گناہ ۔" (5)

---

(5) ماہنامہ ثقافت جون 1967ء ص 15

ہوسکتا ہے کہ بعض لوگوں کی طبیعت "حواشی" سے بیزار ہو اور وہ حاشیہ کے نام سے چیں بجبیں ہو جائیں ان کی خدمت میں ڈاکٹر زبید احمد کا یہ بیان کافی ہے ــــ

"In regard to the commentries and glosses compiled in India. It may be stated generally that they are often more useful and more coplous then those produced outside India for instance. Haji Khalifah speaks highly of the glosses of Abdul Hakim where ever he mentions them. Professor Margoliouth has to the credit of India, expressed his appriciation of a Hashiyat al-Bayadawi composed in India in his preface to chrishtomathia Baidawiana." (6)

حقیقت یہ ہے کہ جس زمانہ میں مولانا عبدالحکیم نے جنم لیا وہ شروح و حواشی ہی کا دور تھا اس لئے شروح و حواشی کو اس قدر عتاب سے دیکھنا کچھ ایسا مستحسن امر بھی قرار نہیں دیا جاسکتا کیوں کہ انھوں نے ہر معروف درسی کتاب پر حاشیہ لکھا ہے اور شرح کی ہے جس سے طالب علموں کو بہت فائدہ ہوا اور اگر دیکھا جائے تو ان کے شروح و حواشی کے بغیر وہ کتاب حل ہی نہیں ہوسکتی اسی لئے اس سلسلے میں منشی محمد الدین فوق اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں ــــ

"ہمارا یہ زمانہ ہوتا تو ایسے متن اور شرحیں دریا برد کردی جاتیں اور سہل کتابوں کی تلاش ہوتی کیونکہ ہم نے انگریزی

---

(6) Contribution of India to Arabic Literature by Zubaid Ahmed
بحوالہ ثقافت جون 1967ء ص 14

علوم و فنون میں ہمیشہ سریع الفہم کتابیں داخل نصاب دیکھی
ہیں ..... (مگر اس زمانے میں) اس تعلیم سے دماغی قوتوں
سے یونہی مشق کرائی جاتی تھی ہمارے زمانے کی سہل گیر
طبعتیں اس طرز کو ناپسند کریں تو تعجب نہیں افسوس ان بزرگوں
پر ہے جو اس چمن کی گلچینی کرکے گلفروش کہلائے اور اسی
طرز تعلیم کی بدولت قوت فیصلہ سے بہرہ اندوز ہوئے اور پھر
اپنے ہی بزرگوں کی محنت کو رائگاں اور ان کی کوششوں کو
بے شود مشہور کرنے میں سب سے سبقت کرنے اور نئی راہیں
ڈھونڈنے لگے وہ بزرگ ان کی بات سنتے تو یہی کہتے ـــ
سخن شناس نہ دلبرا خطا ایں جااست (7)

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ ان (مولانا عبدالحکیم) کی فیض رسانیوں کا آغاز اگرچہ عہد جہانگیری ہی سے ہو چکا تھا مگر شاہ جہاں کے عہد میں یہ اپنے نقطہ عروج کو پہنچ گیا ۔ چنانچہ ہمعصر مورخ عبدالحمید لاہوری نے "بادشاہ نامہ" میں یوں لکھا ہے ـــ

"در ایام سعادت فرجام حضرت جنت مکانی بضروریات معیشت
در ساختہ عزلت گزیں بود دریں دولت خدا داد کے بازار
دانش رواج دیگر گرفتہ است و کار دانشوراں از سر اسباب
رفاہت حال و فراغت بال فراہم دارد چند دہ در بست
برسم سیورغال برو مرحمت ۔" (8)

---

(7) منشی محمد الدین فوق ۔ سوانح ملا عبدالحکیم بحوالہ ثقافت جون 1967ء ص 15
(8) عبدالحمید لاہوری ۔ بادشاہ نامہ ۔ ج اول حصہ دوم ص 341

میر غلام علی آزاد بلگرامی نے لکھا ہے ــــ

"چوں نوبت دارائی ہندوستان بہ صاحب قرآن شاہجہاں
انا واللہ برہانہ و سید وظائفہ علما و شعرا" را رواجے دیگر
پدید آمد ملا دریں عہد بارہا خود را بدرگاہ خلافت
رسانید ہر گاہ دارد حضور می گردید برعایت فقودنا محدود
و مخصوص می گشت و دوبارہ بزار سنجیدہ شد و مبانع ہم
سنگ ہم گرفت و چند قریہ برسم سیورغال انعام شد ملا
بحضور خاطر و فراغ بال در وطن مالوف اقامت داشت و تخم
فضل و علم و سینہ وہا و سفینہ پامی کاشت ۔" (9)

لیکن کیا یہ سب کچھ ایک استبداد پسند بادشاہ کی خود آرائی اور اسراف کا نتیجہ تھا ؟ یقیناً نہیں علامہ کی جن جگر کاویوں کو دربار میں اس قدر عزت افزائی کا مستحق سمجھا گیا وہ اسی پایہ کی تھیں بعد کے جوہر شناس مبصروں نے اس کی تصدیق کردی اور اس کے علاوہ سب سے بڑا قاضی خود زمانہ ہے اور زمانہ نے حتمی طور پر توثیق کردی کہ علّامہ کی جگر کا وہیاں اسی تبصرہ کی مستحق ہیں ۔ علوم عربیہ کی کساد بازاری کے باوجود ان کی تصانیف ہنوز درس میں متداول ہیں پھر جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ یہ اعتنا ہندوستان میں ہی نہیں ہوا بلکہ بیرونی ممالک میں ان کی یہ تصانیف بڑی آب و تاب سے شائع کی گئیں ۔ ان کی تصانیف کا تذکرہ مختلف کتابوں میں مختلف انداز میں دیا گیا ہے ۔ محمد صالح کنبوہ نے ان تألیفات کی مندرجہ ذیل فہرست تحریر کی ہے ــــ

---

(9) غلام علی آزاد بلگرامی ۔ مآثر الکرام ص 205 - 204

1 - حاشیہ بر حاشیہ بیضاوی

2 - حاشیہ بر مقدمات اربعہ تلویح

3 - حاشیہ بر مطول

4 - حاشیہ میر سید شریف

5 - حاشیہ بر شرح مواقف

6 - حاشیہ بر شرح عقائد تفتا زانی

7 - حاشیہ خیالی

8 - حاشیہ بر شرح شمسیہ

9 - حاشیہ بر شرح مطالع

10 - حاشیہ بر شرح ملا عبد الغفور

11 - حاشیہ بر شرح ملا جلال الدین دوانی در اثبات علم دیگر حواشی در کنار

12 - حاشیہ شرح حکمتہ العین دیگر حواشی در کنار شرح

13 - ہدایتہ الحکمتہ

14 - دیگر حواشی در کنار صراح الارواح (10)

اس کے علاوہ آپ کی چند اور تصانیف و حواشی کا بھی پتہ چلتا ہے آزاد بلگرامی نے ان میں حسب ذیل کا اضافہ کیا ہے -

15 - تکملہ حاشیہ عبد الغفور

16 - درہ ثمینہ در اثبات واجب تعالی (11)

اس کے علاوہ آپ نے 17 - قطبی و میر قطبی پر بھی حواشی تحریر کئے اور

---

(10) محمد صالح کنبوہ - شاہ جہاں نامہ ج سوم ص 377

(11) غلام علی آزاد بلگرامی - مآثر الکرام ص 205

حضرت مجدد الف ثانی کی تائید اور تجدید الف کے اثبات میں ایک رسالہ 18 - دلائل التجدید کے نام سے لکھا اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی مشہور تصنیف 19 - غنیتہ الطالبین کا فارسی میں ترجمہ بھی کیا - منشی محمد الدین فوق نے ان کے ایک اور حاشیے 20 - حاشیہ بر شرح تہذیب اور ایک کتاب 21 - القول المحیط کا بھی ذکر کیا ہے اور وہ لکھتے ہیں کہ یہ رسالہ منطق میں ہے نیز ڈاکٹر زبید احمد نے پروفیسر براکلمان کے حوالے سے ان کی ایک تصنیف 22 - زبدتہ الافکار کا ذکر بھی کیا ہے علاوہ ازیں دو اور حواشی 23 - حاشیہ الکشاف اور 24 - حاشیہ علی الحسامی کو بھی انھیں کی تألیف بتایا جاتا ہے -

جیسا کہ اس سے پہلے بیان ہوا کہ مولانا عبدالحکیم کی تألیفات کا تذکرہ ان کے معاصرین نے شاندار الفاظ میں کیا ہے ان کے شروح و حواشی نہ صرف اس زمانے میں بلکہ ما بعد عہد میں بھی ہمیشہ عزت و احترام سے دیکھے گئے چنانچہ مولانا کی وفات کے ایک طویل عرصے بعد آزاد بلگرامی نے ان کی تصانیف کی یوں گواہی دی ہے ـــــ

"له تصانیف غرّا دائرته فی الانام رائجته فی دیار العرب والعجم -" (12)

اور مآثر الکرام میں یوں رقمطراز ہیں ـــــ

"الحق در جمیع فنون درسی مثل او از زمین هند برنه خاست آثار دانش بایں کیفیت و کمیت و حسن قبول بر صفحهٔ روزگار نه گذاشت - تصانیف او در بلاد عرب و عجم سائر و دائراست -" (13)

---

(12) غلام آزاد بلگرامی - سبحته المرجان ص 66

(13) " " " - مآثر الکرام - دفتر اول ص 205 - 204

مولانا عبدالحئی ان کو "صاحب التصانیف الفائقه و التالیف الرائقه" کے لقب سے یاد کرتے ہیں ان کا کہنا ہے ــــ

"تصانیفهٔ کلها مقبولته عند العلماء محبوبته الیهم ولا سیّما عند علماء بلاد الروم یتنافسون فیها وهی جدیرته بذلک ۔" (14)

محمد المحبّی نے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کو حسب ذیل الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے ــــ

"افنی کهولته و شیخو خته فی الانهماک علی العلوم وحل دقائقها و مضی من جلیّها غامضها علی حفالفها . والف مولفات عدیدته ..... وفضله اشهر من ان یزاد فی وصفه ۔" (15)

ان تمام کتابوں اور ان کے مصنفین کے بیان کے مطابق راقمه کی رائے میں ان کی تصانیف کو مندرجه ذیل حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے ــــ

فن تفسیر

فقه

علم کلام

منطق و فلسفه اور

نحو بلاغت وغیره

مختلف مؤرخین اور تذکره نگاروں نے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کی تصانیف کا ذکر اپنی تصانیف میں بڑے شاندار الفاظ میں کیا ہے ۔ اگرچه علّامه

---

(14) عبدالحئی الحسنی ۔ نزهته الخواطر ج 5 ص 210

(15) خلاصته الاثر الجزالثانی ص 9-318 بحواله ماهنامه ثقافت جون 1967ء ص 18

سیالکوٹی نے متداول درسی کتابوں پر شروح و حواشی میں لکھنے پر اکتفا کیا مگر یہ شروح و حواشی محض رسمی شروح و تحشیہ کے مصداق نہیں تھے بلکہ اپنے اپنے فنون کے اندر ادبیات عالیہ کی حیثیت رکھتے ھیں اور ان سے اسلامی فکر کی ثروت میں بیش بہا اضافے ھوئے ھیں ۔ اسی بات کی وضاحت کے لئے مناسب معلوم ھوتا ھے کہ جن تصانیف کے شروح و تحشیہ کو انھوں نے اپنی تحقیقات علمیہ کا موضوع بنایا تھا ۔ اسلامی ادب میں پہلے ان کا مقام متعین کیا جائے کہ کیا وہ اس توجہ و اعتنا کی مستحق ھیں بھی یا نہیں ؟۔ اس کے بعد بیرون ھند اور خود ھندوستان میں ان کے ساتھ جو اعتنا کیا گیا اس کا اجمالی جائزہ پیش کیا جائے کیونکہ اس جائزے کے بعد ھی مولانا سیالکوٹی کی جگر کاویوں کی داد دی جاسکتی ھے ۔ لہذا مختلف مؤرخین اور تذکرہ نگاروں کی نگارشات کی مدد سے اس کی ایک مبسوط فہرست درج ذیل ھے ـــــ

فن تفسیر

1 - حاشیہ تفسیر بیضاوی — مطبوعہ

2 - حاشیہ علی الکشاف — غیر مطبوعہ

فقہ

3 - حاشیہ علی التلویح — غیر مطبوعہ

4 - حاشیہ علی الحسامی — مطبوعہ

علم کلام

5 - حاشیہ علی الخیالی یا (حاشیہ شروح عقائد النسفیہ) ۔ مطبوعہ

6 - حاشیہ علی شرح عقائد الجلالی یا حاشیہ شرح العقائد العضدیہ مطبوعہ

7 - حاشیه شرح المواقف مطبوعه

8 - الرسالته الخاقانیه غیر مطبوعه

9 - زبدته الافکار غیر مطبوعه

منطق و فلسفه

10 - حاشیه علی میر قطبی غیر مطبوعه

11 - حاشیه علی قطبی غیر مطبوعه

12 - حاشیه شرح مطالع یا حاشیه علی حاشیه مطالع الانوار مطبوعه

13 - حاشیه علی میذی یا حاشیه شرح هدایته الحکمته غیر مطبوعه

14 - حاشیه شرح حکمته العین

نحو و بلاغت

15 - حاشیه علی المطول مطبوعه

16 - تکمله حاشیه عبدالغفور علی شرح الجامی مطبوعه

17 - حاشیه علی حاشیه عبدالغفور مطبوعه

18 - حاشیه شرح مراح الادواح غیر مطبوعه

متفرق

19 - ترجمه عنیته الطالبین غیر مطبوعه

20 - القول المسحیط منطق " "

21 - حاشیه شرح تهذیب منطق " "

22 - حاشیه شریفیه

23 - کتاب مشهود

24 - دلائل التجدید وغیره

۱ - تفسیر — تفسیر بیضاوی —

قبل اس کے کہ "تفسیر" کے ضمن میں دسویں اور گیارھویں صدی ھجری کے علماء کی خدمات کا جائزہ لیا جائے مختصراً یہ عرض کیا جائے کہ تفسیر کے کیا معنی ھیں ۔ ھندوستان میں اس فن نے کسی طرح ترقی کے مدارج طے کئے اور کن کن علماء نے اس سلسلے میں اضافے کئے ۔

اللہ تعالی نے اپنی ارسال کردہ وحی کے لئے جو نام تجویز کئے ان میں دو القاب سب سے زیادہ مشہور ھیں ۔ الکتاب اور القرآن ۔الکتاب کا اشارہ اس جانب ھے کہ اسے سطور میں جمع کیا گیا ھے اور القرآن کہہ کر اس کے سینہ میں محفوظ ھونے کا اشارہ کیا ۔ یہ دونوں نام آرامی الاصل ھیں کتابت کے معنی آرامی زبان میں حرف کا لکھنا اور نقش کرنا اور قرأت تلاوت کو کہتے ھیں اس سے یہ بات واضح ھو جاتی ھے کہ قرآن کریم کے لئے یہ دونوں نام کیوں تجویز ھوئے قرآن کریم کو کسی بھی نام سے یاد کیا جائے اس کی جامع تعریف یہ ھے کہ

> "قرآن کریم وہ معجزہ نما کلام ھے جسے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ھے جسے صحیفوں میں لکھا جاتا ھے اور جو آپؐ سے بتواتر منقول ھے اور جس کی تلاوت عبادت کا درجہ رکھتی ھے ۔" (16)

سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق نے قرآن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترتیب کے مطابق مرتب کیا ۔ پھر حضرت عثمان کے عہد خلافت میں معلمین قرآن کو مختلف انداز میں پڑھانے کی وجہ سے ایک دوسرے کی تکفیر کرنے لگے۔

---

(16) ڈاکٹر صبحی صالح (مترجم) غلام احمد حریری ۔ علوم القرآن ص 30

اور جب خلیفہ وقت حضرت عثمانؓ کو ان اختلافات کے بارے میں پتہ چلا تو انھوں نے صحابہؓ سے کہا کہ سب لوگ مل کر قرآن کا ایک نسخہ مرتب کردو ۔ اور حضرت علی نے ابوالاسود (م - 49ھ) کو حکم دیا کہ نحو کے قواعد مرتب کریں تاکہ عربی زبان کا تحفظ کیا جاسکے بعد ازاں خلفائے راشدین نے قرآن کریم کی جمع و تدوین کا کام شروع کیا اور اس طرح یہ کام منزل بہ منزل آگے بڑھتا گیا چونکہ تمام صحابہ کو ہر آیت اور ہر سورت کے اسباب نزول کا بخوبی علم تھا ۔ اس لئے انھیں اس کو سمجھنے میں زیادہ تردد نہ کرنا پڑا لیکن گذرتے وقت کے ساتھ ساتھ اسے سمجھنے اور سمجھانے والوں میں کمی آتی گئی لہذا ضرورت اس بات کی ہوئی کہ قرآن کریم کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے کوئی ایسا علم ہو جس سے یہ کام بحسن و خوبی انجام دیا جاسکے اسی ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے فن تفسیر کا آغاز ہوا ظام احمد حریری نے تفسیر کی نہایت ہی جامع تعریف ان الفاظ میں کی ہے ـــ

" لفظ تفسیر کا سہ حرفی مادہ فسّاس رہے جس کے معنی کھول کر بیان کرنا بے حجاب کرنا اور ظاہر کرنا ہے کسی لفظ کی تشریح و توضیح کو تفسیر کا نام اس لئے دیا گیا ہے کہ اس کے مطلوب و مقصود کو گویا بےحجاب کردیا جاتا ہے یہ تفسیر کا لغوی مفہوم ہے ۔ تفسیر کے اصطلاحی معنی یہ ہیں کے ایسا علم جس کی مدد سے قرآن کریم کے معانی و مطالب معلوم کئے جاتے ہیں اور اس میں مندرج احکام و مسائل اور اسرارِ حکم سے بحث کی جاتی ہے ۔" (17)

---

(17) ظام احمد حریری ۔ تاریخ تفسیر و مفسرین ص 3

تفسیر "فسر" کا مصدر ہے اس کے معنی کھولنا اور تشریح و توضیح کرنا ہے ف - س - ر اور س ف ر دونوں مادوں میں کھولنے اور پردہ ہٹانے کے معنی ہیں - لیکن "سفر" ظاہری اور مادی چیزوں کو کھول کر سامنے لانے کے معنی میں اور "فسر" باطنی اور معنوی چیزوں کو کھول کر سامنے لانے میں بیان ہوتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ علم تفسیر ایسے علم کو کہتے ہیں جو معلومات بشری کے مطابق عربی کے قواعد کے مطابق قرآن کریم کے معانی سے بحث کرتا ہے علوم عالیہ و آلیہ مثلاً صرف و نحو لغت معانی بیان بدیع جدل قرأت اسباب نزول ناسخ و منسوخ اصول فقہ اصول حدیث وغیرہ تفسیر کے مبادی ہیں - لہذا قرآن کریم کی عبارت کو سمجھنا علم تفسیر کہلاتا ہے اور اس کا موضوع کلام خدا لہذا قرآن کریم خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجمل کو بیان فرماتے اور ناسخ و منسوخ کی تفسیر کی طرف اشارہ فرما دیتے تھے - خلافت راشدہ کے دور سے ہی اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوتا گیا جس کی وجہ سے ذہنی و سماجی انقلاب پیدا ہوا جب مختلف اقوام حلقہ بگوش اسلام ہونے لگیں تو نئے نئے مسائل پیدا ہوئے چنانچہ کلام اللہ کی روشنی میں مسائل کا استنباط کیا گیا نیز عقلی و نقلی دلائل سے کام لیا گیا - آیات قرآنی سے ہی اس کے مطالب و معانی کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی - اس ضرورت کے پیش نظر تفسیر قرآن پر کتابیں لکھی گئیں -

اس کے علاوہ علماء میں اس امر پر بھی اختلاف ہے کہ تفسیر و تاویل کے مابین کیا فرق ہے اگرچہ یہ ایک دشوار علمی کام ہے اس سلسلے میں ابو عبیدہ ابن العربی ثعلب ازہری فیروزآبادی اور ابن منظور کے نزدیک تفسیر و تاویل ہم معنی لفظ ہیں اور ان میں باہمی نسبت پائی جاتی ہے یعنی جب قطعیت کے ساتھ بتایا جائے کہ باری تعالیٰ کی مراد یہ ہے تو تفسیر کہلائے گا اور کئی مستعمل

معانی میں سے ایک معنی کا بتانا تاویل - ان تمام باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ تفسیری ادب ایک ایسا آئینہ ہے جس میں اسلام کی فکری تاریخ کے ارتقاء کے سارے نمایاں خدوخال کا نظارہ کیا جاسکتا ہے -

تفسیر کی تاریخ قرآن کریم کے نزول کے ساتھ ہی شروع ہوتی ہے قرآن کریم عربی زبان میں عربی اسلوب کے موافق کم و بیش 23 سال تک نازل ہوتا رہا اور قرآن کریم کے مخاطبین اجمالی طور پر تو اسے سمجھ لیتے مگر بدیہی طور پر ہر شخص اس کے مفاہیم و مطالب کی ساری تفصیلات نزاکتوں اور باریکیوں پر پورا حاوی نہیں ہو پاتا تھا - یہ سمجھنا کہ قرآن کے سارے مخاطبین یا سب صحابہ عربی زبان و ادب کے پورے ذخیرے پر یکساں گہری نظر اور اس کی پوری واقفیت رکھتے تھے ایک زعم باطل کے سوا کچھ نہیں یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف پیغامبر ہی نہ تھے بلکہ آپؐ کے رسالت کے فرائض کے علاوہ یہ بات بھی شامل تھی کہ آپؐ اپنے قول و فعل سے قرآن کی شرح بھی پیش کریں - اور اس طرح آپؐ کی حیثیت معلم اور مبین کتاب کی بھی تھی -

فن تفسیر کی ابتدا صدر اسلام سے ہی ہوچکی تھی اور صحابہ کرام میں دس صحابہ کو خاص شہرت حاصل ہوئی ان میں خلفاء اربعہ حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت عبداللہ بن عباس حضرت ابی بن کعب حضرت زید بن ثابت حضرت ابو موسی اشعری اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین قابل ذکر ہیں - خلفائے راشدین میں تفسیری اقوال سب سے زیادہ حضرت علی سے منقول ہیں اور ان کے بعد سب سے فائق ترجمان حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہیں مفسرین میں دوسرا طبقہ تابعین کا ہے ان میں مجاہد عطا بن ابی رباح عکرمہ سعید بن

جبیر حسن بصری ابوالعالیہ ضحاک اور قتادہ قابل ذکر ہیں ۔ تیسرے طبقے میں باضابطہ کتب تفسیر کی تصنیف کا دور شروع ہوا اور اس طبقہ مفسرین نے متقدمین تابعین اور صحابہ کے اقوال و روایات جمع کرکے قرآن کریم کی تفاسیر کی تصنیف شروع کی ان میں تفسیر سفیان بن عینیہ - تفسیر وکیع بن الجرّاح ۔ تفسیر شعبتہ بن الحجاج ۔ تفسیر یزید بن ہارون ۔ تفسیر عبد الرزاق ۔ تفسیر آدم بن ابی ایاس۔ تفسیر اسحاق بن راہویہ ۔ تفسیر روح بن عبادہ۔ تفسیر عبد بن حمید ۔تفسیر ابوبکر بن ابی شیبہ وغیرہ قابل ذکر ہیں ۔

صحابہ اور تابعین کے بعد ایک اہم اور نتیجہ خیز علمی جدوجہد کا آغاز ہوا جس نے فن تفسیر کی باقاعدہ تدوین کے لئے فضا ہموار کی اسے تبع تابعین کا دور کہا جاتا ہے ۔ اس طبقے کی تفاسیر میں بعض روایات ضعیف اور منکر درج ہوگئی تھیں لہذا چوتھے طبقے کے مفسرین نے قدرے تحقیق و تدوین سے کام لیا ۔ اس طبقہ کی تفاسیر میں سب سے زیادہ عظیم المرتبت تفسیر ابن جریر طبری (م 310ھ) کی ہے ہر دور اور ہر طبقہ کے ائمہ مفسرین نے ابن جریر طبری کی تفسیر کو بڑی قدرومنزلت کی نگاہ سے دیکھا ہے پانچویں طبقے میں امام ابو عبداللہ جوئنی (م - 438ھ) شیخ ابوالقاسم عبدالکریم قشیری (م - 463ھ) اور ابوالحسن احمد واحدی (م 468ھ) وغیرہ مشہور مفسرین ہیں عصر تدوین کے بعد تفسیر کے طویل ترین تاریخی دور کا آغاز ہوا جو عصر عباسی سے لے کر عصر حاضر تک پھیلا ہوا ہے پہلے تفسیر کا انحصار روایات پر تھا ۔ اس کے بعد ائمہ نے مختلف حثیات کے پیش نظر اس کی طرف توجہ کی ۔ اس دور میں عقلی و نقلی اختلاط کا آغاز ہوا چنانچہ مختلف مکاتب فکر نے اس فن میں طبع آزمائی کی ۔نحوی علماء زجاج واحدی اور ابوحیان وغیرہ نے اپنی تفاسیر میں نحوی

مہارت کا ثبوت دیا ہے امام فخرالدین رازی (م - 606ھ) نے اپنی تفسیر "مفاتیح الغیب المعروف تفسیر کبیر" میں عقلی و نقلی اقوال کو جمع کیا گیا ہے امام ابوالقاسم محمد بن زمخشری (م 538ھ) کی تفسیر "کشاف" میں فصاحت و بلاغت کے قواعد کو جمع کیا گیا ہے چنانچہ متاخرین میں سب نے انھیں کی اتباع کی ہے قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر میں خصوصیت کے ساتھ لطائف عربیہ اور بلاغت کے اہم نکات "تفسیر کشاف" سے ہی لئے ہیں - ساتویں صدی ہجری کے ائمہ و مفسرین کے ممتاز اور قابل فخر اماموں میں امام فخرالدین رازی (م - 606ھ) کی تفسیر "مفاتیح الغیب معروف بہ تفسیر کبیر" قاضی ناصرالدین بیضاوی (م - 685ھ) کی تفسیر "انوار التنزیل و اسرار التاویل" جو عام طور پر "تفسیر بیضاوی" کے نام سے مشہور ہے وغیرہ قابل ذکر ہیں - قاضی بیضاوی کے بعد کے دور میں امام ابوالبرکات عبداللہ بن محمود نسفی (م - 710ھ) کی تفسیر مدارک ابوالفداء عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر (م 774ھ) وغیرہ کے بعد نویں صدی اور اس کے بعد کے مفسرین جن میں خصوصی طور پر "شیخ جلال الدین محلی شافعی (م 846ھ) شیخ جلال الدین السیوطی (م - 911ھ) جنھوں نے ان کی تفسیر کو جو نامکمل تھی مکمل کیا اور اسی وجہ سے یہ کتاب "تفسیر جلالین" کے نام سے مشہور ہے کے علاوہ شیخ عبدالرحمن ابن عمر بلیقنی اور شیخ ابوالسعود محمد بن عمادی حنفی (م - 982ھ) وغیرہ قابل ذکر ہیں -

ان تمام باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ تفسیر کا میدان نہایت وسیع ہے اور قرآن پاک کی تفسیریں مختلف نقطۂ نظر سے مرتب کی گئیں ہر شخص کا زاویہ نگاہ دوسرے سے مختلف ہوتا ہے جب کوئی کسی عبارت یا آیۂ کریمہ کی تفسیر کرتا ہے تو وہ اس پر اپنے طرز فہم کا رنگ چڑھا دیتا ہے کم و بیش ہ تفسیر

میں مفسر کی شخصیت کا رنگ جھلکتا ہے ایک نے اگر احکام کے استنباط کا خیال رکھا تو دوسرے نے ادبی پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی تیسرے نے اسلاف کی روایتوں اور متقدمین کے اقوال جمع کرنے کی سعی کی تو چوتھے نے تصوف کے رموز و نکات کو اپنے انداز میں واضح کیا غرض کہ ہر مفسر نے الگ انداز سے کلام پاک اور اس کی آیات کی تفسیر کی صدر اسلام سے ہی مفسرین کو اندازہ ہوگیا تھا لہذا وہ ہر سورت کو بالترتیب لیکر آیت کے ایک ایک ٹکڑے یا پوری آیت یا چند آیتوں کو لے کر اس کا مطلب بیان کرتے اور اپنی فکر کے ذریعہ شخصیت کا رنگ اس تفسیر میں نمایاں کرتے تھے ۔

ہندوستان میں تفسیر کا فن کب اور کیسے آیا اور سب سے پہلے مفسر کون تھے اس کا صحیح تعین کرنا خاصا مشکل ہے چونکہ ہندوستانی مسلمانوں کی کوئی باقاعدہ مکمل اور منضبط تاریخ نہیں ہے جس میں شروع سے اب تک کے تمام حالات معہ تصانیف وغیرہ کے تذکرے کے موجود ہوں حالانکہ عربوں کے ہندوستانیوں سے تعلقات بہت قدیم ہیں اور ان تعلقات کی بنیاد تجارت پر قائم تھی ۔ بنی امیہ کے دور میں مملکت اسلامی کی حدود ہندوستان تک پھیل چکی تھیں ۔ ولید بن عبد الملک کے زمانہ میں سندھ باقاعدہ اسلامی سلطنت کا ایک صوبہ بن چکا تھا۔ ہندوستان میں فن تفسیر کے آغاز کے بارے میں ڈاکٹر مسعود انور علوی لکھتے ہیں ــــ

"چونکہ ہندوستانی مسلمانوں کی کوئی باقاعدہ مکمل اور منضبط تاریخ نہیں ہے ۔ اس لئے اس عبادت کی صحیح تعین کرنا بہت مشکل ہے کہ سب سے پہلے کس نے تفسیر لکھی ۔ ایک روایت ہے کہ ایک ہندی راجہ مہروک بن رائق تاجدار

"الرا" کی فرمائش سے 270ھ/ 883ء میں عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز صاحب منصورہ نے کسی عراقی الاصل سندھی عالم سے جس کی نشونما ہندوستان میں ہوئی تھی اور جو مختلف زبانیں جانتا تھا ہندی زبان میں تفسیر قرآن لکھوائی جو کم از کم "سورتہ یٰسین" تک پہونچی تھی ۔" (18)

چنانچہ فن تفسیر کا یہ تابناک اور درخشاں سفر ختم نہیں ہوا بلکہ اس میں روز افزوں ترقی ہو رہی ہے اور ہندوستانی علماء نے بھی باقی علوم و فنون کے ساتھ تفسیر کے میدان میں بھی طبع آزمائی کی اور اس میں ہر علم و فن کے لوگوں نے حصہ لیا ۔ شروع کی صدیوں میں جن مفسرین نے اس فن کی آبیاری کی ان میں زمخشری کا درجہ "کشاف" کی وجہ سے بلند ہے کیونکہ آئندہ صدیوں میں لکھی گئی تفاسیر کا مآخذ الکشاف ہی ہے ان میں تفسیر بیضاوی اور تفسیر جلالین نہایت ہی بلند پایہ ہیں ۔ یہ دونوں حیرت انگیز اختصار بلاغت کی وجہ سے مشہور ہیں ۔ بیضاوی کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ آئندہ زمانوں کے کئی علماء نے اس کی متعدد شرحیں اور حواشی لکھے ۔ قرآن پاک کی کوئی تفسیر اس قدر مشہور نہیں ہوئی جتنی کہ وہ ہندوستان میں قرآن کریم کی جو تفاسیر لکھی گئیں ان کی کئی اقسام ہیں لہذا تفسیر کی کتب کی بالکل صحیح تعداد کے بارے میں حتمی سکن نہیں ہے۔ بقول ڈاکٹر سالم قدوائی ـــ

"تفسیر سے متعلق کتب کی تعداد کتنی ہے جو ہندوستانی علماء نے لکھیں ان کی مکمل فہرست کے بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ اب تک جن کتابوں کے مجموعی

---

(18) ڈاکٹر مسعود انور علوی ۔ عربی ادب میں اودھ کا حصہ ص 57

طور پر نام ملے ہیں ان کی تعداد 165 ہے اور مصنف کے
مطابق ابھی یہ فہرست طویل ہوسکتی ہے اگر بہت سے ذاتی
کتب خانوں اور ذاتی نسخوں کا پتہ چلتا اور مصنف نے ان کو
چار حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے پہلے حصے میں مکمل تفسیریں
دوسرے حصے میں اجزائے قرآن کی تفسیریں اور تیسرے حصے میں
قدما کی تفسیروں کے حواشی اور شرحوں کا ذکر ہے اور چوتھے
حصے میں متعلقات قرآن مجید سے متعلق ہیں ۔" (19)

عربی کی پہلی مشہور و معروف تفسیر "غرائب القرآن و رغائب الفرقان" ہے یہ مولانا نظام الدین حسن محمد حسین شافعی نے دو جلدوں میں لکھی ہے یہ بلحاظ ترتیب و مواد بہت عمدہ ہے اس کے بعد دوسری مشہور تصنیف جنوبی ہند کے مشہور مفسر صوفی شیخ زین الدین علی بن احمد علی المہائمی کی "تبصیرالرحمن و تیسیر المنان" ہے ان کی یہ تفسیر "تفسیر رحمانی" کے نام سے مشہور ہے۔

ہندوستانی مفسرین نے فن تفسیر تراجم قرآن اور کتب تفسیر کے شروح و حواشی میں قابل قدر کام کئے ہیں چند ہندوستانیوں کے نام قابل ذکر ہیں ۔

1 - کاشف الحقائق و قاموس الدقائق - محمد بن احمد گجراتی (820ھ/1417ء
2 - الدر رالملتقط - سید محمد گیسو دراز (825ھ/1422ء)
3 - تبصیر الرحمن و تیسیر المنان - علامہ علی المہائمی (835ھ/2-1431ء)
4 - تفسیر محمدی - محمد بن احمد میانجیو (982ھ/1547ء)
5 - مینع عیون المعانی و مطلع شموس المثانی - شیخ مبارک ناگوری (1001ھ/ 3 - 1592ء)

---

(19) ڈاکٹر محمد سالم قدوائی - ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں ص 13

6 - سواطع الالہام - شیخ ابوالفیض فیضی (1004ھ/6 - 1595ء)

7 - انوار الاسرار - شیخ عیسی بن قاسم سندھی (1031ھ/1663ء)

8 - تفسیر مظہری - قاضی ثناء اللہ مظہری (1225ھ/1810ء)

9 - التفسیرات الاحمدیہ - شیخ احمد بن ابی سعید صالح امیٹھوی (1130ھ/1718ء)

اجزاء قرآنی پر مشتمل تفاسیر بھی لکھی گئیں

1 - تفسیر بیضاوی (حاشیہ) (سیقول کے ثلث تک ہے) - ملا عبد الحکیم سیالکوٹی (1067ھ/1656ء)

2 - تفسیر سورہ فاتحہ - عبد اللہ بن عبد الحکیم (1093ھ/1682ء)

3 - انوار الفرقان - غلام نقش بند لکھنوی (1126ھ/1714ء)

4 - شئون المنزلات - شیخ علی متقی برھانپوری (975ھ/8 - 1567ء)

5 - ینابیع الانوار - سید محمد تقی لکھنوی (1289ھ/1872ء)

وہ تفاسیر جو اجزائے قرآن کی تفسیروں پر مشتمل ہیں اور بہت سے جلیل القدر علماء نے بعض مشہور و معروف تفاسیر پر شروح و حواشی لکھے ان میں سب سے زیادہ قابل توجہ تفسیر بیضاوی ہے چونکہ یہ عرصہ دراز سے ہندوستان کے زیادہ تر مدارس میں شامل رہی ہے اس لئے اس کو آسان فہم بنانے کے لئے اس پر حواشی لکھے گئے جن میں مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی (م - 1067ھ/1656ء) کا حاشیہ سب سے زیادہ مقبول ہوا -

چونکہ تفسیر بیضاوی کا اہم ترین حصہ پہلی دو سورتوں سے متعلق ہے اسی لئے علامہ نے صرف اپنی دو سورتوں پر حاشیہ لکھا "تفسیر بیضاوی" پر اگرچہ بہت سے حواشی لکھے گئے جن کے سلسلے میں آئندہ صفحات میں مفصل

بیان بھی آئے گا ۔ مگر سب سے پہلے "تفسیر بیضاوی" کا ایک اجمالی خاکہ پیش ہے اس کی ابتدا کس دور میں ہوئی ۔

اصل میں تفسیر بیضاوی قاضی بیضاوی کی تصنیف کردہ ہے ۔

صاحب تفسیر بیضاوی ـــ

ان کا پورا نام عبداللہ لقب ناصر الدین کنیت ابوالخیر اور نسبت بیضاوی ہے شافعی مسلک تھے ۔ اور بیضاوی نامی جبتی ان کا اصل مسکن ہے۔ محمد حنیف گنگوھی قاضی بیضاوی کے بارے میں رقمطراز ہیں ـــ

"قاضی صاحب نہایت ہی عابد و زاہد اور یگانہ روزگار امام تھے ابتدا میں شیراز کے عہدہ قضا پر فائز رہے پھر وہاں سے معزولی کے بعد تبریز تشریف لائے ۔ تبریز میں کسی فاضل کے حلقہ درس میں اتفاقیہ حاضری کا موقع ملا اثناء تقریر میں فاضل مذکور نے کوئی اشکال پیش کیا ۔ اور کہا کہ حل نہ کرنے کی صورت میں کوئی کم از کم میرے طرز پر نفس اشکال کا اعادہ ہی کر دکھائے یہ سن کر قاضی صاحب نے ایسے مدلل انداز میں جواب دیا کہ عالم بغلیں جھانکتا رہ گیا ۔ اسی محفل میں تبریز کا وزیر بھی بیٹھا تھا اس نے ان سے پوچھا کہاں سے تشریف لائے ہیں ؟ انھوں نے کہا میں بیضاوی ہوں اور طلب قضا کی خاطر شیراز سے حاضر ہوا ہوں اس نے ان کی علمیت سے متاثر ہوکر کافی عرصہ اپنے پاس رکھا مگر بعد میں قاضی بیضاوی نے اپنا ارادہ ترک کیا اور شیخ محمد بن کتحتانی کے ساتھ رہنا پسند کیا ۔

اور انھیں کے ایما پر آپ نے بیضاوی جیسی عظیم الشان کتاب
تصنیف کی تقریباً تمام علماء بیضاوی کی تصانیف کے ثناخواں ھیں
آپ نے بقول امام سبکی 691ھ اور ابن کثیر کے نزدیک 685ھ
میں بمقام تبریز وفات پائی ۔" (20)

عبد اللہ بن عمر البیضاوی کے علمی کارنامے بہت روشن ھیں ۔ ان کو حکمت ومیزان علوم دینیہ معانی و بیان غرض جملہ علوم میں مہارت اور کامل دسترس حاصل تھی ان کی تصانیف میں مختصرا الوسیط یعنی الغایہ القصوی فقہ شافعی منہاج الوصول اور شرح منہاج اصول فقہ طوالع الانوار علم و کلام مصباح الارواح اصول دین شرح مصابیح حدیث اور شرح کافیہ نحو شرح مطالع منطق لب الباب فی علم الاعراب نظام التواریخ وغیرہ ان کے بحر علمی کا منہ بولتا ثبوت ھیں ان کی سب سے عظیم الشان تصنیف "انوار التنزیل و اسرار التاویل" ھے جو فن تفسیر کی نہایت ھی جامع اور عمدہ کتاب ھے یہ قرآن پاک کی تفسیروں میں ایک خاص درجہ رکھتی ھے ۔ قرآن پاک کی تفسیر میں جتنے موضوعات سے بحث کی جاسکتی ھے وہ سب بہت احسن طریقے سے اس میں جمع کردئے گئے ھیں ھیں ۔ علامہ بیضاوی کی یہ تفسیر متوسط الحجم اور تفسیر و تاویل دونوں کی جامع ھے عربی زبان کے قواعد اور اصول و ضوابط پر مشتمل ھونے کے علاوہ اس میں امام رازی کی تفسیر کبیر اور راغب اصفہانی کی تفسیر سے بھی فائدہ اٹھایا گیا ھے ان کا اسلوب اسقدر دلکش اور جاذب ھے کہ پڑھنے والا حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ھو جاتا ھے مگر بعض جگہ عبارت اس درجہ عمیق و دقیق ھے کہ جسے صرف ایک ذھین و فطین آدمی ھی سمجھ سکتا ھے ۔

---

(20) محمد حنیف گنگوھی ۔ با احوال المصنفین ۔ ص 33 - 34

دراصل تفسیر بیضاوی حقائق کلام و حکمت حدیث و سنت اسرار معانی و بیان رموز فلسفہ و بیان غوامض صرف و نحو محاسن نظم قرآن مقاصد تنزیل وغیرہ غرض صدھا علوم کا خزینہ ھے یہ تفسیر کشاف کا گویا سنی ایڈیشن ھے اور عموماً اس کو "مختصر الکشاف" ھی سمجھا جاتا ھے ۔ حاجی خلیفہ اپنی شہرہ آفاق تصنیف کشف الظنون میں لکھتے ھیں ـــ

"ان ھذا الکتاب رزق من عند اللّٰہ سبحانہ و تعالی بحسن القبول عند جمھور الافاضل والفحول فعکفوا علیہ بالدرس و و تحشیتہ ۔" (21)

چنانچہ شروع سے ھی اس پر علماء نے حواشی و تعلیقات لکھنے شروع کئے ان کا تذکرہ ذیل میں مختصر طور پر کیا جاتا ھے ـــ

1 - نورالدین حمزہ قرامانی (متوفی - 871ھ)

2 - محمد بن فرامورز ملا خسرو (متوفی 871ھ)

3 - محمد بن مصطفی بن حاج حسن (متوفی - 911ھ)

4 - سعدی آفندی (متوفی 977ھ)

5 - قاضی ذکریا بن محمد انصاری (متوفی 910ھ)

6 - حافظ جلال الدین السیوطی (متوفی 911ھ)

7 - عصام الدین بن عرب شاہ اسفرائنی (متوفی 943ھ)

8 - ملا فوصی (متوفی - 994ھ)

جن علماء نے ھندوستان کے باھر تفسیر بیضاوی پر حواشی لکھے ـــ

1 - ذکریا بن بہرام انقروی (متوفی - 1001ھ)

---

(21) حاجی خلیفہ ۔ کشف الظنون ج 1 ص 163

2 - احمد بن روح اللہ انصاری (متوفی - 1009ھ)

3 - ملا حسین خلخال (متوفی 1014ھ)

4 - صدر الدین شیرازی (متوفی 1020ھ)

5 - محمد بن عبد الغنی (متوفی 1036ھ)

6 - ہدایت اللہ العلائی (متوفی 1039ھ)

7 - موسیٰ النہوی (متوفی 1046ھ) زیادہ مشہور ہیں -

ہندوستان میں تفسیر بیضاوی کا رواج غالباً دسویں صدی ہجری میں ہوا اس سے پہلے درس میں "کشاف" ہی متداول تھی - بہر حال غالباً دسویں صدی ہجری میں محقق دوانی (م - 908ھ) کے شاگرد ہندوستان میں آئے اور اس کے بعد تفسیر بیضاوی کے ساتھ اعتنا شروع ہوا سب سے پہلے خطیب ابوالفضل گارزونی نے جو محقق دوانی کے شاگرد تھے تفسیر بیضاوی پر حاشیہ لکھا - ان کے دوسرے شاگرد ملا عماد طارمی بھی گجرات آئے جہاں ان سے شیخ وجیہہ الدین گجراتی نے پڑھا - اور تفسیر بیضاوی پر حاشیہ لکھا - ان کے علاوہ ملا عبد السلام لاہوری نے "تفسیر الزہراوین کے نام سے حاشیہ رلکھا - ملا عبد السلام لاہوری کے شاگرد مفتی عبد السلام دیوی جو مولانا سیالکوٹی کے معاصر اور حریف تھے نے بھی اپنے اساتذہ کی روایت پر چلتے ہوئے اس کا حاشیہ لکھا تفسیرجیضاوی کے بارے میں باحوال المصنفین کے مولف یوں رقمطراز ہیں ---

"تفسیر بیضاوی کی اہمیت اس سے اور زیادہ واضح ہوتی ہے
کہ اگر کوئی شخص فقرہ کے مختلف پہلوؤں پر ادبی نقطہ نظر
سے ذہن کو منتقل کرنا چاہے تو اس کے لئے کشاف کے بعد
قاضی بیضاوی ہی کی تفسیر زیادہ موزوں ہے اس کی گرم بازاری

کا حال مغل فرمانرواؤں شاہ جہاں اور عالمگیر کے عہد تک تو
یہ رہا کہ بعض لوگ قرآن کریم کے ساتھ ساتھ پوری بیضاوی کو
بھی حفظ کر لیا کرتے تھے ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کے مشہور
شاگرد مولانا محمد معظم ساکن بنہ تھے تذکرہ علمائے ہند کے
مصنف نے ان کے متعلق لکھا ہے "قرآن مجید مع تفسیر بیضاوی
حفظ گرفتہ مگر جب سے دیگر عقلی و ذہنی کتابوں کا بوجھ
بڑھا ہے اس وقت سے عام مدارس میں بیضاوی کے صرف ڈھانچے
پارے رہ گئے ہیں۔" (22)

تفسیر بیضاوی پر زمانہ قدیم سے عصر حاضر تک ہر عالم نے اپنے جداگانہ اسلوب میں اس پر شروح و حواشی تحریر کئے ۔ چنانچہ بعض علماء نے اس کی صرف ایک سورہ پر اور بعض نے پوری کتاب پر حواشی تحریر کئے اس کے کل حواشی کی تعداد چالیس سے بھی زائد ہے ۔ ان سبھی حواشی کی زبان نہایت آسان اور سلیس ہے مگر ہر عالم کا طرز تحریر جداگانہ ہے حالانکہ ان حواشی کی تصنیف کا مقصد صرف اتنا تھا کہ طالبان علم کو قرآن پاک سمجھنے میں آسانی ہو ۔ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے حاشیہ کے علاوہ بقیہ سبھی قلمی ہیں ۔ یہ حاشیہ بھی سیقول کے ثلث تک ہے ۔ خلاصہ کلام بیضاوی کو امہات کتب التفسیرہ میں شمار کیا جاتا ہے اور جسے قرآن کے معانی و مطالب اور اسرار و رموز سے دلچسپی ہو وہ تفسیر بیضاوی سے بےنیاز نہیں ہوسکتا ۔ ذیل میں چند ہندوستانی علماء کا مختصر تعارف پیش ہے تاکہ ان علماء کے علمی کارناموں کا اندازہ ہوسکے اور علامہ سیالکوٹی کا حاشیہ ان سب میں کیوں محترم ہے اور اس کے علاوہ یہ اپنے معاصر علماء میں کس حیثیت سے اتنا مقبول ہوا ۔

---

(22) محمد حنیف گنگوہی ۔ باحوال مصنفین ص 36

1 - خطیب ابوالفضل کاذرونی گجراتی (متوفی - 959ھ/1551ء) ـــ

تفسیر بیضاوی پر دسویں صدی ھجری میں جن لوگوں نے ھندوستان میں حواشی لکھے ان سب میں خطیب ابوالفضل کذرونی گجراتی اول ھیں یہ پہلے تو محقق دوانی کے شاگرد تھے مگر بعد میں گجرات چلے آئے - ان کے اساتذہ میں ابوالفضل جلال الدین دوانی اور محی الدین کا نام لیا جاتا ھے وہ بڑے عالم فاضل اور بہت سی کتابوں کے مصنف تھے ان کی تصانیف میں حاشیہ علی شرح المواقف اور شرح الارشاد اور حاشیہ علی تفسیر بیضاوی وغیرہ مشہور ھیں - ان کے حاشیہ بیضاوی کا مقصد بیضاوی کی مشکلات کو حل کرنا ھے اور اپنی اس کاوش میں وہ کامیاب بھی رھے (23)

2 - علامہ وجیہہ الدین علوی گجراتی (910ھ/1505ء تا 998ھ/1589ء) ـــ

علامہ وجیہہ الدین بن نصراللہ بن عماد الدین علوی اپنے زمانے کے بڑے مشائخ علماء میں سے تھے - ان کی تاریخ پیدائش تذکرہ علمائے ھند میں 911ھ اور بعض جگہ پر 910ھ بتائی گئی ھے مگر مستند تذکروں کے مطابق 910ھ/1505ء میں جانپانیر گجرات میں پیدا ھوئے (24)

اپنے زمانہ کے مشاھیر سے علوم حاصل کرنے کے بعد 934ھ میں خانپور احمد آباد میں ایک مدرسہ "عالیہ علویہ" کے نام سے قائم کیا اور 94 سال تک اس میں درس دیتے رھے لیکن آخری عمر میں اس نام بدل کر "مدرسہ درس محمدی"

---

(23) ڈاکٹر زبیر احمد - عربی ادبیات میں پاک و ھند کا حصہ ص 272

(24) معارف 1992ء ج 151 ص 29

رکھدیا تھا ۔ انھیں تصنیف و تالیف اور اچھی عبارت لکھنے میں بڑی مہارت حاصل تھی ۔ درس و تدریس میں ہمہ وقت مشغول رہنے کی وجہ سے وہ استاد الاساتذہ کے لقب سے مشہور تھے ۔ انھوں نے بہت سی کتب پر حواشی لکھے اور کچھ باقاعدہ کتب بھی تصنیف کیں جن کی کل تعداد 197 بتائی جاتی ہے ۔ انھوں نے جو حواشی تحریر کئے ان میں حاشیہ بیضاوی حاشیہ کشف الاصول بزدی حاشیہ علی المواقف حاشیہ ھدائیہ حاشیہ مختصر مطول حاشیہ عضدیہ و شرح تجرید شرح عقائد حاشیہ قدیمہ و شرح مقاصد حاشیہ شرح جامی حاشیہ قطبی حاشیہ شرح چغمینی حاشیہ مختصر معانی حاشیہ شرح ارشاد النحو رسالہ جنت العدن شرح حکمت العین وغیرہ مشہور و مقبول ہیں (25)

ملا وجیہہ الدین کے تحریر کردہ حاشیہ بیضاوی کے تین مخطوطے اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں ۔ پہلا علی گڑھ یونیورسٹی لائبریری کے حبیب گنج کلکشن میں دوسرا حیدرآباد آصفیہ لائبریری اور تیسرا سالار جنگ لائبریری حیدرآباد میں ہیں تینوں نسخے مکمل ہیں اور ان کے کاتب الگ الگ ہیں ۔ تینوں نسخے سورہ فاتحہ سے سورہ حجر تک ہیں ۔

اس حاشیے کا مقصد بھی وہی ہے جو دوسروں کے پیش نظر تھا یعنی بیضاوی کی مشکلات کو حل کرتے ہوئے مسائل کو زیادہ آسان انداز میں ذہن نشین کرانا اور اس سلسلے میں ان کی کاوش قابل قدر ہے ۔ وہ عبارت کو قولہ کے بعد تحریر کرتے ہیں اور اس کے بعد تشریح کئی جگہوں پر ان کی اور بیضاوی کی عبارت میں تفریق کرنا مشکل ہے اسلئے کہ انھوں نے کوئی ایسی علامت

---

(25) ڈاکٹر ظہورالحسن شارب ۔ تاریخ صوفیائے گجرات ص 132

تحریر نہیں کی جس سے دونوں کو الگ کیا جاسکے ۔ عبارت صاف ستھری ہے جہاں پر گرامر کی ضرورت محسوس ہوئی وہاں اس سے بھی بحث کی ہے ۔ اس دور کی دوسری شرحوں کے مقابلے میں یہ بہتر ہے اور مفہوم کے سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے ۔

ملا وجیہہ الدین کو اپنے مدرسے سے اسقدر لگاؤ تھا کہ تادم آخر اس میں مصروف رہے چونکہ آپ کثیر التصانیف ہیں لہذا آپ کا قائم کردہ علوی کتب خانہ ہندوستان میں مشہور رہا ہے ۔

3 - مولانا عبد السلام لاہوری (متوفی - 1037ھ/1627ء) —

یہ اپنے وقت کے بڑے عالم و فاضل شخص تھے درسی کتابیں شیخ اسحاق سے پڑھیں پھر شیخ سعد اللہ اور قاضی صدر الدین سے بھی کسب فیض کیا اس کے بعد میر فتح اللہ شیرازی سے حکمت سیکھی اور تمام علوم عقلیہ و نقلیہ سے فراغت کے بعد اپنے آبائی وطن لاہور میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا شیخ محب اللہ الہ آبادی اور مفتی عبدالسلام دیوی ان کے مشہور و معروف شاگرد ہیں ۔ 1037ھ/8-1627ء میں وفات پائی اور لاہور میں مدفون ہوئے۔(26)

ملا عبدالسلام لاہوری نے بھی تفسیر بیضاوی پر حاشیہ لکھا اس کا اصل نام "حاشیہ زہراوین" ہے یہ 273 صفحات پر مشتمل ہے اس کا ایک قلمی نسخہ رامپور کے کتب خانے میں موجود ہے یہ سورہ فاتحہ سے سورہ آل عمران تک ہے بیضاوی کے اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے انھوں نے اپنے حاشیے کو زیادہ آسان

---

(26) رحمان علی - تذکرہ علمائے ہند ص 298

اور عام فہم بنانے کی کوشش کی ہے مگر کسی بھی شرح کی جب مزید شرح کی جاتی ہے تو چھان بین اور مسائل کی تحقیق و تدوین میں بسا اوقات بات سلجھنے کے بجائے الجھ جاتی ہے ایسا ہی کچھ اس حاشیے میں بھی ہے بہت سی جگہوں پر باتیں کافی لمبی ہو گئیں ہیں اور پتہ چلانا مشکل ہے کہ مطلب کیا ہے اس کے علاوہ انھوں نے اس حاشیے میں احادیث بھی نقل کی ہیں اختلافی مسائل میں ائمہ کی راہیں بھی لکھیں اور ساتھ میں ان اختلافات کو بھی نقل کیا ہے کہ مختلف مسائل میں علماء کا مذہب کیا رہا وغیرہ غرضیکہ ان کی پوری کوشش تھی کہ یہ حاشیہ مقبول عام ہو ۔ دوسرے ہندوستانی علماء میں شیخ عیسی بن عثمان سندی برہانپوری شیخ صبغت اللہ گجراتی شیخ شمس الدین بیجاپوری شیخ طیب بن عبدالواحد بلگرامی شیخ ماہر رضی ہمدانی قاضی نور اللہ شوستری میر محمد ہاشم گیلانی اور قاضی محمد آصف الہ آبادی نے تفسیر بیضاوی پر حواشی تحریر کئے علامہ سیالکوٹی کے حریفوں میں ملا عبدالسلام دیوی کے علاوہ شیخ یعقوب بن یوسف البنانی اور ملا حسین کشمیری نے بھی تفسیر بیضاوی پر حاشیہ لکھا ۔

ان تمام علماء کے حواشی قلمی ہیں مگر مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کا حاشیہ علی تفسیر بیضاوی مطبوعہ ہے اسی وجہ سے وہ اپنے ہمعصروں میں نہایت ہی بلند مرتبہ رکھتے ہیں ۔ ان کے تحریر کردہ حاشیہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ آج بھی مختلف عربی مدارس میں شامل نصاب ہے اگرچہ ان کی یہ تصنیف مطبوعہ ہے مگر اس کے قلمی نسخے بھی مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں یہ پہلے دو پاروں کی شرح ہے چونکہ یہ حصہ اہم مسائل سے متعلق ہے اسی لئے انھوں نے اس کی تشریح کرنا ضروری سمجھا ۔

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی بھی عام دستور کے مطابق اپنے مدرسے میں تفسیر بیضاوی کا درس دیتے تھے اور وہ اس کی اہمیت سے بھی خوب واقف تھے۔ چنانچہ انھوں نے تفسیر بیضاوی کے دیباچہ میں لکھا ہے ـــ

"ان التفسیر العتیق البصر و العمیق المسمی بانوار التنزیل لکلام الھمام قدوته علماء الاسلام سلطان المحقیقین برھان المدققین القاضی ناصر الدین عبدالله البیضاوی قد استعز العلماء عل مشکلاته و اسھر الاذکیا اھداقھم لفتح مغلقاته الانه لوجازته العبادات و احتوائه علی الاشارات جل ان یکون شریعیته لکل و اردوان یطلع علیه الاواحد بعد واحد۔"

(ترجمہ) وہ قدیم تفسیر اور (علوم قرآنیہ کا) عمیق سمندر جس کا نام انوار التنزیل ہے اور جو امام ہمام قدوتہ علمائے اسلام محققین کے بادشاہ اور دقیقہ سنجوں کی برھان ناصر الدین عبداللہ بیضاوی کی تصنیف ہے علمائے کرام اس کی مشکلات کے حل کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور اذکیائے روزگار نے اس کے مغلقات کی توضیح کے لئے اپنی آنکھوں کو شب بیداری کرائی ہے ۔ لیکن یہ کتاب اپنی عبارتوں کے ایجاز کی بناء پر اور اشارات علمیہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اس بات سے کہیں بلند ہے کہ ہر اترنے والے کے لئے پانی کا گھاٹ بن جائے (ہر کس و ناکس کی سمجھ میں آجائے) اور یکے بعد دیگرے لوگ اس کے دقائق و غوامض پر مطلع ہو جائیں) ۔

مولانا سیالکوٹی کا اصل مقصد "بیضاوی" کی مشکلات کو حل کرنا تھا اور دوسرے یہ بات بھی پیش نظر تھی کہ عبارت عام فہم ہو اسی وجہ سے انھوں نے تفسیر بیضاوی کے چھوٹے چھوٹے جملوں اور کہیں کہیں پر مبہم تفسیر کی

تشریح و توضیح پوری تفصیل سے کی ہے تاکہ پڑھنے والے فائدہ اٹھا سکیں ۔ ان کا یہ حاشیہ اسقدر کثیر الفوائد ہے کہ بیضاوی نے جن فنون کے سہارے یہ تفسیر مرتب کی تھی علامہ سیالکوٹی نے ان تمام پر گہری نظر رکھتے ہوئے دو چند فنون کی مدد سے اس حاشیہ کی افادیت میں اضافہ کیا ہے اس کے مختصر فوائد یہ ہیں کہ علامہ بیضاوی کی بعض عبارات بڑی مغلق ہیں جو آسانی سے سمجھ میں نہیں آتیں علامہ سیالکوٹی نے ان عبارات کی نہایت عمدہ تشریح کی ہے اس کے علاوہ بیضاوی کے شافعی نقطہ نظر کے مقابلہ میں ملا سیالکوٹی نے اپنے حنفی نقطہ نظر کو بڑی وضاحت اور استدلال کے ساتھ پیش کیا ہے علامہ بیضاوی پر عائد کردہ الزام کہ وہ زمخشری کے خوشہ چیں ہیں کی مدافعت کرتے ہوئے دونوں تفسیروں کا تقابل و تفاضل بھی کیا ہے اور جگہ جگہ بیضاوی کی برتری کی نشاندھی کی ہے ۔

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی نے اپنا یہ شہرہ آفاق حاشیہ شاہ جہاں کے دور حکومت میں تحریر کیا وہ فرماتے ہیں ـــــ

"حتی جذب صنیعی و جمع شتات عمری دولته السلطان
..... ابوالمظفر شهاب الدین محمد شاهجهان بادشاه
..... وهدت بعین عنایته ملحوظا و بین اعیان الناس
مغوطاً ۔ فعیت بی الطل وضاقت علی الحیل فشرعت فی
جمع ما سمع به خاطری الطیل و ذهنی الکلیل .....
جاداً فی تحقیق معانیه باثعاً عن رموز مبانیه مومیاً فی اثنائه
الی اجوبته شکوک الناظرین ..... فجاءت بعون الله
کنزاً لایحصی فوائده و بحراً لا یقضی فرائده ۔" (27)

---

(27) المعارف مارچ 1968ء ص 33

(ترجمہ) یہاں تک کہ سلطان ابوالمظفر شہاب الدین شاہ جہاں بادشاہ کی دولت نے مجھے کھینچ لیا - اور میری پراگندگی طبع کو اطمینان خاطر سے بدل دیا ..... اور میں اس کی عنایت کی آنکھوں کا منظور نظر ہوگیا اور اعیان ملک میں محمود اتران بن گیا - اب بہانہ سازی میرے ساتھ عاجز ہوگئی اور حیلے حوالے میرے اوپر تنگ ہوگئے (یعنی اب دوستوں سے پراگندگی طبع و انتشار خاطر کا زیادہ بہانہ نہیں کرسکتا تھا) پس میں نے ان نکات و فوائد کے جمع کرنے کی ابتدا کی جو میری بیمار طبیعت اور کھٹل ذہن میں آئے تھے ..... لیکن ان کی ترتیب و تدوین میں میں نے تحقیق معانی کو پیش نظر رکھا اور ان کے بنیادی مسائل کے رموز سے بحث کرتا رہا اور اس تحریر کے اندر ناظرین کے شکوک و شبہات کے جواب کی طرف اشارہ کرتا رہا ..... پس اللہ تعالی کی مدد سے ایسا خزانہ ظہور میں آیا جس کے فوائد کا شمار نہیں کیا جاسکتا اور ایسا سمندر جس کے موتی ختم نہیں ہو سکتے) -

اس طرح پہلے پارہ کی تفسیر کا حاشیہ ختم ہوا جسے علامہ نے شاہ جہاں کے ملاحظہ کے لئے پیش کیا - ان کا یہ حاشیہ مصر کے علاوہ ہندوستان میں بھی شائع ہو چکا ہے اس کے علاوہ انھوں نے زبان و لغت کی باریکیوں کا ذکر کرتے ہوئے تفسیر بیضاوی کے مشکل الفاظ و محاورات کی اپنے مخصوص طرز میں نحوی و لغوی تشریح کی ہے - ان کی تشریحی عبارتیں دوسرے شارحین کے مقابلے میں زیادہ آسان ہیں اور ان احادیث کی اسناد جو قاضی بیضاوی محض اشارۃً ذکر کرکے چھوڑ گئے تھے پورا متن درج کرتے ہوئے اس حاشیہ میں ایسا طرز تحریر اختیار کیا ہے کہ وہ دوسرے تمام شارحین سے سبقت لے گئے ان کی تشریحی عبارتیں بغیر کسی الجھن کے قاری کی سمجھ میں آجاتی ہیں - قاضی صاحب

بعض مقامات پر تفسیر کرنا چھوڑ گئے ہیں اور ملا عبدالحکیم نے "واعلم ان المصنف رحمہ اللہ تعالی لہ یفسر" لکھ کر خود اس کی تفسیر نہایت جامع انداز میں کی ہے بیضاوی نے "و آمنوا بما انزلت مصدقاً لما معکم" کی تفسیر میں ایک حدیث نقل کی ہے جس میں یہ تذکرہ ہے کہ اگر موسیٰؑ ہوتے تو وہ بھی میرے دین کی اتباع کرتے ۔ صاحب بیضاوی نے اس حدیث کا کوئی حوالہ نقل نہیں کیا ہے ۔ علامہ سیالکوٹی نے اس واقعہ کی پوری تفصیل نقل کرتے ہوئے اس کے الفاظ نقل کئے ہیں کہتے ہیں ـــــ

والذی نفسی محمد بیدہ لوبدا لکم موسی فاتبعتموہ و ترکتمو فی لضللتم عن سواء السبیل ولوکان حیًا و ادرک نبوتی لاتبعنی"

مشکوتہ اور دارمی کا حوالہ بھی دیا ہے ۔" (28)

حاشیہ علی الکشاف ـــــ

فن تفسیر میں مولانا عبدالحکیم کی دوسری تالیف زمخشری کی الکشاف کا حاشیہ ہے جواب ناپید ہے ۔

خلاصہ یہ کہ تفسیر کا دور گیارھویں صدی تک ہی محدود نہ رہا بلکہ اس کا سفر آج بھی جاری ہے اس کے علاوہ ہندوستانی علماء نے صرف شروح و حواشی پر ہی اکتفا نہیں کیا ۔ بلکہ اپنی علمیت کا ثبوت دیتے ہوئے بہت سی مشہور و معروف تفاسیر بھی لکھیں اور صرف فن تفسیر میں ہی نہیں بلکہ تقریباً ہر موضوع چاہے وہ فقہ ہو یا علم حدیث علم ہئیت ہو یا فلسفہ یا نحو و بلاغت پر ایسی بےشمار اور لازوال تصانیف چھوڑی ہیں کہ شمار کرنا ناممکن ہے

---

(28) ڈاکٹر محمد سالم قدوائی ۔ ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں ص 189

تاریخی اعتبار سے اگرچہ ہندوستان کا موجودہ سلسلہ تفسیر عرب و ایران کی تاریخ تفسیر سے بہت بعد میں شروع ہوا پھر بھی تفاسیر کی کثرت اور بہت سی تفاسیر کی تاریخ تألیف کی کامیابی کی صورت میں ان تمام تالیفات کا تاریخ وار تذکرہ بہت دشوار ہے -

2 - فقہ —

فقہ کے لغوی معنی "العلم بالشیٔ والفہم لہ" یعنی کسی چیز یا شے کا علم اور اس کی فہم - اور اصطلاحی معنی میں "شریعیت کا علم" - قرآن پاک میں اور حدیث میں اس لفظ کا استعمال اس کے لغوی معنی کے قریب ہے یعنی محض علم و فہم کی بنا پر کسی مسئلے کو کھولنا یا اس کی حقیقت معلوم کرنا فقہ کہلاتا ہے - فقہ کا پہلا مآخذ "قرآن پاک" ہے جو شریعیت کا اصل الاصول ہے اس میں عقائد کا مفصل بیان ہے اور دوسرا مآخذ "سنت نبویؐ" تیسرا "اجماع" (کسی بھی زمانے کے مجتہدین کا کسی ایک حکم پر متفق ہو جانا) اور چوتھا اور آخری مآخذ "قیاس" ہے یعنی کسی شرعی حکم کو کسی مصلحت کی بنا پر کسی دوسرے امر کے شرعی حکم کے حصول کے لئے بنیاد بنانا ہے - یہ اجماع سے وسیع تر اور آسانی سے ممکن العمل طریقہ اور شریعیت کا نہایت ہی اہم اور وسیع الاثر مآخذ ہے - الخضری کی شہرہ آفاق تصنیف "تاریخ فقہ اسلامی" کے مطابق فقہ اسلامی کے چھ ادوار ہیں —

1 - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں

2 - صحابہ کرامؓ کے عہد میں

3 - صحابہؓ اور تابعین کے عہد میں

4 - وہ زمانہ جس میں فقہ نے ایک مستقل علم کی شکل اختیار کی اور بڑے بڑے علماؑ نے یہ علم مدون کیا - یہ دور تیسری صدی ہجری پر ختم ہوتا ہے -

5 - وہ دور جس میں ائمہ کے اجتہادات پر فقہ و نظر اور ان کے مسائل کی مزید تحقیق ہوئی یہ دور انقراض خلافت بغداد پر ختم ہوکر مصر میں قدرے اس کے بعد تک قائم رہا -

6 - اس کے بعد کے زمانے میں زیادہ تر تقلید پر زور دیا گیا - غرض فقہ وسیع تر اصطلاح ہے اور اس کا اطلاق دین عقائد و عبادات و معاملات احکام سلطانیہ سب کے مجموعے پر ہوتا ہے اس کی غرض و غایت یہ ہے کہ اعمال شریعیہ پر عمل کرنے کا انسان میں ملکہ پیدا ہو - گویا فقہ کی ترویج و اشاعت اسلام کی آمد سے ہی شروع ہوئی کیونکہ شرعی احکام کو جاننا اور ان پر عمل کرنا فقہ کے ذریعہ ہی ممکن ہے - فقہ میں شرعی احکام کے استنباط سے تفصیلی دلائل کے ذریعہ بحث کی جاتی ہے - اس میں کلام الہی اور سنت نبوی کی روشنی میں فقہی مسائل کا حل تلاش کیا جاتا ہے -

امت مسلمہ نے جن مذاہب فقہیہ کو قبول کیا اور جو اب تک عالم اسلام میں موجود ہیں وہ چار ہیں -

فقہ حنفی مالکی شافعی اور حنبلی عالم اسلام کے ہر حصے میں ان میں سے کسی ایک فقہ کو مقبولیت حاصل ہوئی جیسے اندلس اور شمالی افریقہ کے مغربی حصہ میں لوگ مالکی فقہ پر عمل کرتے ہیں حجاز و یمن میں شافعی فقہ رائج ہے نجد میں فقہ حنبلی پر عمل ہوتا ہے اور ہندوستان میں شروع سے امام ابو حنیفہ کے فقہ کو عام مقبولیت حاصل ہوئی ہندوستان کے علاوہ عراق - ماوراالنہر آذر بائجان خوارزم اور افغانستان میں بھی فقہ حنفی ہی رائج ہے

لیکن جنوبی ہندوستان میں ساحل سمندر کے قریب اہل حجاز اور یمن کی آمد و رفت کے سبب اس علاقہ کے کچھ لوگ فقہ شافعی پر قائم ہیں ۔ ہندوستانی علماء نے شرعی علوم میں سب سے زیادہ فقہ اور اصول فقہ میں اپنے ذہن و قلم کو صرف کیا ہے چنانچہ جب ہندوستانی علماء عربی میں تصنیف و تالیف کرنے لگے تو اس وقت تک فقہ کے موضوع پر اتنی کثرت سے کتابیں لکھی جاچکی تھیں کہ مصنفین نے نئے موضوعات پر لکھنے کے بجائے اپنی قلمی مساعی کو شروح و حواشی تک محدود کرلیا چنانچہ اس موضوع پر جو کچھ بھی لکھا گیا ہے اس کی نوعیت ایسی ہے کہ جیسے پرانی عمارتوں کے مسالے سے ایسی نئی عمارات بنائی جائیں جو پرانی تعمیروں کی محض نقل ہوں اور خاکے میں نہایت معمولی ترمیم کی گئی ہو ۔

ہندوستانی علماء نے متقدمین فقہاء کی مشہور و مفید عام کتابوں کی تشریح و توضیح کا فریضہ ادا کیا اور حواشی لکھنے کے علاوہ فقہی کتابوں کی تالیفات کا ایک عظیم سرمایہ جمع کردیا ۔ مشہور و متداول کتب فقہ کا فارسی و دیگر زبانوں میں ترجمہ کیا ۔

علم اصول فقہ کا بانی ابو ہلال عسکری و اصل بن عطاء الغزالی (م - 131ھ) تھا ۔ اصول فقہ میں قطعی دلائل کے ذریعہ فقہی مسائل اور شرعی احکام کے استنباط کا طریقہ بتایا جاتا ہے ۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ کتاب و سنت اور اجماع و قیاس سے ان مسائل و احکام کے جاننے اور پرکھنے کی مہارت پیدا ہو جائے لہذا جن میں اس مسلک کے فقہی اصول درج ہیں وہ کتابیں چاروں مسالک میں موجود ہیں ۔

اصول فقه کی جن قدیم کتابوں کو بنیادی حیثیت حاصل ہے ان میں ابن الحاجب کی "منتہی الاصول والامل فی علمی الاصول و الجدل" ابن السعاتی کی "کتاب القواعد" اور الکتاب البدیع" امام فخرالدین رازی کی "المحصول" قاضی بیضاوی کی "منہاج الاصول" امام نسفی کی "منارالاصول" صدرالشریعتہ کی "التنقیح" اور اس کی شرح "التوضیح" علامہ سعدالدین تفتا زانی کی "التلویح" اور ابن ہمام کی "تحریر الاصول" وغیرہ مشہور اور قابل ذکر ہیں ۔

علوم شرعیہ میں سب سے زیادہ فقہ پر ہندوستانی مصنفین نے کتابیں لکھیں ان میں کچھ تو مستند کتابوں کی شرحیں اور حواشی ہیں اور کچھ فتوے کی کتابیں چند مشہور مقبول کتب کا تذکرہ ذیل میں کیا جارہا ہے ۔

عمر بن اسحاق الہندی (م- 773ھ/1317ء) کی "شرح المغنی" فقہ کے موضوع پر بڑی معتبر تصنیف ہے محب اللہ بہاری کی "مسلم الثبوت" دوسری مشہور کتابوں میں سے ایک ہے اور یہ بہت سی شرحوں کی بنیاد بنائی گئی اس کے علاوہ "شرح ہدایتہ" شیخ حمید الدین مخلص دہلوی (م 764ھ) شرح ہدایہ پر شیخ اللہ داد جونپوری شیخ وجیہہ الدین علوی گجراتی اور مفتی عبدالسلام دیوی نے بھی حواشی لکھے ۔"شرح وقایہ" پر شیخ وجیہہ الدین گجراتی شیخ عنایت اللہ لاہوری شیخ محمد وارث بنارسی اور شیخ نورالدین گجراتی بن محمد صالح وغیرہ نے بہت سی شرحیں اور حواشی تحریر کئے ۔

اصول فقہ میں امام شافعی نے سب سے پہلے کتاب تصنیف فرمائی اور قدیم کتابوں میں ابوزید دبوسی کی "تقدیم الادلہ" اور فخرالاسلام بزدوی کی "اصول" اور عبدالعزیز بن احمد بخاری کی الکشف شرح الاصول علامہ آمدی کی "منہاج الاصول" علامہ سعد الدین تفتا زانی کی "التلویح" اور ابن ہمام کی "تحریرالاصول"

بھی اس فن کی قدیم کتابوں میں ہیں (29) اصول فقہ پر ہندوستانی علماء کی کئی گرانقدر کتابیں ہیں ان کی مشہور و معروف تصنیفات میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں ـــ

شرح البزدوی - شیخ سعد الدین خیرآبادی

شرح البزدوی - شیخ اللہ داد جونپوری و شیخ وجیہہ الدین علوی گجراتی

شرح الحسامی - شیخ معین الدین عمرانی دہلوی شیخ سعد الدین خیرآبادی اور شیخ یعقوب ابو یوسف بنانی لاہوری

حاشیہ التلویح التوضیح - ملا وجیہہ الدین علوی گجراتی

حاشیہ التلویح - شیخ یعقوب کشمیری بن حسن صدنی

حاشیہ التلویح بر مقدمات اربعہ - ملا عبد الحکیم سیالکوٹی

التصریح حاشیہ التلویح - شیخ عبد اللہ بن ملا عبد الحکیم سیالکوٹی

ان کتابوں کے علاوہ فقہ کے موضوع پر ہندوستان میں بےشمار کتابیں لکھی گئیں ـــ

3 - حاشیہ علی التلویح ـــ

مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی نے اصول فقہ کی اس مستند کتاب پر حاشیہ لکھا - سب سے پہلے "تلویح توضیح" کا اجمالی تعارف پیش ہے "تلویح توضیح" اصول فقہ کی بڑی مستند کتاب ہے - اس کا متن تنقیح الاصول علامہ صدر الشریعہ کی تصنیف ہے بعد میں انھوں نے اس پر "التوضیح فی حل غوامض التنقیح" کے عنوان سے شرح لکھی جس پر آٹھویں صدی کے وسط میں "تفتازانی نے "تلویح" کے نام سے حاشیہ لکھا اور کچھ دن بعد یہی حاشیہ اصول فقہ کی مستند درسی

---

(29) مولانا عبد الحئی - الثقافتہ الاسلامیہ فی الھند (اردو) ص 180

کتاب کی حیثیت سے مدارس کے لطی نصاب میں داخل ہوگیا اور ہندوستان کے مدارس عربیہ میں آج تک داخل ہے -

تلویح توضیح کی تصنیف ـــــ

اصول بزدوی کی وضاحت صدر الشریعتہ عبید اللہ بن مسعود (م- 747ھ) نے "التنقیح" میں کی - اور اس کی ترتیب و تدوین میں انھوں نے امام رازی کی "کتاب المحصول" اور "اصول ابن حاجب" سے بھی مدد لی - بعد ازاں عبید اللہ بن مسعود نے "التوضیح فی حل غوامض التنقیح" کے نام سے اس متن کی شرح لکھی لیکن یہ شرح خود وضاحت طلب تھی - چنانچہ علماؑ نے اس پر حواشی لکھے جن میں سب سے زیادہ علامہ سعد الدین تفتازانی کا حاشیہ "تلویح" مقبول ہوا انھوں نے یہ حاشیہ "کشف الظنون" کے مطابق 758ھ میں لکھا تھا - چنانچہ تلویح نے جلد ہی ممالک اسلامیہ کے مدارس میں خصوصی مقبولیت حاصل کرلی اور علما نے اس کے ساتھ اعتنا برتنا شروع کیا - مشاہیر حاشیہ نگاروں سے میں برہان الدین احمد بن عبد اللہ علاؤ الدین طوسی خسرو ابن کمال پاشا مولی خضر شاہ - مولی لطفی وغیرہ روم کے اندر اور میر سید شریف جرجانی اور مولانا معین الدین عجم کے اندر مشہور ہیں -

ہندوستان میں زمانہ قدیم میں اصول بزدوی کا رواج تھا - پھر تغلق سلاطین کے عہد میں "حسامی" کا ذکر بھی آتا تھا - اور مآثر الکرام کے مطابق مولانا معین الدین نے اس پر حاشیہ بھی لکھا تھا - بعد میں "المنار" بھی مروج ہوگئی جب فیروز تغلق نے آٹھویں صدی ہجری کے نصف ثانی میں حوض خاص پر مدرسہ فیروز شاہی تعمیر کرایا تو اس میں مولانا قطب الدین رازی کے شاگرد مولانا جلال الدین رومی کو صدر مدرس مقرر کیا اور دوسرا مدرس سید یوسف بن سید

جمال کو بنایا چنانچہ انھوں نے "المنار" کی شرح کی شیخ محدث عبدالحق دھلوی اخبار الاخیار میں فرماتے ھیں ـــ

"سید یوسف بن سید جمال الحسینی رحمتہ اللہ علیہ .....
بر منار نیز شرحے دارد مسمی بتوجیہ الافکار ۔" (30)

"تلویح توضیح" کا رواج غالباً نویں صدی ھجری سے شروع ھوا جبکہ ھندوستانی علماء تفتا زانی سے پڑھ کر آئے بہرحال اس پر سب سے پہلے شیخ وجیہہ الدین گجراتی کے حاشیہ کا ذکر ملتا ھے دوسرے شیخ یعقوب بن حسن صوفی تھے جو فضلائے کشمیر میں نمایاں مقام رکھتے تھے ان کے علاوہ شیخ نورالدین محمد صالح گجراتی شیخ محمد عاشق چریاکوٹی اور علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کےصاحبزادے شیخ عبداللہ لبیب نے بھی اس پر حواشی لکھے متأخرین میں مولانا جمال الدین ابن رکن الدین گجراتی شیخ امان اللہ بنارسی اور قاضی عبدالحق بن محمد اعظم کابلی کے حواشی مشہور ھیں ۔

تلویح توضیح کے مقدمات اربعہ ـــ

تلویح توضیح کا سب سے اھم حصہ "مقدمات اربعہ" ھیں جو "حسن وقبح افعال" کے مسئلہ کی توضیح میں صدر الشریعتہ کا خصوصی کارنامہ گنے جاتے ھیں یوں تو یہ بحث "مسئلہ جبر و اختیار کے سلسلہ میں علم کلام کے اندر آتی ھے مگر اصول فقہ میں بھی اس سے تعرض کیا جاتا ھے صدر الشریعتہ حنفی مذھب تھے اور اس مسئلے میں اشاعرہ کے "کسب" سے متفق نہ تھے ۔ لھذا انھوں نے اس مسئلے کی وضاحت نئے انداز سے کی اور اپنے موقف کی بنیاد چار مقدموں پر رکھی

(30) شیخ عبدالحق محدث دھلوی ۔ اخبار الاخیار (فارسی) ص 156

سب سے پہلے تو انھوں نے مسئلہ حسن و قبح افعال کی اہمیت کو بتایا ۔

"ھذہ المسئلتہ من امھات مسائل الاصول و مھمات مباحث المعقول و المنقول ومع ذلک ھی مبنیتہ علی مسئلہ الجبر والقدر الذی ذلت فی بوادیھا اقدام الراسخین وضلت فی مبادیھا عقول المتجرین و حقیقتہ الحق فیھا اعنی الحاق بین طرفی الافراط والتفریط سرمن اسرار اللہ تعالی التی لایطلع علیھا الاخواص عبادہ وھا انا بمعزل من ذلک لکن اوردت مع العجز عن درک الادراک قد دما و قفت علیہ و وقفت لا یرادہ (تلویح توضیح مصری جلد ثانی ص 102) ۔" (31)

(ترجمہ) "یہ مسئلہ اصول فقہ کے بنیادی مسائل میں سے ہے نیز معقولات اور منقولات کے اہم مباحث میں سے ہے اس کے ساتھ ساتھ جبر و اختیار کے مسئلہ پر موقوف ہے جن کے بیابانوں میں راسخین کے قدم بھی ڈگمگا گئے ہیں ۔ اور جس کے مبادی میں اہل فکر کی فہم و دانش گم رہ گئی ہے اور متجرین فی العلم کی عقلیں غرق ہوگئیں ہیں اور حق کی حقیقت یعنی اختیار کامل اور جبر محض کی افراط و تفریط کے درمیان جو امر واقعہ ہے وہ اللہ تعالی کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے جس میں وہ سوائے اپنے خاص بندوں کے کسی کو مطلع نہیں کرتا اور میں خواص عباد اللہ میں سے ہونے کے دعوے سے کنارہ کش ہوں لیکن ادراک حقیقت سے عجز کے اعتراف کے ساتھ جس چیز پر میں واقف ہوا اور جس کے بیان کی مجھے توفیق ہوئی پیش کرتا ہوں"۔

اس کے بعد انھوں نے دونوں فریقوں اشاعرہ اور معتزلہ کے مسلکوں کی توضیح کی ہے اس کے بعد انھوں نے مقدمات چہار گانہ اور ان کے ساتھ علماء

---

(31) المعارف - مارچ 1968ء ص 38

کے اعتنا کو بڑی خوش اسلوبی سے بیان کیا ہے ان مقدمات کی ندرت کے پیش نظر یہ فطری امر تھا کہ یہ دنیا اسلوب شروع ہی سے رد و قبول اور ایراد و اندفاع کا موضوع رہا ہو ۔ عرصہ تک تلویح توضیح کے حواشی نویس اس کے ساتھ ان مقدمات اربعہ کی بھی شرح و تفسیر کرتے رہے مگر بعد میں اس مبحث کی جلالت شان کے پیش نظر علماء نے مستقلاً اسے بحث و تمحیص کا موضوع بنادیا چنانچہ علمائے ہند نے بھی عموماً پوری تلویح توضیح پر حواشی تحریر کئے مگر مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی اس باب میں منفرد ہیں کیونکہ انھوں نے صرف اس کے مقدمات اربعہ کو اپنی کاوش فکر کا موضوع بنایا ہے ۔

4 - حاشیہ علی الحسامی ـــ

تلویح توضیح کے مفصل تذکرے کے بعد اصول فقہ کی ایک دوسری متداول کتاب "الحسامی" ہے جس پر مولانا معین عمرانی نے حاشیہ لکھا تھا ۔ ان کے علاوہ ہندوستانی علماء میں "الحسامی" پر شیخ سعد الدین خیرآبادی شیخ یعقوب بنانی لاہوری اور قاضی عبد النبی احمدنگری اور مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی نے بھی حواشی لکھے ۔ ان تمام حواشی میں صرف مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی کو اس درجہ مقبولیت حاصل ہے کہ ان کا حاشیہ مطبوعہ ہے اور بقیہ سب قلمی ہیں ۔ اس کے علاوہ پاکستان میں اس کا قلمی نسخہ پشاور میں بھی موجود ہے۔

3 - عقائد و علم کلام ـــ

عقائد اور علم کلام میں مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی کی کاوشوں کا تفصیلی تذکرہ کرنے سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ارتقائی منازل اور غرض و غایت کا اجمالی جائزہ پیش کیا جائے ۔

فکر اسلامی میں علم کلام کا آغاز ثقافتی ارتقاء کے عام قوانین کا فطری تقاضا تھا ۔ لہذا جب اسلام اپنی ہمہ گیری اور آفاقیت کی بنا پر جزیرہ عرب سے نکل کر غیر قوموں اور مختلف ذہنی افکار کے لوگوں کے درمیان پھیلنا شروع ہوا تو اسے بھی علم کلام کا سہارا لینا پڑا ۔ علم کلام کی جامع تعریف ڈاکٹر مسعود انور علوی المواقف کے حوالے سے یوں بتاتے ہیں ـــــ

الکلام علم باموریقتد رمعه اثبات العقائد الدینیته بایر اد الحجج و دفع الشبه ۔" (32)

(ترجمہ) علم کلام وہ علم ہے جس کے ذریعہ دینی و مذہبی عقائد کے ثابت کرنے پر اس طرح قدرت حاصل ہوتی ہے کہ ان کے ثبوت میں حجتیں لائی جائیں اور ان پر جو شبہات ہوں انہیں دور کیا جائے ۔

گویا علم کلام اسلام کے دینی علوم میں سے ایک علم ہے جس کا مقصد دینی عقائد کو عقلی دلائل کے ذریعہ پایہ ثبوت تک پہنچانا اور مخالفین کے شکوک و شبہات کا دور کرنا ہے اس کے ذریعہ ہم عقائد دینیہ کے اثبات کے لئے دلائل مہیا کرتے ہیں اور اس سلسلے میں علم کلام سب سے پہلے دینی عقائد کے بارے میں شک کرنے والوں اور منکرین کے خلاف قدم اٹھاتا ہے "شرح العقائد النسفیہ" میں تفتازانی کے قول سے مترشح ہوتا ہے کہ علم کلام وہ علم ہے جو دلائل کے ذریعہ عقائد کی معرفت کا فائدہ دیتا ہے ۔" (33)

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ علم کلام اسلامی علوم کا ایک ایسا شعبہ ہے جو دینیات اور فلسفہ کے بین بین ہے اور انسانی علوم و افکار کے ان دو

---

(32) ڈاکٹر مسعود انور علوی ۔ عربی ادب میں اودھ کا حصہ ص 108

(33) دائرہ معارف اسلامیہ ۔ ج 1/14 ص 73

متضاد نظاموں کو مربوط کردینے والی کڑی علم کلام ہے اسی لئے اس کو فلسفہ دینیات کہا جاتا ہے علم کلام کی اصطلاح سے متعلق یہ وضاحت بہت معقول ہے کہ قدیم اسلامی دور میں جب یونانی فلسفہ اور اسلامی نظریات باہم دوچار ہوئے تو مسلمان "الکلام فی کذا" کے عنوان کے تحت فلسفیانہ مسائل پر اظہار خیال کرنے لگے اور اس عنوان کے تحت موضوع قائم کرنے کا یہ طریقہ اسقدر عام ہوا کہ دینی تعلیمات پر فلسفیانہ بحث و تحقیق کرنے والے مخصوص علم کا نام ہی الکلام پڑ گیا ۔ علم کلام کی بحث میں ابن خلدون نے لکھا ہے کہ علم کلام میں عقائد ایمانیہ پر دلائل عقلیہ سے حجت لائی جاتی ہے اور اہل بدعت جو مذہب سے روگردانی کرکے عقائد ایمانیہ پر شک کرنے لگتے ہیں ان کی تردید مقصود ہوتی ہے یہ صحیح معنوں میں ایسا علم ہے جس نے اپنے آپ کو مسلم دینی معاشرے تک محدود رکھا اور وہ عیسائی اور یہودی الہیات سے قطعاً الگ تھلگ رہا ۔ اس نے اپنے آپ کو قرآن و سنت کی حدود کا پابند رکھتے ہوئے اس عقیدے پر عمل کیا کہ وحی و الہام کی یہ حدود صدق وراستی کے ہم معنی ہیں ۔ مولانا عبدالحئی الحسنی نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف "الثقافتہ الاسلامیہ فی الھند" میں رقمطراز ہیں ـــــ

"علم کلام وہ علم ہے جس میں عقائد دینیہ کا اثبات دلائل عقلیہ و نقلیہ سے کیا جائے اور اس سلسلہ سے جو شبہات وارد ہوں ان کو دفع کیا جائے اس علم کا موضوع وہ معلومات ہیں جن کا تعلق قریب یا بعید عقائد دینیہ کے اثبات سے ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس علم کا موضوع اللہ کی ذات ہے اور بعضوں نے

اس کا موضوع نفس موجود کو بتلایا ہے اس علم کے مسائل وہ تمام
احکام ہیں جو ان معلومات سے متعلق ہوں جن کا تعلق عقائد
دینیہ اور ان کے اثبات سے ہے ۔" (34)

چنانچہ جیسے جیسے اسلام جزیرہ عرب سے باہر پھیلا عجمیوں کا میل جول بھی بڑھا اور یونانی فلسفہ عربی زبان میں منتقل ہونا شروع ہوا اور اس کا اثر بڑھنے لگا تو ان کے اصولی نظریات کے رَد اور تنقید میں علم کلام کے ماہرین نے کتابیں لکھنا شروع کیں ۔ اس علم کے ماہرین میں امام ابوالحسن اشعری اور ان سے بھی زیادہ ان کے دو معاصرین امام ابو منصور ماتریدی (333ھ/ 945ء) اور امام ابو جعفر طحاوی (321ھ/ 933ء) کو شہرت حاصل ہوئی ۔ ابن تیمیہ (م - 728ھ) کو علم کلام کے مخالفین و متکلمین دونوں گروہوں میں شامل کیا جاسکتا ہے وہ امام احمد بن حنبل کے متبعین اور اہل السنتہ کے مدافعین میں سے تھے انھوں نے اعدائے دین مبتدعین مخالفین اہل السنتہ والجماعت باطنیہ فلاسفر حتی کہ صوفیہ اور متکلمین تک کو تنقید سے بالا نہ سمجھا اور ان سب پر پر زور حملے کئے ابن تیمیہ کے زمانہ میں اشاعرہ کا اسقدر زور تھا کہ اعلانیہ طور پر ان کے خلاف قلم اٹھانے کی جرات مشکل ہی سے کی جاسکتی تھی ۔ اس دور میں معتزلہ تقریباً ختم ہو چکے تھے ۔ بہرحال امام غزالی کی تصانیف سے یہ نتیجہ نکلا کہ منطق و فلسفہ جن میں محمد شین و فقہا کی بزم میں رسائی حاصل نہ تھی اب ان کی محفلوں میں جگہ پانے لگے ساتویں و آٹھویں صدی میں ابن تیمیہ جو ایک بلند پایہ محدث ہونے کے ساتھ فلسفہ و منطق کے ماہر بھی تھے نے علم کلام پر پوری توجہ دیتے ہوئے اس علم کے نام مکاتیب فکر پر محققانہ نظر ڈالی ۔

---

(34) مولانا عبدالحئی الحسنی ۔ الثقافتہ الاسلامیہ فی الھند (اردو) ص 285

ان کی چند کتب درج ذیل ہیں ـــــ

1 - عقیدہ اہل السنتہ والفرق الناجیتہ - ابن تیمیہ (م - 728ھ)

2 - الرسالتہ المدینتہ فی تحقیق المجاز والحقیقتہ فی صفات اللہ تعالی -

3 - الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح - ابن تیمیہ (م - 728ھ)

4 - رسالتہ فی القضاء والقدر - ابن تیمیہ (م - 728ھ)

5 - الرد علی الروافض و الامامیتہ - ابن تیمیہ (م - 728ھ)

علم کلام کی ابتداء کے بارے میں الاشعری کی "مقالات" سے لےکر التفتازانی کی "شرح العقائد النسفیتہ" تک سب نے یہی کہا ہے کہ آنحضرت اور صحابہ کے زمانہ تک لوگ عقائد کے سلسلے میں آپ سے براہ راست رجوع کرکے مطمئن ہو جاتے تھے اور اختلافات بہت کم ظہور میں آتے تھے لیکن بعد کے فتنوں کا ظہور سیاسی وجوہ کی بنا پر ہوا اور بہت سے اختلافات و اعتراضات دوسرے مذاہب کے لوگوں یا ان میں سے اسلام قبول کرنے والوں یا یونانی علوم کی اشاعت اور اس کے زیر اثر عقلی طریق کار کے غلبے سے پیدا ہوگئے - یہ بات قابل غور نہیں کہ مختلف آرا اور فرقے کیوں اور کیسے پیدا ہوئے - زیادہ قابل ذکر بات یہ ہے کہ آرا کی اس کثرت کے باوجود دین حق صراط مستقیم پر کیسے قایم رہا - یہ کارنامہ صرف علم کلام نے انجام دیا - ہر چند کہ علم کلام بعض موقعوں پر خود نئے مفاسد کا ذریعہ بنا لیکن مجموعی طور پر اس نے دین حق کی حقانیت کو ثابت کرنے اور اس کے خلاف حملوں کی مدافعت کرنے میں غیر معمولی خدمت انجام دی - علم کلام کے مندرجہ ذیل موضوعات تھے -

خدا کی ذات و صفات اور عدل و توحید کا مسئلہ

رویت باری

قرآن کا مخلوق یا غیر مخلوق ہونا

جبر و اختیار

کبائر کے مرتکب کی حیثیت اور کفر کی تعریف اور درجے

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

نبوت کی حقیقت اور منصب

مسئلہ امامت و خلافت وغیرہ

ہندوستان میں اس علم کی ارتقائی منازل طے کرنے کے سلسلے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہاں 15ھ/636ء میں مسلمان پہلی مرتبہ فاتحانہ طور پر آئے عہد بنی امیہ 93ھ/712ء میں محمد بن قاسم نے سندھ کو فتح کیا ۔ ان کے بعد عباسی عہد میں سندھ عباسی خلافت کا مشرقی صوبہ بن گیا ۔ اور رفتہ رفتہ یہاں سیاسی اقتدار کی توسیع کے ساتھ ساتھ اسلامی ثقافتی اور علمی روایات بھی رواج پا گئیں چنانچہ محمود غزنوی 417ھ/1026ء میں برسر اقتدار آیا پھر اس کے بعد غوری حکومت کے زمانے میں امام فخرالدین رازی ہندوستان آئے پھر تغلق عہد حکومت میں جب فیروز تغلق نے مولانا نجم الدین سمرقندی کو مدرسہ فیروز شاہی کا صدر مقرر کیا تو انھوں نے اپنے ہم وطن شمس الدین سمرقندی کی "الصحائف فی الکلام" پا اس کی شرح داخل کی اور یہ کتاب نویں صدی ہجری تک علمی درس گاہوں میں کلام کی آخری کتاب سمجھی جاتی تھی یہاں تک کہ مولانا عبداللہ تلنبی اور شیخ عزیز اللہ ملتانی نے شمالی ہندوستان میں آکر معقولات کو مزید رائج کیا ۔ پھر عہد مغلیہ کے اوائل میں یہاں بھی تعلیمی نصاب میں معقولات اور علم کلام کا رواج ہوا اور پھر دسویں صدی ہجری کے آخر میں یہ اپنے منتہائے کمال کو پہنچ گیا ۔ علم کلام کی چند مشہور و معروف کتب جو اس وقت نصاب درس میں شامل تھیں ان کا اجمالی خاکہ پیش خدمت ہے ۔

1 ۔ العقائد النسفیہ ۔ نجم الدین ابو حفص عمر بن محمد النسفی (534ھ/ 1139ء)

2 - العقائد العضدیہ - قاضی عضد الدین عبدالرحمن الایجی (756ھ/ 1355ء)

اول الذکر پر سعد الدین مسعود بن عمر التفتا زانی (791ھ/1389ء) نے اور ثانی الذکر پر جلال الدین محمد بن اسعد الدوانی (908ھ/ 1502ء) نے شروح لکھے - یہ دونوں کتابیں اور ان کی شرحیں وسیع حلقوں میں پڑھی اور پڑھائی جاتی ھیں اور بعد کے بیشتر علماء نے ان شرحوں پر بھی متعدد شرحیں اور حاشیے قلم بند کئے -

قاضی عضد الدین الایجی (756ھ/1355ء) نے آٹھویں صدی کے نصف اول میں علم کلام میں دو قابل شاھکار تصنیف کئے -

1 - المواقف — اس پر میر سید شریف الجرجانی (816ھ/1413ء) نے شرح لکھی المواقف پر غالباً مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی پہلے عالم ھیں جنھوں نے حاشیہ لکھا -

2 - العقائد العضدیہ — اس پر بھی بہت سے علما نے شروح و حواشی لکھے مگر جلال الدین محقق دوانی (908ھ/1502ء) کی شرح کافی مقبول ھوئی اور عربی مدارس میں زیر درس رھی ھے -

آٹھویں صدی کے نصف دوم میں علامہ سعدالدین تفتازانی (791ھ/ 1389ء) نے علم کلام میں دو قابل ذکر تصنیفات کیں —

1 - المقاصد - اور اس کی "شرح المقاصد"

2 - شرح العقائد النسفیہ - اس کے بھی بہت سے علماء نے شروح و حواشی لکھے - لیکن تفتا زانی کی یہ شرح علمی حلقوں میں بہت مقبول تھی اور کشف الظنون کی صراحت کے مطابق انھوں نے اسے 786ھ میں لکھا تھا اس کے بعد جلد ھی یہ شرح عربی مدارس کے نصاب میں داخل

ہو گئی اور عقائد نسفی کو ہندوستان میں کس حد تک قبول عام حاصل ہوا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں علم لکلام کی ابتداء کے بارے میں کچھ عرض کیا جائے کہ یہ علم ہندوستان میں کیسے آیا ۔

دینی علوم پر خاصہ فرسائی علمائے ہر صفیر ہند کا خاص موضوع رہا ہے یہی وجہ ہے کہ دیگر علوم کے علاوہ علم الکلام پر بھی یہاں کے علماء کی تصانیف کثیر تعداد میں وجود میں آئیں اور ان کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں اور ان کتب نے نہ صرف سرگرم دینی زندگی کو سمجھنے کے لئے ایک لازمی پس منظر کا کام دیا ۔ بلکہ ان کے اثرات بالواسطہ یا بلا واسطہ طور پر باقی اسلامی دنیا پر بھی محسوس کئے گئے چنانچہ خلجی سلاطین کے عہد میں شیخ صفی الدین (م - 715ھ) نے علم کلام اور فقہ کے عالم کی حیثیت سے بہت سی کتب تصنیف کیں ۔ اسی طرح خاندان تغلق کے فرمانروا سلطان محمد تغلق نے اپنے عہد کے مشہور عالم معین الدین عمرانی کو قاضی عضد الدین الایجی مؤلف "المواقف" کو ہندوستان لانے کے لئے شیراز روانہ کیا ۔ اور پھر اکبر بادشاہ کے عہد میں ہندوستان میں بدعات اور غیر اسلامی افکار و نظریات کی جس طرح حکومتی سطح پر ترویج کا سلسلہ چلا ضرورت تھی کہ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے کوئی نہایت ہی بلند مرتبت شخصیت میدان میں آئے چنانچہ اس کام کا بیڑا حضرت مجدد الف ثانی نے اٹھایا انھوں نے ہندوستان میں پھیلے غیر اسلامی اعتقادات و بدعات کا رخ اپنے مکتوبات کے ذریعہ بدل کر رکھ دیا ۔

برصفیر کے متأخر مؤرخین ملا عبد الحکیم سیالکوٹی مجدد الف ثانیؒ شاہ ولی اللہؒ اور موجودہ دور میں مصر کے محمد عبدہ اور پاکستان کے علامہ اقبال کے افکار کو اس سلسلے میں بطور شہادت پیش کیا جاسکتا ہے ۔ اگرچہ سلف صالحین

اور خصوصاً امام مالک امام شافعی امام احمد بن حنبل قاضی ابو یوسف امام محمد امام سفیان ثوری رحمہ اللہ وغیرہ سے علم کلام کی مخالفت میں بھی اقوال ملتے ہیں لیکن اہل فکر کا کہنا ہے کہ علم کلام سے غرض یہ ہے کہ منکر کو بذریعہ دلائل قائل کیا جائے اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ اہل سنت کے عقیدے کے خلوص کو مبتدعین کی بدعات سے محفوظ رکھا جائے ۔

اسلامی عقائد پر برصغیر کے علماء میں سے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے خصوصی توجہ دی ۔ تفتازانی کی "شرح العقائد النفسیہ" اور الدوانی کی شرح العقائد العضویہ" پر ان کے حواشی علم کلام کے طلبہ میں بڑے مقبول چلے آ رہے ہیں یہ دونوں حاشیے براہ راست تفتا زانی کی شرح پر نہیں لکھے گئے بلکہ احمد موسی خیالی (860ھ/1456ء) نے اس شرح کی جو مشہور شرح لکھی اس پر مولانا سیالکوٹی نے یہ حواشی قلم بند کئے ملا احمد کی اس شرح پر بہت سے علماء نے حواشی تحریر کئے لیکن ان کے لکھے ہوئے حواشی کی قدروقیمت کا اندازہ حاجی خلیفہ کی اس رائے سے ہوسکتا ہے ۔

وھی احسن الحواشی مقبولتہ عند الحکماء

"شرح عقائد نسفی"کا ذکر سب سے پہلے ہمایوں کے عہد میں ہوا اس زمانہ میں ان نوارد علماء میں جو مغل فاتحین کے ہمراہ آئے تھے ملا علاؤالدین لاری کو اپنے علم و فضل پر ناز تھا ۔ وہ ہندوستانی علماء کو خاطر میں نہ لاتے تھے انھوں نے شرح عقائد نسفی پر حاشیہ لکھ کر بڑے طمطراق کے ساتھ میاں حاتم سنبھلی (969ھ) کے تبصرے کے لئے پیش کیا مگر انھوں نے اتنی سخت تنقید کی کہ ملا علاؤالدین سے جواب نہ بن پڑا ۔ اور اس طرح شرح عقائد نسفی ہندوستان میں رائج ہوئی اور اگرچہ "شرح صحائف"جو اس سے قبل مدارس میں

متداول تھی درس سے خارج نہیں ہوگئی تھی کیونکہ شیخ عبدالقدوس گنگوھی اور علامہ عبدالحکیم کے زمانہ میں مفتی عبدالسلام دیوی نے اس پر حواشی لکھے مگر زیادہ رواج شرح عقائد تفتا زانی ھی کا رھا اور اکثر علماء نے اس پر حواشی لکھے جن میں ملا علاؤالدین شیخ نظام بدخشی اور مولانا وجیہہ الدین گجراتی کے نام قابل ذکر ھیں ۔

اس تفصیل سے "شرح عقائد نسفی" اور اس پر تحشیہ کی اھمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ھے لہذا مولانا سیالکوٹی کی کاوش سے یہ کس طرح بچ سکتا تھا ۔ وہ اس کی اھمیت کے بارے میں لکھتے ھیں ـــ

"ان شرح العقائد النسفیہ للملک القمقام والقرم الھمام العالم الربانی سعد الملۃ والدین التفتا زانی لکونہ خیر منتجب و منتخبد قد اشتھربہ الفحول وتناولتہ ایدی القبول ۔" (35)

(ترجمہ) "شرح عقائد نسفی جو مشہور عالم اور فاضل اور جلیل القدر عالم ربانی مولانا سعد الدین تفتا زانی کی تصنیف ھے اپنے منتخب روزگار اور بہترین شاھکار ھونے کی بنا پر علماء فحول میں شہرت پا گئی ھے اور قبول عام نے اسے ھاتھوں ھاتھ لیا ھے"۔

اس قبول عام نے جلد ھی "تحشیہ" کی شکل اختیار کرلی اور اپنے وقت کے بہت سے جلیل القدر علماء نے اس پر حاشیے لکھے جن میں علمائے روم میں سید احمد قدوبی ابن میناس ملا رمضان افندی ۔ احمد بن موسی الخیالی ۔ علا الدین عربی صلاح الدین حکیم شاہ قزوینی محی الدین نکساری تفسیری

---

(35) المعارف ۔ مارچ 1968ء ص 40

آفندی یوسف زادہ آفندی وغیرہ قابل ذکر ہیں اس کے علاوہ روم سے باہر مصر و اسیران میں عزالدین ابن جماعہ مصلح الدین لاری عبداللطیف بن محمد بن ابی الفتح کرمانی اور عصام الدین ابراہیم بن عرب شاہ اسفرائنی شرح عقائد تفتازانی کے محشیوں میں مشہور ہیں -

5 - حاشیہ علی الخیالی —

ملا عبدالحکیم سیالکوٹی نے احمد بن موسی الخیالی کے حاشیہ پر جو اپنی محشی کے نام پر خیالی ہی مشہور ہے جو حاشیہ لکھا ہے اس کی افادیت و مقبولیت کے آگے ان کا حاشیہ شرح عقائد ماند ہو کر رہ گیا - حاشیہ خیالی کی اہمیت یوں بھی ہے کہ "شرح عقائد نسفی" پر جتنے بھی حواشی لکھے گئے ان میں سب سے اہم موسی خیالی کا حاشیہ ہے جو اپنے مصنف کے نام پر "خیالی" کہلاتا ہے اور مدتوں اس کے ذریعہ طلبہ کی ذہانت کا امتحان لیا جاتا رہا مولانا سیالکوٹی اس کی اہمیت کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں —

"ان منہا ما علّقہ الفاضل المحشی المحقق والا لمعی المدقق المولے الفاضل الخیالی للطف معانیہ و حسن مبانیہ قد امتدت علیہ عناق الخواطر و سہرت لاجلہ عیون الاباجر -

(حاشیہ عبدالحکیم سیالکوٹی) -" (36)

(ترجمہ) (شرح عقائد نسفی پر جو حواشی لکھے گئے ہیں ان میں سے زیادہ مشہور وہ حاشیہ ہے جسے محشی محقق اور عالم مدقق فاضل (مولی احمد بن موسی) الخیالی نے تحریر کیا تھا یہ اپنے لطافت معانی اور مسائل کے حسن

---

(36) المعارف - اپریل 1968ء ص 24

تنسیق کی وجہ سے مشہور ہے اور علمائے کرام کی خواطر (قلوب ذاکیہ) کی گردنیں اس کی طرف دراز ہوگئی ہیں اور محققین کی آنکھوں نے اس کے حل مشکلات کے لئے شب بیداری کی ہے) -

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد افاضل علماء نے اسے اپنے تحشیہ کا موضوع بنایا چنانچہ علمائے روم میں سے شجاع الیاھس رومی کمال الدین اسماعیل قرامانی عطاء اللہ رمضان بن عبدالمحسن بہشتی وغیرہ نے موسی خیالی کے حاشیہ "شرح عقائد نسفی" پر حواشی لکھے اور ہندوستان میں غالباً شرح عقائد نسفی کے کچھ ہی دن بعد خیالی کا حاشیہ بھی داخل ہوا اور جلد ہی درس میں شامل کردیا گیا - چنانچہ ہندوستانی محشیوں میں علامہ سیالکوٹی مفتی عبدالسلام دیوی شیخ محمد سرہندی اور متأخرین میں وجیہہ الدین گوپامئوی زیادہ مشہور ہیں - لیکن ایک بات قابل توجہ ہے کہ یہ تمام حواشی چاہے علمائے روم کے ہوں یا علمائے ہند کے سب طالبان علم کو اطمینان بخشنے سے قاصر تھے - سوائے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے حاشیہ کے کیوکہ یہ اپنی مقبولیت اور افادیت میں حاشیہ خیالی سے بھی بڑھ کر ہے اور اس کی کمی کو انھوں نے پورا کیا وہ ان حواشی کے بارے میں فرماتے ہیں ---

"لکن ما اتو لہما یروی الغلیل او یشفی العلیل لما ان ابکارہ آبیہ عن خطبتہ کل عاذب و مخدراتہ محتجبۃ لاتتجلی لکل طالب -"

پھر اس تبصرے کے بعد فرماتے ہیں ---

"فصرت برھستہ من عنفوان الشباب فی حل مبانیہ واستنھبت فرصتہ عن اعین الزمان التحقیق معانیہ ..... فحققت مقاصد

و بینت مصادره و موارده ..... مجیباً عن شبهته الناظرین
فجاء بحمد الله تعالی موافقاً للمامول و تم بعون الله تعالی
مطابقاً للمسئول ۔" (37)

(ترجمہ) پس میں نے اپنے عنفوان شباب کا ایک حصہ اس کے اساسی مسائل کے حل میں صرف کیا اور اس کے تحقیق معانی کے لئے زمانہ کی آنکھوں سے کچھ فرصت کے لمحات اڑا ھی لئے ..... اور میں نے اس کے مقاصد کی تحقیق کی اور اس کے مصادر و موارد کو بیان کیا ..... کتاب دیکھنے والوں کے شبہات کا جواب دیا ۔ اس طرح یہ کتاب امید کے موافق بن گئی ۔ فالحمد للہ تعالی اور اللہ تعالی کی مدد سے احباب کی خواہش کے مطابق ہوگئے ۔

اور یہ محض تعلی نہیں بلکہ امر واقعہ ہے کیونکہ ان بےشمار حواشی میں بقائے دوام صرف مولانا عبدالحکیم کے حاشیہ کو حاصل ہوا چنانچہ حاجی خلیفہ نے "کشف الظنون" میں لکھا ہے ــــ

"وعلی الخیالی حاشیه ..... للملا عبدالحکیم بن شمس الدین
الهندی السیالکوثی المتوفی سنته نیف و ستین و الف وهی احسن
الحواشی مقبولته عند العلماء ۔" (38)

(ترجمہ) اور خیالی پر عبدالحکیم بن شمس الدین ہندی سیالکوٹی کا حاشیہ ہے جنھوں نے 1160ھ کے کچھ بعد وفات پائی وہ خیالی کے حاشیوں میں سب سے بہتر ہے اور علماء کے نزدیک مقبول ہے) مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے اپنی بیشتر تصانیف کو شاہ جہاں بادشاہ کے نام معنون کیا ہے ۔ کیونکہ شاہ جہاں بادشاہ

---

(37) المعارف لاہور ۔ اپریل 1964ء ص 25

(38) حاجی خلیفہ ۔ کشف الظنون بحوالہ المعارف لاہور ۔ اپریل 1968ء ص 26

خود دانش نواز تھا لہذا ان کو صلہ و تحسین سے انھیں نوازا جاتا تھا ۔ چنانچہ خیالی کے حاشیہ کو بھی جو ان کی کاوش فکر کا شاہکار ہے اسے بادشاہ کے نام معنون کرتے ہوئے حاشیہ ہر خیالی میں فرماتے ہیں ــــ

"لم الحفته بخزانه من ثقل بایاد یه کو اهل الاحسان ....
مربی العلماء والصلحا حامی الملته الحنیفیته الغراء الموید بجنود
النصر من عند الله المجازی ابوالمظفر شهاب الدین شاهجهان
بادشاه الغازی ۔"

(ترجمہ) پھر میں نے اسے اس (بادشاہ جم جاہ) کے خزانہ میں داخل کیا جس کی نعمتوں سے خود احسان کے کندھے گراں بار ہیں ..... جو علماء و صلحاء کا سرپرست اور ملت اسلامیہ کا مددگار ہے اور جو جزا دینے والے اللہ تعالی کی نصر و امداد کے لشکروں کے ساتھ موید ہے اور جس کا نام ابوالمظفر شہاب الدین شاہ جہاں بادشاہ غازی ہے ۔ ملا عبد الحکیم سیالکوٹی نے حاشیہ خیالی میں تمام مشکلات کو اس طرح حل کردیا ہے کہ طلباء کے لئے اسے سمجھنا آسان ہوگیا ہے چنانچہ کسی نے کہا ہے ــــ

خیالات خیالی میں عظیم است * نہ دروے جائے قل احمدنہ جند است
مگر عبد الحکیم از رائے عالی * رہا کرد از خیالات خیالی

اس حاشیہ کے بارے میں ایک اور بھی بڑا مشہور شعر ہے ــــ

خیالات خیالی بس عظیم است
برائے حل اور عبد الحکیم است (39)

---

(39) ماہنامہ ثقافت ۔ جون 1967ء ص 20

6 - حاشیہ شرح عقائد الجلالی یا حاشیہ شرح العقائد العضدیہ ـــ

عقائد نسفیہ کے تفصیلی تذکرے کے بعد اب اس فن کی دوسری شہرہ آفاق کتاب "العقائد العضدیہ" کا اجمالی تعارف پیش خدمت ہے اور یہ ہندوستان میں کیسے آئی اس کے علاوہ علماء نے اس کے ساتھ کس حد تک اعتنا کیا - قاضی عضد الدین الایجی (م - 756ھ) نے عقائد میں ایک متن لکھا تھا یہ متن عقائد عضدی کے نام سے مشہور تھا - بہت سے علماء جن میں میر سید شریف افتخار الدین اور ملا عصام الدین اسفرائنی کی شروح مشہور ہیں مگر عقائد عضدی کی شروح میں قبول عام ملا جلال الدین محقق الدوانی (م - 908ھ) کی شرح کو نصیب ہوا جو مدارس میں "شرح عقائد جلالی" کے نام سے متداول رہی ہے محقق دوانی کی شرح پر سب سے پہلے مولانا یوسف کوسج بن محمد خاں قراباغی (م - 1050ھ) جو ان کے سلسلہ تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں نے حاشیہ لکھا پھر مولانا حسین خلخالی (م - 1040ھ) نے بھی ایک حاشیہ لکھا - جس میں ملا کوسج کے حاشیہ پر بہت سے اعتراضات کئے علامہ سیالکوٹی مولانا یوسف کوسج (م - 1050ھ) اور مولانا حسین خلخالی (م - 1040ھ) کے معاصر تھے - اور غالباً اس علمی معرکے سے واقف تھے پھر جب دسویں صدی کے آخر میں امیر فتح اللہ شیرازی اکبر بادشاہ کی طلب پر ہندوستان آئے تو اپنے ہمراہ بہت سی کتب معقولات بھی لائے - اور انہیں یہاں کے نصاب میں داخل کیا - ان کے بارے میں مؤلف مآثر الکرام لکھتے ہیں ـــ

"تصانیف علمائے متاخرین ولایت مثل محقق دوانی و میر صدرالدین و میر غیاث الدین منصور و میرزا جان میر (امیر فتح اللہ شیرازی) بہ ہندوستان آورد و در حلقہ درس

انداخت ۔" (40)

اور خیال کیا جاتا ہے کہ انھیں نئی کتابوں میں "شرح عقائد جلالی" کا بھی یہاں رواج ہوا ہوگا کیونکہ علامہ سیالکوٹی سے پہلے کسی ہندوستانی فاضل کا "شرح عقائد جلالی" کا پتہ نہیں چلتا اور یوں لگتا ہے کہ علامہ نے مولانا یوسف اور مولانا حسین خلخالی کی علمی معرکہ آرائی سے متأثر ہوکر یہ حاشیہ لکھا تھا ۔ متاخرین میں بھی اس کے تحشیہ کا رواج رہا اور سب میں بہتر ملا قطب الدین شہید سہالوی کا حاشیہ تھا جو اب ناپید ہے ۔ کیونکہ ان کے قتل کے بعد جب ان کے مکان کو آگ لگائی تو یہ متاع عزیز بھی نذر آتش ہوگئی ۔ اس کے علاوہ متقدمین فضلائے ہند میں غالباً شرح عقائد جلالی سے اعتنا اور تحشیہ کے باب میں اولیت کا شرف ملا سیالکوٹی ہی کو حاصل ہے مگر ان کا یہ حاشیہ اب ناپید ہے ورنہ اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستانی عبقریت نے کس طرح ایرانی و تورانی عبقریت سے ٹکر لی ۔

ملا عبدالحکیم نے عقائد عضدیہ کے حواشی علامہ دوانی کی شرح پر تحریر کئے ان کے علاوہ مندرجہ ذیل علماء نے بھی ملا دوانی کی "شرح العقائد العضدیہ جو شرح عقائد جلالی" کے نام سے مشہور ہے پر حواشی تحریر کئے ——

حاشیہ شرح عضدیہ — شیخ وجیہہ الدین علوی گجراتی

شیخ محمد حسن کشمیری

قطب الدین سیالوی

شیخ کمال الدین فتح پوری

ملا امان اللہ بنارسی

---

(40) غلام علی آزاد بلگرامی ۔ مآثر الکرام ص 238

ابوالخیر بن ثناء اللہ جونپوری

سید قاسم حسینی الہ آبادی وغیرہ قابل ذکر ہیں

7 - حاشیہ علی شرح المواقف ـــ

"شرح عقائد جلالی" کے بعد مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی کا "حاشیہ علی شرح المواقف" بھی بڑا مشہور و مقبول ہوا ۔"الموقف" "عضد الدین الایجی" ہی کی ایک مشہور زمانہ تصنیف ہے ۔ یہ علم کلام کی کتاب ہے اور جس نے علم کلام کے موضوع پر تحریر کی گئی دیگر کتب کو ماند کردیا ۔ لہذا دنیا کے سلاطین اس بات کے متمنی تھے کہ علم کلام کا یہ مایہ ناز شاہکار ان کے نام معنون ہو کیونکہ اس کے طلبگار بہت تھے اور انھیں میں شہنشاہ ہند محمد تغلق بھی شامل تھا۔ اس نے دھلی کے مشہور فاضل مولانا معین الدین عمرانی کو شیراز قاضی عضو کو لانے کے لئے بھیجا ۔ اس کی اس دعوت کی شہادت بہت سے علماء نے دی ہے آزاد بلگرامی "سبحہ المرجان" میں لکھتے ہیں ـــ

" ارسله السلطان محمد بن تغلق شاه والی الهند المتوفی سنته تنشیق و خمسین و سبعمائه الی القاضی عضد الدین الایجی بشیراز و انحف الیه هدایا غیر محصورته والتمس بالهند قدومه ۔" (41)

مگر والی شیراز نے قاضی عضو الدین کو ہندوستان نہ آنے دیا اور آخر میں انھوں نے اس کتاب کو ابواسحق انجو (والی شیراز) کے نام ہی معنون کیا لہذا سلاطین وقت کی اس رغبت سے اس کتاب کی شدر و قیمت کا اندازہ لگایا جاسکتا

---

(41) غلام علی آزاد بلگرامی ۔ سبحتہ المرجان ص 240

ہے ۔ چنانچہ المواقف پر بہت سے لوگوں نے شروح لکھیں ۔ ان میں شمس الدین محمد بن یوسف کرمانی سیف الدین ابہری علاء الدین طوسی وغیرہ قابل ذکر ہیں لیکن قبول عام صرف میر سید شریف جرجانی کی ہی شرح کو نصیب ہوا اور زمانہ دراز تک میر سید شریف کی "شرح الموقف" درس میں متداول رہی اور اکثر علمائے مشاہیر مثلاً خواجہ زادہ ۔ حسن چلپی سنان الدین یوسف عجمی کمال الدین اسمعیل قرامانی محی الدین یوسف شاہ فغاری ابن کمال پاشا خضر شاہ بن عبد اللطیف علمائے روم میں سے حکیم شاہ قزوینی ابوالفضل کازرونی مسعود شیروانی فتح اللہ شیروانی اور مرزا جان شیرازی علمائے عجم میں سے شرح مواقف کے تحشیے کے لئے مشہور ہیں ۔(42)

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ "محمد بن تغلق" المواقف کو اپنے نام معنون کرانے کا متمنی تھا اس سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ "المواقف" کی شہرت ہندوستان میں آٹھویں صدی کے نصف اول ہی میں پہنچ چکی تھی ۔ لیکن درس میں اس کے رواج کا پتہ دسویں صدی کے آغاز سے چلتا ہے ۔ اس کے نتیجہ میں ہندوستانی فضلا نے المواقف پر حواشی بھی لکھے ۔ ان محشیوں میں مولانا وجیہہ الدین گجراتی شیخ ہبتہ اللہ شیرازی اور مولانا عبد الوہاب کشمیری کے نام قابل ذکر ہیں بعد کے مشاہیر میں میر زاہد ہروی نے شرح المواقف پر ایک مبسوط حاشیہ لکھا ۔ لیکن فضلائے ہندوستان کے حواشی میں سے صرف مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی ہی کے "حاشیہ شرح المواقف" کو قبول عام حاصل ہوا کیونکہ مولانا سیالکوٹی کا نام ہی اس تالیف کی عمدگی و برتری کا بذات خود ضامن ہے اور یہ قبول عام صرف ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے باہر

---

(42) حاجی خلیفہ ۔ کشف الظنون ج 3 الثانی ص 562 - 563

بھی اس کی شہرت پھیل گئی ۔ حاجی خلیفہ کی کشف الظنون جو ایک مستند تاریخی کتاب ہے انھوں نے بھی "المواقف" اور اس کے شروح و حواشی کے ضمن میں علمائے ہندوستان کے حواشی میں سے صرف مولانا سیالکوٹی ہی کے حاشیہ کا ذکر کیا ہے ۔ وہ لکھتے ہیں ــــ

"وعلی شرح المواقف السید حاشیته لعبد الحکیم السیالکوٹی اللاھوری ۔" (43)

اس کے علاوہ مصر و استنبول میں "شرح المواقف" کے غالباً تین حاشیے طبع ہوئے ہیں اور ان میں سے ایک علامہ سیالکوٹی کا بھی ہے ۔ علامہ سیالکوٹی کا یہ حاشیہ مکمل نہیں ہے بلکہ صرف پانچویں موقف تک ہے مقدمہ میں فرماتے ہیں کہ انھوں نے اسے اپنے بیٹے عبداللہ لبیب کے دوران درس ان کے لئے لکھا تھا ۔ وہ فرماتے ہیں ــــ

"ھذہ فوائد بل فرائد علقتھا علی شرح الموقف سید المحقیقین و افضل المدققین عند قراته العین لھذا الغریب عبد الله الملقب باللبیب تذکرہ للاحباب و تحفته للاصحاب وعدته لیوم الحساب و انا الفقیر المتمسک بالحبل المتین عبد الحکیم بن الشیخ شمس الدین ۔"

(ترجمہ) یہ نکات و فوائد جنھیں موتی کہنا چاہئے وہ حواشی ہیں جنھیں میں نے سید المحققین اور افضل المدققین (میر سید شریف) کی شرح المواقف پر تحریر کیا تھا جب کہ مجھ غریب کی آنکھوں کی ٹھنڈک (میرا بیٹا) عبد اللہ جس

---

(43) حاجی خلیفہ ۔ کشف الظنون ج ثانی ص 563

کا لقب لبیب ہے (مجھ سے یہ کتاب) پڑھتا تھا - (میں نے ان حواشی کو) اپنے دوستوں کے واسطے یادگار ساتھیوں کے لئے ایک تحفہ اور روز قیامت کے لئے تیاری (بنایا ہے) اور میں فقیر (جو دین کی) جو مضبوط رسی کو خوب پکڑنے والا ہے عبدالحکیم بن شیخ شمس الدین ہوں -"

چنانچہ عبدالحکیم سیالکوٹی کے اس حاشیہ کے مطالعہ کے بعد ان فوائد و فوائد کی اہمیت و عظمت کی تصدیق ہو جاتی ہے۔

مختصر یہ کہ وہ تمام کتابیں جو اسلامی عقائد و کلام کے موضوع پر لکھی گئیں ان میں،،العقائد النسفیہ،، اور،،العقائد العضدیہ،،کو شہرت دوام حاصل ہے یہ دونوں اپنے مؤلفین نجم الدین ابو حفص عمر بن محمد نسفی م (834ھ/1139ء) اور قاضی عضد الدین الایجی (م - 756ھ/1355ء) کے نام پر مشہور ہیں - ان کتب پر بےشمار شروح و حواشی لکھے گئے مگر ہندوستانی علماء میں جب بھی اس فن کا تذکرہ ہوتا ہے تو ذہن میں صرف مولانا عبدالحکیم کا ہی نام آتا ہے - کیونکہ ان کی علمی کاوشیں نہ صرف ہندوستان کے لئے باعث فخر ہیں - بلکہ بیرون ہند کے علماء بھی ان کی تبحر علمی کی اپنی تصانیف میں شہادت دیتے ہیں گویا علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کی اس فن میں مندرجہ ذیل کتب ہیں---

1 - حاشیہ شرح المواقف ---

جو قاضی عضدالدین الایجی کی شہرہ آفاق تصنیف المواقف پر لکھا گیا ہے مگر علامہ سیالکوٹی نے یہ حاشیہ میر سید شریف جرجانی کی "شرح المواقف پر لکھا تھا - ان کا یہ حاشیہ مطبوعہ ہے -

2 - حاشیہ شرح عقائد جلالی (حاشیہ شرح العقائد العضدیہ) ـــ

یہ بھی قاضی عضد الدین کی شہرہ آفاق تصنیف ہے جو عقائد عضدی کے نام سے مشہور ہے اس پر بھی بہت سے علماء نے شروح و حواشی لکھے مگر قبول عام صرف محقق دوانی (م - 908ھ) کی شرح کو ہوا جو "شرح عقائد جلالی" کے نام سے مشہور ہوئی پھر مولانا سیالکوٹی نے اس شرح پر حاشیہ لکھا اس کا قلمی نسخہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال میں موجود ہے -

اسی کا عنوان ـــ حاشیہ علی شرح العقائد العضدیہ" 580 اے آر

نمبر 742ھ ہے اور آغاز ـــ

قولہ وھو انسان الضمیر راجع الی لفظ النبی المذکور

صریحا فان الخ

3 - حاشیہ خیالی (حاشیہ شرح عقائد النسفیہ) ـــ

شرح عقائد نسفی پر جتنے حواشی تحریر ہوئے ان میں سب سے اہم احمد بن موسی الخیالی کا وہ حاشیہ ہے جو ان کے نام پر "حاشیہ خیالی" کہلایا - پھر اس "حاشیہ خیالی" پر بےشمار حواشی تحریر ہوئے مگر بقائے دوام کا شرف مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے "حاشیہ خیالی" کو حاصل ہوا -

4 - حاشیہ شرح عقائد نسفی ـــ

"شرح عقائد نسفی" پر بھی بہت سے علماء نے شروح و حواشی لکھے لہذا یہ مولانا سیالکوٹی کی کاوش سے کس طرح بچ سکتا تھا چنانچہ انھوں نے بھی اس پر حاشیہ لکھا مگر ان کا یہ حاشیہ افادیت و مقبولیت میں ان کے حاشیہ خیالی سے کم ہے ان حواشی کے قلمی نسخے مندرجہ ذیل لائبریریوں میں موجود ہیں ـــ

حاشیہ الخیالی علی شرح العقائد النسفیہ ـــ

مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی کے اس حاشیہ (حاشیہ خیالی) کے قلمی نسخے مختلف لائبریریوں میں موجود ہیں ۔ اس حاشیہ کا ایک نسخہ دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور میں بھی موجود ہے یہ عربی زبان میں اس کا نمبر 357 ہے اور دیگر تصانیف یوں ہیں ـــ

تقطیع - 23 x 13 س م

اوراق - 46

خط - نستعلیق رواں 1223ھ

کاتب - نا معلوم

مؤلف - شیخ احمد موسی بن شمس الدین المعروف بالخیالی المتوفی 895ھ

آغاز - قال الشارح التحریر عامله الله بلطفه الخطیر"

اختتام - و به یظهر ان هذا الوجه ایضا یفید تفضیلهم فقط و ان الفضل بید الله یوتیه من یشا والله ذو الفضل العظیم

کیفیت ـــ

یہ مخطوطہ 1223ھ میں تحریر کیا گیا روشن اور دواں ہے کتابت کاغذ اور روشنائی ہر قسم کی کہنگی سے پاک ہے ۔ حاشیہ پر ملا عبد الحکیم سیالکوٹی کا حاشیہ بھی موجود ہے جس سے کتاب کی افادیت اور بڑھ گئی ہے۔

اس کے علاوہ ایک اور نسخہ جس کا نمبر 212 ہے اور یہ بھی عربی زبان میں اسی لائبریری میں موجود ہے ۔

اس کی تفصیلات یوں ہیں ۔ حاشیہ السیالکوٹی علی حاشیہ الخیالی

تقطیع - 24× 14 س م

اوراق - 247

خط - نسخ

کاتب - نا معلوم

مؤلف - ملا عبد الحکیم سیالکوٹی 1067ھ

آغاز - یامن تقدس ذاتہ عن احاطتہ الافکار و الافکار و تنزہ صفاتہ عن ادراک الانظار ۔

اختتام - لاجل الذین لا یریدون علواً فی الارض ولافساداً فلم یکن موجودتہ الساآن ۔

اس کے علاوہ یہ حاشیہ 1235ھ میں آستانہ سے 1297ھ میں مصر سے 1870ء دھلی سے اور 1901ء میں قازان سے شائع ہو چکا ہے زیر نظر مخطوطہ ایک عمدہ اور صاف ستھرا نسخہ ہے آخر سے قدرے ناقص ہے (44)

ان دو نسخوں کے علاوہ مولانا سیالکوٹی کے اس حاشیہ کا ایک اور قلمی نسخہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کی لائبریری میں بھی موجود ہے۔ اس کا نمبر 718 ہے ۔

اور "حاشیہ السیالکوٹی علی حاشیہ الخیالی" کے نام سے موسوم ہے۔ یہ شاہ جہاں بادشاہ کے نام معنون کیا گیا ہے ۔ اس کا آغاز یوں ہے ـــــ

یامن تقدس ذاتہ عن احاطتہ الافکار و تنزہت صفاتہ .... و بعد فیقول العبد المسکین عبد الحکیم بن شمس الدین ان شرح العقائد النسفیہ الخ

---

(44) فہرست مخطوطات ۔ دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور ج 2 ص 96-93

یہ خط نسخ میں 1077ھ/1667ء میں لکھا گیا ہے - اس کے علاوہ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کی مولانا آزاد لائبریری میں حبیب گنج کلشن 23/42 عربیہ عقائد میں بھی اس کا ایک نسخہ ہے -

یہ خط نستعلیق میں لکھا ہوا اس کے کل 149 اوراق ہیں اور ہر صفحہ پر 32 24 سطریں ہیں

سائز 7" 4 × 7¾ 8 اور کاتب کا نام غلام محمد شیخ اسماعیل ہے

اس مخطوطہ کی ایک اور کاپی حبیب گنج کلشن 23/109 عربیہ عقائد میں موجود ہے - اس کا عنوان ـــــ

" الحاشیہ علی حاشیہ الخیالی علی شرح العقائد النسفیہ ب ت عبد الحکیم السیالکوٹی المتوفی 1066ھ" ہے

اس کی تفصیلات یوں ہیں

خط	-	نستعلیق شکست آمیز
ورق	-	136
سطر	-	23 و 24
سائز	-	3" 5 × 9

اس کے علاوہ سبحان اللہ نمبر 4 2/287 عربی کلام میں بھی اس حاشیہ کی ایک کاپی ہے -

4 - منطق و فلسفہ

برصغیر پاک و ہند میں فلسفہ کے موضوع پر بےشمار کتابیں لکھی گئیں یہ واحد غیر دینیاتی موضوع ہے جس میں عربی زبان میں کتابیں لکھی گئیں اور ہندوستانی علماء نے اس میں دلچسپی لی - انھوں نے دینی علوم کے بعد فلسفہ سے ہی اپنی دلچسپی کا اظہار کیا - برصغیر میں عربی زبان میں کتابیں لکھنے کا باقاعدہ آغاز گیارھویں صدی عیسوی میں ہوا جب عربی علوم اپنی انتہا کو پہنچے ہوئے تھے اس سے آگے انھوں نے کوئی ترقی نہ کی بلکہ اسلامی دنیا میں اس صدی میں علمی سرگرمیاں زیادہ تر شرحیں لکھنے اور پرانی کتابوں کے مواد کو دوبارہ قلمبند کرنے تک محدود ہوگئیں علاوہ ازیں فلسفہ کے موضوع پر ابتدائی دور کے مسلمان علماء نے بھی بڑے بڑے اسلامی مراکز میں کوئی تخلیقی کام نہیں کیا تھا بلکہ ان کا فلسفہ ہمیشہ انتخاب و اقتباس ہی تک محدود رہا اور اس کا انحصار زیادہ تر ان کتابوں پر رہا جو یونانی سے ترجمہ کی گئیں تھیں لہذا فلسفہ کی تاریخ تخلیق کے بجائے جذب کرنے کا عمل بنی رہی انھوں نے یونانی فلسفے کے صرف وہی نظریات رد کئے جو اسلامی عقائد کے خلاف تھے بہرحال جب کندی فارابی ابن سینا اور ابن رشد جیسے ممتاز فلسفی بہت کم نئی تخلیقات پیش کرسکے تو پھر ہند کے عربی مصنفین سے اس کی توقع کیسے کی جاتی ہے فارابی اور ابن سینا نے اپنی فلسفیانہ تحریروں میں یونانی فلسفہ کے نظریات کی تشریح کی ہے -

تاریخ کے مطالعہ سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ابتدائی دور کے مسلمانوں نے اپنے پیش رووں سے "علوم عقلیہ" میں سے بطور وراثت کچھ بھی نہ پایا - اسلامی فلسفہ کا موجد اور بانی کون ہے اس کے بارے میں حتمی فیصلہ

کرنا مشکل ہے مگر وہ متداول اور مروج فلسفہ جو فکر اسلامی میں موجود اور خصوصاً ہندوستان میں رائج ہوا اس کا اصل مؤجد اور بانی تو ارسطو ہے لیکن چونکہ شیخ الرئیس بو علی سینا نے اس فلسفہ کی توجیہہ اور توثیق کی ہے اس لئے وہی اس کے بانی ہیں ارسطالیسی ابن سینائی فکری نظام پوری اسلامی دنیا اور بالخصوص برصغیر پاک و ہند میں فلسفہ اسلامی کا مصداق بن کر پھیل گیا ۔(45) اس فلسفہ کی تعلیم کا آخری سلسلہ محقق دوانی اور محقق طوسی سے شیخ الرئیس بوعلی سینا تک پہنچتا ہے ۔ شروع شروع میں برصغیر میں فلسفہ کے خلاف شدید بیزاری پائی جاتی تھی پھر محمد بن تغلق (825ھ/ 1324ء - 752ھ/1351ء) کے دور میں معقولات کو کافی ترقی ہوئی ۔ نویں صدی ہجری کے آخر میں ملتان کے ایک عالم مولانا ثناء الدین میر سید شریف سے اکتساب علم کرکے آئے ان کے دو ممتاز شاگرد شیخ سماء الدین ملتانی اور مولانا فتح اللہ ملتانی پھر ان کے صاحبزادے مولانا ابراہیم کے علاوہ مولانا عبداللہ تلنبی اور شیخ عزیز اللہ ملتانی بھی ان کے شاگرد ہوئے ۔ سکندر لودھی کے عہد میں شمالی ہندوستان میں معقولات کو کافی ترقی حاصل ہوئی مگر محقق دوانی کے شاگردوں میں ابوالفضل گازرونی سید ابوالفضل استرآبادی ملا عماد طاری رفیع الدین صفوی خواجہ جمال الدین محمود میر حسین مہدی وغیرہ نے بڑی موثر اور دیرپا خدمات انجام دیں ۔ میر حسین میبذی ہندوستان تو نہ آسکے مگر ان کی "شرح ہدایتہ الحکمہ" نے جو ان کے نام پر میبذی کہلاتی ہے شہرت دوام حاصل کرلی ۔

ہندوستان میں خواجہ جمال الدین محمود سے جو معقولات کا سلسلہ چلا وہ زیادہ دیرپا ثابت ہوا اور یہ سلسلہ ان کے دو شاگردوں مرزا جان شیرازی

---

(45) ڈاکٹر زبیر احمد ۔ عربی ادبیات میں پاک ہند کا حصہ ص 140-41-86

اور امیر فتح اللہ شیرازی سے چلاھے امیر فتح اللہ شیرازی بیجاپور سے اکبری دربار میں آکر ناموری و شہرت کے کمال کو پہنچے اور ھندوستان میں علوم عقلیہ کی اشاعت بڑے پیمانے پر شروع ھوگئے جس کے نتیجے میں یہاں چوٹی کے علمائے معقولات پیدا ھوئے - ان میں شیخ وجیہہ الدین علوی گجراتی ملا عبدالسلام لاھوری مفتی عبدالسلام دیوی ملا عبداحکیم سیالکوٹی ملا کمال الدین کشمیری ملا محب اللہ بہاری اور ملا محمود جونپوری جیسے بےشمار علماء اپنے اپنے عہد کے آفتاب و ماھتاب بن کر چمکے (46)

فلسفہ اور منطق کی مشہور و معروف کتابوں کا ذکر کرنے سے پہلے مختصر طور پر یہ سمجھ لیا جائے کہ منطق ھے کیا ؟ یہ دراصل ان کلّی قواعد کا نام ھے جن کی پابندی کرنے سے انسانی ذھن اپنے نظریات و افکار میں غلطی کرنے سے محفوظ رھتا ھے اس علم کا خاص فائدہ یہ ھے کہ عقلی علوم صحیح طریقے سے حاصل ھوں ابو نصر فارابی نے اس کو رئیس العلوم اور الشیخ الرئیس بوعلی سینا نے خادم العلوم کہا ھے اس کے نو بنیادی اصول ھیں - کلمات تعریفات تصدیقات قیاس سبحان خطابت جدل مغالطہ شعر (47)

تاریخ بتاتی ھے کہ اس علم کا موسس اور مدون ارسطو ھے اسی وجہ سے اس کو معلم اول کہا جاتا ھے اسی لئے عرب فلاسفہ کی منطق ارسطا طالیسی ھے جس میں یونانی شارحین کی وجہ سے کچھ تبدیلیاں پیدا ھوگئیں - عربوں نے اس کے ارتقاء میں تو کوئی حصہ نہ لیا لیکن اسے دوبارہ منظر عام پر وھی لائے - یہ صرف منطق ھی ھے جس میں انھوں نے مستند ارسطاطالیسی فلسفے

---

(46) اسلامی علوم و فنون ھندوستان میں ص 364

(47) عبدالحئی الحسنی - الثقافتہ الاسلامیتہ فی الھند ص 253

کو سب سے زیادہ ٹھیک سمجھا یونانیوں کے یہاں فلسفہ یا دوسرے لفظوں میں چونکہ فلسفے کے مطالعے کی ابتدا منطق سے ہوئی تھی اس لئے ارسطاطالیسی منطق کے دو مقدمے تھے عرب منطقیوں کے نزدیک منطق معلوم سے غیر معلوم کے متعلق علم حاصل کرنے میں رہنمائی کرتی ہے لیکن عربوں اور متأخر یونانی شارحین کی رائے میں اس کے اصل یہ ہے کہ انسان خیر اور شر کے درمیان امتیاز کرتے ہوئے اس کی مدد سے انتہائی کمال نفس اور انتہائی مسرت حاصل کرے چنانچہ علم منطق کو سب سے پہلے ارسطو نے مدون کیا پھر کئی نامور فضلا جن میں اسحٰق بن حنین حنین بن اسحاق اور ثابت بن قرتہ کی کوششوں کے بعد ابو الفر فارابی (م - 339ھ) نے منصور بن السامانی کی فرمائش پر ارسطو کی کتابوں کے ترجمے اور ملخص تیار کئے اور معلم ثانی کہلایا الفارابی کے بعد یہ شرف ابن سینا (م - 428ھ) کو حاصل ہوا - عرصہ دراز تک ارسطو کی کتب منطق کی شروح لکھنے کا رواج رہا - ابو یوسف الکندی نے منطق پر تقریباً نو رسائل لکھے ان کے علاوہ ابو نصر فارابی ابوالسحاق قوسیری ابو یحیی المروزی ابن یونس یحیی بن عدی وغیرہ قابل ذکر ہیں مسلمان علماء نے بھی مستقل تصانیف کے علاوہ شروح و حواشی پر بھی توجہ کی - جن میں چند مشہور و معروف علماء کا ذکر معہ ان کی تصانیف کے کیا جاتا ہے ـــ

1 - ابو بکر زکریا الرازی (م - 311ھ/923ء) - رسالہ فی المنطق

2 - الاصفہانی (م - 350ھ) - کتاب المنطق

3 - العسکری (م - 382ھ) - کتاب المنطق

4 - الغزالی (م - 505ھ/1111ء) - معیار العلم فی فن المنطق

5 - ابن ماجہ (م - 533ھ/38**ء) - رسائل المنطق

6 - ابن رشد (م - 595ھ/1198ء) - مناهج الادلته فی عقائد القلته
شرح الاوسط

7 - نجم الدین علی بن العمر الکاتبی قزوینی (675ھ/1277ء) - حکمته العین

8 - " " " - جامع الدقائق

9 - " " " - الرسالته الشمسیه فی الفوائد المنطقیه

فلسفه و حکمت کے مستقل متون کی تصنیف کا آغاز الشیخ الرئیس بوعلی سینا سے ہوتا ہے - ذیل میں ان چند تصانیف کا مجملاً تذکرہ ہے جنھوں نے ہندوستانی علماء کی تدریسی و تعلیمی سرگرمیوں کو بڑی حد تک متاثر کیا ہے -

1 - الشیخ الرئیس کا نام سب سے زیادہ اہم ہے - اس کی "الشفاء" الحکمته المشرقیه اور "کتاب الاشارات و التنبیہات ہیں -

2 - دوسری اہم کتاب شیخ سراج الدین ارموی کی "مطالع الانوار" ہے اس کی شرح قطب الدین رازی نے لکھی جس پر سید شریف جرجانی نے حاشیہ لکھا -

3 - اثیر الدین ابہری (661ھ/1261ء) نے ساتویں صدی کے نصف اول میں ہدایته الحکمته لکھی - اس کے تین جزو تھے - منطق طبیعات الہیات - اول الذکر ناپید ہے - طبیعات و الہیات پر محقق دوانی کے شاگرد میر حسین میبذی نے شرح لکھی - یہ شرح ان کے نام سے منسوب ہوکر "میبذی" کہلاتی ہے - دوسری اہم شرح گیارھویں صدی ہجری میں صدر الدین ابراہیم شیرازی نے لکھی جو ان کے نام سے منسوب ہوکر "صدرا" کہلاتی ہے اثیر الدین ابہری نے منطق کا ایک مختصر سا متن بھی - "ایسا غوجی" کے نام سے لکھا اس پر میر سید شریف نے میر ایسا غوجی کے نام سے شرح لکھی -

4 - "شرح مطالع انوار" اور شرح الشمسیہ (القطبی) کے علاوہ قطب الدین رازی نے "الرسالتہ فی التصور و التصدیق" کے نام سے ایک مستقل رسالہ تصور و تصدیق کے موضوع پر لکھا - اس کی بھی متعدد شرحیں لکھی گئیں -

5 - "تہذیب المنطق و الکلام" علامہ سعدالدین تفتازانی کی "تہذیب المنطق" کے جزو منطق کی محقق دوانی نے شرح لکھی اس کی تکمیل امیر فتح اللہ شیرازی نے کی دوسری شرح ملا عبداللہ ایزدی نے کی -

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ شروع شروع میں ہندوستان میں فلسفہ و منطق کی طرف توجہ کم رہی - نویں صدی ہجری میں نصاب درس میں صرف "شرح شمسیہ" داخل تھی اور پھر لودھیوں کے دور حکومت میں مطالع اور مواقف درس نصاب میں داخل کی گئیں پھر جب معقولات کی کتب کی طرف توجہ زیادہ بڑھی تو پھر "شرح مطالع اور "شرح المواقف" کا بھی اضافہ کیاگیا عہد مغلیہ میں معقولات نے بڑی اہمیت حاصل کی کیونکہ جلال الدین محمد اکبر کے عہد حکومت میں معقولات کے مشہور و معروف عالم ملا فتح اللہ شیرازی دربار بیجاپور سے آگرہ دربار اکبری میں آکر شہرت و ناموری کو پہنچے ملا موصوف کو اپنی تبحر علمی کی وجہ سے بڑی اہمیت حاصل ہے اب ہندوستان میں فلسفہ و معقولات کے کئی نامور علماء و فضلاء پیدا ہوئے جنھوں نے اس فن کی تدریسی و اشاعت میں بہت اہم کردار ادا کیا - جن میں مشہور و معروف شخصیتوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں ـــ

گجرات میں ملا وجیہہ الدین علوی گجراتی لاہور میں ملا عبدالسلام لاہوری سیالکوٹ میں ملا کمال الدین کشمیری اور ان کے شاگرد ملا عبدالحکیم سیالکوٹی جونپور میں ملا افضل عثمانی مفتی عبدالسلام دیوی قاضی ضیاء الدین

شیخ محب اللہ الہ آبادی قاضی محب اللہ بہاری اور ایسے بے شمار علماء جو تمام علوم درسیہ میں مرجع و سند کی حیثیت رکھتے تھے - ان ہندوستانی علماء و فضلاء کے حلقہ درس میں ایسے ایسے باکمال فضلاء پیدا ہوئے جو اپنے دور کے ابن سینا اور فارابی بنے مثلاً ملا محمود جونپوری قاضی محب اللہ شاہ ولی اللہ دہلوی ملا نظام الدین سہالوی ملا حمد اللہ سندیلوی شیخ فضل حق خیرآبادی وغیرہ اپنے وقت میں معقولات کے امام اور اس فن میں بلند مقام پر فائز تھے -

فلسفہ و منطق میں ہندوستانی مصنفین نے بے شمار کتابیں اور شروح اور حواشی تحریر کئے اور اگر ان کا اجمالی تذکرہ بھی کیا جائے تو اس کے لئے ایک الگ کتاب کی ضرورت ہوگی مگر یہاں صرف ملا عبدالحکیم کی کاوشوں کا ہی تذکرہ کیا جارہا ہے کہ انھوں نے اس فن میں کیا کار ہائے نمایاں انجام دئے لہذا بالترتیب پہلے منطق ـــ اور پھر فلسفہ میں ان کی تصنیفات کا مختصر طور پر تذکرہ کیا جا رہا ہے -

۱ - حاشیہ شرح شمسیہ یا (میر قطبی) ـــ

شمسیہ کا پورا نام "الرسالتہ الشمسیہ فی القواعد المنطقیہ" ہے جسے نجم الدین کاتبی جو محقق طوسی کے شاگرد تھے نے لکھ کر خواجہ شمس الدین وزیر کے نام معنو, کیا تھا اسی وجہ سے یہ متن شمسیہ کہلاتا ہے اس پر بہت سے علماء نے شرحیں لکھیں جن میں زیادہ مقبول قطب الدین رازی کی شرح "تحریر القواعد المنطقیہ فی شرح الرسالتہ الشمسیہ" ہوئی اور یہ اپنے مصنف کے نام پر "قطبی" کہلاتی ہے - تحریر القواعد المنطقیہ فی شرح الرسالتہ الشمسیہ

پر بھی بہت سے علماء نے حواشی تحریر کئے جن میں قرتہ داوٗد میر صدرالدین شیرازی محقق دوانی ابوالحسن شجاع الدین الیاس الرومی مظفر الدین شیرازی برھان الدین کمال الدین کے نام خاص طور پر مشہور ھیں لیکن قطبی کے حواشی میں قبول عام صرف دو حاشیوں میر سید شریف کا حاشیہ جو "میر قطبی" کہلاتا ھے اور سعد الدین تفتازانی کا حاشیہ جو "سعدیہ" کہلاتا ھے کو نصیب ھوا۔

ھندوستان میں "قطبی" کا رواج غالباً آٹھویں صدی کے نصف آخر میں ھوا جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ھے کہ فیروز تغلق نے اپنے مدرسے میں بہت سے علماء کو رکھا تھا ان میں اس نے مولانا جلال الدین رومی کو صدر مدرس مقرر کیا ۔ چنانچہ مولانا جلال الدین رومی جو قطب الدین رازی کے شاگرد تھے نے اپنے استاد کی "شرح شمسیہ" کو منطق کے نصاب میں داخل کیا اور چونکہ اس وقت معقولات سے زیادہ شرعیات کا رواج تھا ۔ لہذا دسویں صدی ھجری کے آغاز تک یہی کتاب منطق کی اعلی ترین کتاب سمجھی جاتی تھی ۔ اس کے بعد علمائے ملتان نے آکر معقولات کی ترویج و اشاعت کی اور دسویں صدی کے آخر میں معقولات کی گرم بازاری کا یہ عالم ھوا کہ نصاب پر معقولات چھا گئے ۔

بہرحال دسویں صدی سے قبل "شرح شمسیہ" ھی منطق کی اعلی ترین کتاب سمجھی جاتی تھی لہذا بہت سے علماء نے اس پر حواشی تحریر کئے ان میں مولانا عبدالوھاب کشمیری مولانا وجیہہ الدین شیخ ھبتہ اللہ شیرازی اور قاضی نوراللہ شوستری قابل ذکر ھیں ۔ منطق کی تاریخ میں "شمسیہ" کے سلسلے میں تین کتابوں کو اھمیت حاصل ھوئی پہلی تو خود "شمسیہ" پھر اس کی شرح جو قطب الدین رازی نے کی اور جو "قطبی" کہلاتی ھے اور پھر قطبی پر میر سید شریف جرجانی کا حاشیہ جو "میر قطبی" کہلاتا ھے ۔ اس سلسلتہ الذھب

کی چوتھی اور آخری کڑی علامہ عبدالحکیم کا حاشیہ ہے جو انھوں نے "میرقطبی" پر تحریر کیا تھا ۔ اس حاشیہ میں مولانا سیالکوٹی "قطبی" اور "میر قطبی" کی اہمیت کو بدیں طور پر تحریر فرماتے ہیں ـــ

"الشرح المنسوب الی الطور العظیم والمعتمد الجسیم
والحواشی المعلقته علیه للسید السند و الحبر الاوحد ۔"

مگر "قطبی و میر قطبی" پر جو حواشی تحریر کئے جا چکے تھے ملا عبدالحکیم ان سے مطمئن نہیں تھے وہ اپنے حاشیہ میں تحریر کرتے ہیں ـــ

"ان ما علق علیهما الفضلاء مع اشتهارهم بهما بعضها غیر وافیته لوجود الظفرته و بعضها غیر شافیته لعدم الظفرته و بعضها مملته للا طناب غیر متعلق بالکتاب و بعضها مخلته للا حتواء علی شکوک محیرته للطلاب ۔" (48)

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ ان کے صاحبزادے مولانا عبداللہ لبیب ان سے مختلف علوم و فنون کی تکمیل کر رہے تھے انھوں نے ان ہی کے ایما پر یہ حاشیہ بھی تصنیف فرمایا ۔ لکھتے ہیں ـــ

"قد سالنی الولد الاعز نور حدقته السعادته و نورحدیقته العبادته و فوأد الفوأد لهذا الغریب عبداللہ الملقب باللبیب عند قراته الشرح و ..... ان اکتب مایسخ الذهن الکلیل فی حل مشکلاتهما و احترمایتقرر لدی فی کشف معضلا تهما سالکا طریقته الاقتصاد و مقتصراً علی ایراد ماتیعلق بحل الکتاب ۔"

---

(48) المعارف ۔ لاهور اپریل 1968ء ص 35

(ترجمہ) مجھ سے میرے زیرک بیٹے نے جو سعادت و نیک بختی کی آنکھ کا نور اور عبادت کے چمن کی کلی ہے اور جو اس فریب (عبدالحکیم سیالکوٹی) کا دل اور لخت جگر ہے یعنی عبداللہ جس کا لقب لبیب ہے جس زمانہ میں وہ مجھ سے یہ شرح (قطبی و میر قطبی) پڑھ رہا تھا - درخواست کی .....کہ میں ان نکات کو قلمبند کروں جو میرے ذہن میں ان دونوں کتابوں کی مشکلات حل کرتے وقت آئے ہیں - نیز ان کے غامض مقامات کی تشریح میں جو وضاحت میرے نزدیک ثابت و متقرر ہو اسے تحریر کروں اور ایسا کرنے میں میانہ روی کے طریقہ پر گامزن رہوں اور صرف ان امور پر اکتفا کروں جو کتاب کے حل سے متعلق ہوں) -

اس طرح یہ گنجینۂ علوم ظہور میں آیا اور تکمیل کے بعد دیگر تصانیف کی طرح اس حاشیہ کو بھی شاہ جہاں کے نام معنون کیا فرماتے ہیں ـــ

"ثم بعد ساتیسرلی اتمامہ ..... جعلتہ عراضتہ لحضرتہ من خصتہ اللہ تعالی بالسلطنتہ اللہدیتہ ..... فخر الملوک والسلاطین ..... المویدبالتائید والنصر الربانی امیر المؤمنین ابو المظفر شہاب الدین شاہ بادشاہ صاحب القرآن الثانی -" (49)

علامہ سیالکوٹی کا حاشیہ شرح شمسیہ منطقی فکر کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے اور بعد کے علماء نے بالخصوص ملا محب اللہ بہاری نے اپنی تصنیف مسلم العلوم میں ہندوستانی محشیین قطبی میں سے صرف ملا عبدالحکیم ہی کو درخور اعتنا سمجھا اور ان کے منطقی منفردات سے تعرض کیا -

---

(49) مجموعہ قطبی و حواشی قطبی ج اول بحوالہ المعارف اپریل 1968ء ص 37

2 - حاشیہ شرح مطالع

"مطالع الانوار قاضی سراج الدین محمود بن ابی بکر ارموی (م- 689ھ) کا منطق و حکمت میں متن متین ہے - اس کے دو حصے ہیں طرف اول منطق میں اور طرف ثانی فلسفہ و حکمت میں موخر الذکر کے چار اجزا ہیں - جواہر اعراض امور عامہ اور العلم الالہی ... مطالع الانوار کی شرح قطب الدین رازی (م - 766ھ) نے لوامع الاسرار کے نام سے لکھ کر وزیر غیاث الدین کے نام معنون کی تھی چنانچہ یہ شرح علما میں بہت مقبول ہوئی اور بہت سے فضلا نے اس پر حواشی لکھے - قدیم ترین حاشیہ الحاج پاشا کا تھا جو انھوں نے میر سید شریف سے بھی پہلے لکھا تھا دیگر علما میں مولانا دانش مندا بیوروی مولانا داؤد شروانی عبدالرحیم اور محی الدین بن شہاب الدین کے نام قابل ذکر ہیں لیکن سب سے زیادہ قبول عام میر سید شریف کے حاشیہ کو ملا - کہتے ہیں کہ میر سید شریف کی زبردست خواہش تھی کہ وہ "شرح مطالع" کو اس کے مصنف قطب الدین رازی سے ہی پڑھیں چنانچہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے ملا قطب الدین بہت بوڑھے ہو چکے تھے انھوں نے نوجوان طالب علم کے قیل و قال اور ایراد و اندفاع کی سکت نہ دیکھی لہذا انھیں اپنے شاگرد شمس الدین محمد بن مبارک شاہ کے پاس بھیجا کہ ان سے پڑھنا ایسا ہی ہوگا جیسے خود شارح سے پڑھنا - میر سید شریف ان کے پاس گئے تو انھوں نے کہا کہ مستقل درس کے لئے تو وقت نہیں مگر فلاں امیرزادہ آجکل اس کتاب کو پڑھ رہا ہے اس کے ساتھ درس میں شریک ہو جاؤ - وہ شریک ہوئے مگر درس میں بالکل خاموش رہتے البتہ رات کو بڑے زور و شور سے تیاری کرتے ایک شب محمد بن مبارک شاہ مدرسہ کے لئے معائنہ کے لئے آئے تو جب میر سید شریف کے حجرے

کے قریب پہنچے تو انھیں بڑے جوش و خروش سے اس کتاب کی تیاری میں پایا انداز کچھ اس قسم کا تھا ـــ

"قال الشارح کذا و قال الاستاذ کذا و انا اقول کذا ۔" (50)

نوجوان شاگرد کے اس انداز مطالعہ سے وہ متاثر ہوئے اور خوش ہوکر دوسرے دن سے مستقل سبق مقرر کردیا بہرحال میر سید شریف نے یہ حاشیہ درس کے دوران تحریر کیا اور یہ اسقدر مقبول ہوا کہ بےشمار علماء نے اس پر حواشی لکھے ان میں میر مرتضٰی شریفی مرزا جان شیرازی ابن کمال پاشا اور مولانا لطفی قابل ذکر ہیں ۔ "شرح مطالع" ہندوستان میں عہد فیروز شاہی میں پہنچ چکی تھی جیسے کہ عرض کیا جا چکا ہے مولانا جلال الدین رومی جو کہ شارح شمسیہ و مطالع کی بھی وجہ سے مشہور تھے ۔ نے اس کا باقاعدہ درس شروع کیا تھا گویا یہ امیر فتح اللہ شیرازی کے علمائے ولایت کی معقولات کی کتابوں کو متعارف کرانے سے پہلے ہی شروع ہو چکا تھا ۔

لہذا درس میں متداول ہونے کی وجہ سے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے بھی اس پر حاشیہ لکھا جو"حاشیہ شرح مطالع"کے نام سے مشہور ہوا ان کا یہ حاشیہ خدا بخش لائبریری پٹنہ اور بانکی پور میں موجود ہے ۔ مولانا سیالکوٹی کے علاوہ دیگر علماء ہند نے بھی اس پر حواشی تحریر کئے ان میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے صاحبزادے مفتی نورالحق کا حاشیہ مشہور ہے۔

مندرجہ بالا کتب تو منطق کے موضوع پر تھیں جن پر ملا عبدالحکیم نے حواشی لکھ کر اپنی علمی برتری کا ثبوت دیا ۔ منطق کے علاوہ ان کے قابل

---

(50) المعارف ۔ لاہور اپریل 1968ء ص 38

قدر حواشی فلسفہ میں بھی ہیں اور ذیل میں انھیں کا تذکرہ کیا جارہا ہے ۔

3 ۔ حواشی در کنار حکمتہ العین ـــ

شرح حکمتہ العین ـــ

حکمتہ العین فلسفہ و حکمت میں نجم الدین کاتبی قزوینی کا متن متین ہے اس کے دو حصے ہیں ـــ

الہیات

طبیعات

"شمسیہ کی طرح حکمتہ العین کی شرح بھی قطب الدین رازی نے لکھی تھی اور یہ شرح جلد ہی معقولات کے اعلی نصاب میں بلند مقام پر پہنچ گئی مشاہیر فضلائے اسلام میں سے محقق دوانی نے بھی اس پر حاشیہ لکھا تھا ۔ لہذا دسویں صدی ہجری میں "شرح حکمتہ العین" کی اہمیت ہندوستان میں بھی مسلم ہو چکی تھی ۔ مولانا خوشحال تاش قندی نے دیگر کتب معقولات کے علاوہ حکمتہ العین بھی مولانا وحید الدین گجراتی علوی سے پڑھی تھی چنانچہ تدریس کے علاوہ شرح حکمتہ العین ۔ علمائے ہند کے تحشیہ کا بھی موضوع رہی ہے چونکہ یہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے یہاں بھی پڑھائی جاتی تھی اور اسی تقریب سے انھوں نے اس پر حاشیہ لکھا تھا ۔ دسویں صدی ہجری میں مولانا سیالکوٹی کے علاوہ ملا وجیہہ الدین گجراتی نے بھی اس پر حاشیہ لکھا تھا "شرح حکمت العین" کا رواج موجودہ دور تک رہا ہے اور متن حکمتہ العین ہنوز اتر پردیش کے امتحان عالم کے نصاب میں داخل ہے۔" (51)

---

(51) المعارف لاہور مئی 1968ء ص 38

4 - حواشی در کنار شرح ہدایہ الحکمتہ ـــــ

(حاشیہ علی میبذی) "ہدایتہ الحکمتہ" اثیر الدین ابہری کا منطق و فلسفہ میں ایک مختصر متن ہے - جس کے تین حصے ہیں ـــ

منطق

طبیعیات

الٰہیات - اس تقسیم کی تہہ میں جو تاریخی عوامل کارفرما تھے ان کا اجمالی تذکرہ مستحسن معلوم ہوتا ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ مشہور یونانی فلسفی ارسطو نے فلسفہ و حکمت کی غالباً جملہ شاخوں پر لکھا تھا اور بعد میں اس کی تصنیفات کی نئے طور پر جماعت بندی کی گئی اس طرح جب یونانی فلسفہ مسلمانوں میں منتقل ہوا تو فلسفہ و حکمت کے مسلمان مصنفین نے اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا -

حکمت نظری

حکمت عملی - مقدم الذکر کو پھر تین حصوں میں تقسیم کیا گیا - طبیعیات ریاضیات اور الٰہیات پھر مؤخرالذکر (حکمت عملی) کو بھی تین ہی حصوں میں تقسیم کیا گیا - فلسفہ اخلاق- تدبیر منزل- اور سیاست مدن. اس تقسیم در تقسیم میں سیاست مدن کا نام نہیں آتا تھا اس لئے منطق کو حکمت نظری کے تحت کردیا گیا - ادھر حکمت عملی کا اقسام ثلاثہ شریعت اسلامیہ کے انسان دوستانہ اور مبنی بر انصاف قوانین کے مقابلے میں تقویم پارینہ بن گئیں لہذا بو علی سینا کے زمانہ میں ہی فلسفہ کے صرف چار ارکان رہ گئے تھے- منطق طبیعات ریاضیات اور الہیات انھوں نے فلسفہ کی جو قاموس "کتاب الشفا" کے نام سے لکھی وہ انھیں چار اجزاء پر مشتمل تھی مگر بعد میں جب ریاضیات کے

کے ساتھ فلاسفہ کا اعتنا بہت کم ہوگیا تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب فلسفہ و حکمت کے صرف تین اجزاء رہ گئے جن کا تذکرہ ہوچکا ہے ۔ بہرحال بعد کے مصنفین نے اسی سہ گانی تقسیم کا اتباع کیا اور اثیر الدین الابہری نے بھی "ہدایتہ الحکمتہ" کو تین ہی حصوں میں تقسیم کیا اسی لئے یہ صغیر الحجم ہونے کے باوجود فلسفہ کے جملہ اہم مسائل پر حاوی ہے ۔

چنانچہ علماء نے شروع ہی سے اس کے شروح و حواشی لکھنے شروع کردیئے تھے ان علماء میں میر کی شمس الدین معین الدین سالمی سعد الدین مسعود بن محمد قزوینی اور روم میں قاضی زادہ۔شیخ محمد بن محمود۔ خواجہ زادہ اور خضر شاہ بن عبد اللطیف المنشوی قابل ذکر ہیں لیکن جب میر حسن میبذی نے "ہدایتہ الحکمتہ" کی شرح لکھی جو بعد میں ان کے نام پر "میبذی" کہلائی تو پھر اسی کا رواج عام ہوگیا ۔ چنانچہ امام الدین ریاضی نے اس کی اہمیت و افادیت کے بارے میں لکھا ہے ۔۔۔

"و میر حسین یزدی میبذی قدس اللہ سرہ الصمدی شاگرد مولانا جلال الدین سعد صدیقی دوانی است و در خطبہء کتاب شرح ہدایتہ الحکمہ بلفظ امد اللہ جلالھم اشارہ بایں معنی نمودہ و آں کتاب حسنہ عظیمہ غریبہ ایست از حسنات میر حسین کلیم سمہ ایست از بستان سرائے سیادت ومجموعہ ایست از نتائج فکر ولایت پاء جازت الفاظ فصیحہ و بلاغت معانی ملیحہ جامع عبارات بدیعہ و اشارات لطیفہ است وایں ضعیف برآں شرح حاشیہ نوشتہ و نہایتہ الحکمتہ نام کردہ۔" (52)

---

(52) تذکرہ باغستان ۔ بحوالہ المعارف مئی 1968ء ص 41

"میبذی" پر بہت سے علماء نے حواشی لکھے ان میں مصلح الدین اللاری نصراللہ بن محمد الخلخالی وغیرہ قابل ذکر ہیں مگر ان میں سب سے اہم فخرالدین استرآبادی کا حاشیہ تھا اسی سے متاثر ہوکر ملا صدرالدین محمد ابراہیم جو عام طور پر صدرائے شیرازی کے لقب سے جانے جاتے ہیں نے "ہدایتہ الحکمتہ" کی شرح لکھی جو ان کے نام پر "صدرا" کہلاتی ہے ۔

ہندوستان میں "میبذی" پڑھنے پڑھانے کا رواج دسویں صدی ہجری سے ملتا ہے چونکہ مولانا خوشحال تاشقندی۔مولانا وجیہہ الدین سے "شرح ہدایتہ الحکمتہ" پڑھتے تھے لہذا بہت سے لوگوں نے اس پر حواشی لکھکر اپنی علمی برتری کا ثبوت دیا ۔ لیکن ان میں زیادہ شہرت محمد حسن علمی مفتی نورالحق اور قاضی نوراللہ شوستری کے حواشی کو حاصل ہوئی چنانچہ شیخ اثیر الدین کی "ہدایتہ الحکمتہ" کی دونوں مشہور شرحیں ۔ میبذی اور صدرا ہمارے عربی مدارس میں بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں ظاہر ہے یونانی اسلامی فلسفہ کا یہ اہم شاہکار مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کی مجلس درس اور اعتنا سے کیسے بچ سکتا تھا ۔ لہذا انھوں نے اس پر ایک مفید حاشیہ لکھا جو "حاشیہ علی المیبذی" یا "حاشیہ شرح" ہدایتہ الحکمتہ کے نام سے مشہور ہیں اور متن میں بیان کردہ دقیق فلسفیانہ مسائل کے سمجھنے میں حد درجہ مفید ہے ۔

---

5 - علم نحو و بلاغت ـــ

عربی زبان کی تعلیم کے لئے علوم آلیہ کی حیثیت صرف و نحو کو ہی دی گئی ہے کیونکہ یہ دونوں اس کے بادیات میں سے ہیں اور اپنی معنویت و اہمیت کی بنا پر عربی زبان کی ریڑھ کی ہڈی کہے جاتے ہیں - حقیقتاً عربی زبان کی ابتدا علم صرف اور بعد ازاں علم نحو سے ہوتی ہے عربی میں علم نحو کے لغوی معنی "سمت" راستہ یا قصد کے ہیں بعد میں رفتہ رفتہ اس کے اصطلاحی معنی "قواعد زبان عربی" مقرر ہوگئے ماہرین لسان عرب کے نزدیک قواعد لسان کے دو حصے ہیں ـــ

علم الصرف

علم النحو

صرف و نحو دونوں ہی عربی زبان کے لئے موقوف علیہ ہیں کیونکہ علم صرف سے مفرد الفاظ میں ہونے والے مختلف تغیرات - حالات وغیرہ سے آگاہ کیا جاتا ہے گویا اس میں افعال موضوع فعل کے حرف اصلیہ کی شناخت فعل کی گردان اسمائے ذات و صفات بنانے اور ان کی جمع و تانیث وغیرہ کے قاعدوں سے بحث ہوتی ہے اور علم نحو سے کلمات کو باہم ترکیب دینے اور ان کے آخر کے حالات جاننے کی کیفیت کا علم ہوتا ہے اور انسان اس کے ذریعہ روزمرہ کی گفتگو اور تحریر میں ہر قسم کی ترکیبی اغلاط سے محفوظ رہتا ہے اس فن کی نہایت جامع تعریف ڈاکٹر مسعود انور علوی ان الفاظ میں کرتے ہیں ـــ

"علم صرف میں کلموں کو بنانے اور ان میں تغیر و تبدل کرنے
کا طریقہ بتایا جاتا ہے نیز مفرد الفاظ کی وضع اور شکل
اصلی اور اس کے تغیرات سے اس طرح بحث کی جاتی ہے کہ

یہ الفاظ اپنی اصلی ہئیت سے دوسری نئی ہئیت میں کس
اصول و قیاس کی بناء پر آئے ہیں اس فن کا فائدہ یہ ہے
کہ انسان صحت و درستی کے ساتھ کلمات کا تلفظ کرسکے۔" (53)

ابتدا میں علم صرف و نحو ایک ساتھ مدوّن تھے لیکن بعد میں ابو عثمان مازنی نے اس کو ایک الگ فن کی شکل دی اور یہی صورت اب تک قائم ہے مگر اصولی طور پر دونوں کی غرض و غایت یہی ہے کہ متکلم کلمات کی بناوٹ اور ترکیب میں غلطی سے محفوظ رہتا ہے ۔

عربی زبان چونکہ اہل عرب کی مادری زبان تھی اور وہ اسے بغیر اس کے قواعد جانے ہوئے بھی صحیح طور پر استعمال کرتے تھے اسی وجہ سے زمانہ جاہلیت اور عہد اسلام کے شروع میں اس زبان و ادب کا کوئی نحوی قاعدہ مرتب نہ تھا ۔ مگر جب اسلام جزیرہ عرب سے نکل کر ایران و روم میں پھیلا تو نحوی قواعد مرتب نہ ہونے کی وجہ سے زبان میں غلطیاں ہونے لگیں اور اس بات کا خطرہ لاحق ہوگیا کہ اگر نحوی قواعد مرتب نہ کئے گئے تو عربی زبان اصلی حالت میں محفوظ نہ رہ سکے گی ۔ حالانکہ عربی زبان مختلف اعتبارات سے اعلی ترین زبان تھی ۔ اور اللہ تعالی کی کتاب ہدایت "قرآن مجید" بھی عربی زبان میں نازل ہوا تھا نیز فرمودات رسول صلی اللہ علیہ وسلم عربی زبان ہی میں تھے چنانچہ امیر المؤمنین حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ کو سب سے پہلے اس کا احساس شدت سے ہوا انھوں نے چند نحوی قواعد مرتب کرکے ابوالاسود الدولی کو مرحمت فرمائے اور اسی نہج پر قواعد مرتب کرنے کا حکم دیا ۔

---

(53) ڈاکٹر مسعود انور علوی ۔ عربی ادب میں اودھ کا حصہ ص 211

عربی علوم کے آغاز کی تاریخ چونکہ عام طور پر تاریکی کے پردے میں ڈھکی ہوئی ہے اس لئے قطعی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ لفظ "نحو" کا اصطلاحی معنوں میں استعمال کب شروع ہوا اس سلسلے میں سب سے پہلا نام "ابوالاسود" ہی کا آتا ہے اور انہیں ہی اس شاخ کا بانی قرار دیا جاسکتا ہے چونکہ ابوالاسود کی وفات پہلی صدی ہجری کے اختتام پر ہوئی تھی - اس لئے بصری دبستان کے مشہور ترین اکابر میں ان کا نام سرفہرست ہے لہذا ابوالاسود الدولی اور ان کے بعد ان کے لائق ذکر تلامذہ نے اس سلسلہ میں بڑا اہم کردار ادا کیا اور آج عربی زبان کا اپنی اصلی حالت پر باقی رہ جاتا انہیں کی مساعی کا رہین منت ہے فن نحو میں سب سے زیادہ مشہور غبسہ- (غبستہ الفیل) یحیی بن عمر عدوانی- عطا بن اسود - ابوالحارث-عیسی بن عمر ثقفی- ابو عمر بن علاء اور خلیل بن احمد فراہیدی ہیں -

ابتدائی عہد عباسی میں ابو عمر و بن عثمان بن قنبر شیرازی جو عرف عام میں سیبویہ کے نام سے مشہور ہوئے سب سے زیادہ شہرت حاصل کی اور انہوں نے نحو کے مختلف مسائل اور مباحث کو یکجا کیا اور اپنی تصنیف کا نام " الکتاب "رکھا سیبویہ کے بعد ابو علی الفارسی اور ابوالقاسم الزجاج نے سیبویہ کی اتباع میں مختصر نحوی مسائل مرتب کئے یہاں تک کہ اس نے باقاعدہ فن کی شکل اختیار کرلی چنانچہ بصرہ اور کوفہ اس کے اہم اور مشہور مرکز بن گئے بہت سے نحویوں نے ان مباحث و قواعد کو نثر میں بیان کیا اور اکثر نے ان کو سہولت اور آسانی کے خیال سے منظوم شکل میں پیش کیا - تیسری صدی ہجری کے بعد جب عربی علوم کا مرکز دارالخلافہ بغداد منتقل ہوا اور وہاں کا دبستان

نحو بغداد کہلایا تو اس بغدادی دبستان کی وجہ سے کوفہ و بصرہ کے دبستانوں کا اختلاف آپس میں آہستہ آہستہ ختم ہوگیا ۔(54)

عربی میں علم نحو پر کتابیں لکھنے کا فن ساتویں صدی ہجری کے اواخر میں اپنے انتہائی عروج کو پہنچ گیا اور چار نامور نحویوں زمخشری ۔ ابن حاجب۔ ابن مالک ۔ اور ابن ہشام (م 661ھ/1359ء) کے بعد کوئی بھی علم نحو پر ایسی نئی تصنیف نہ پیش کرسکا جو اس کی ذاتی تحقیقات پر مبنی ہو ۔ چنانچہ امام زمخشری نے "المفصل" میں اور ابن حاجب نے "الکافیہ" میں نحو کے بنیادی مسائل ذکر کئے ہیں ابن مالک اور ابن المعطی نے ان کو نظم کا جامہ پہنایا ۔ علامہ ابن الحاجب کی "الکافیہ" کی بہت سی شرحیں ہندوستان میں لکھی گئیں اس کے علاوہ ابن جنی کی "التصریف" عزالدین عبدالوہاب کی "المختصر الریحانی" احمد بن علی مسعود کی " صراح الارواح " اور المیدانی کی "المختصر" مشہور ہیں ۔ اس کے علاوہ قاضی ناصر الدین البیضاوی کی "لب اللباب" ہندوستان کے نصاب درس میں بھی شامل رہی مختصرات نحو میں شیخ تاج الدین الاسفرائنی کی "لباب الاعراب" امام مطرزی کی "المصباح" اور شرح ضوء المصباح اور علامہ ابن ہشام کی "اوضح المسالک" اور "مغنی اللبیب" خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔

ہندوستان میں علم نحو پر سب سے پہلی عربی کتاب "تعلیق الفوائد" ہے جو محمد بن ابوبکر بن عمر الدمامینی کی تصنیف ہے ۔ یہ کتاب ابن مالک کی تصنیف "تحصیل الفوائد و تکمیل المقاصد" کی شرح ہے انھوں نے یہ کتاب 820ھ/1417ء میں گجرات میں قلمبند کرکے سلطان احمد والیٔ گجرات کے نام

---

(54) دائرہ معارف اسلامیہ ۔ ج 1/14 ص 205

معنون کی اس کے علاوہ "المنهل الصافی" اور "تحفته الغریب فی شرح مغنی اللبیب" بھی انھیں کی لکھی ہوئی ہیں یہ تینوں کتابیں ہندوستان میں لکھی گئیں جو بہت قیمتی ہیں اس کے بعد شہاب الدین دولت آبادی کی "الارشاد اور "شرح الهندی" و شرح الکافیه" عبدالرشید جونپوری کی تذکرہ النحو اور ہدایته النحو بھی قابل ذکر ہیں - ان تمام کتابوں پر ہر دور میں شروح و حواشی تحریر کئے جاتے رہے ہیں -

1 - حاشیه سراج الارواح —

علم صرف کے موضوع پر ہندوستان کے باہر بہت سی کتب لکھی گئیں انھیں میں سے ایک مشہور و معروف کتاب "سراج الارواح" ہے یہ احمد بن علی بن مسعود کا عربی میں ایک مشہور متن ہے - حاجی خلیفه نے اس کے بارے میں کہا ہے —

"وهو مختصر نافع متداول" (55)

(ترجمه) وہ (سراج الارواح صرف میں) ایک مختصر اور مفید متن ہے جو (درس میں عام طور سے) مروج ہے -

علم الصرف کی اس مشہور تصنیف کا روم میں آٹھویں صدی ہجری ہی سے پڑھنے پڑھانے کا رواج تھا - چنانچه سب سے پہلے اس کی شرح حسن پاشا ابن علاؤ الدین نے لکھی - بعد میں دیگر اساتذہ جنھوں نے اس کی شروح لکھیں ان میں ملا احمد - تاج الدین عبدالوهاب بن ابراهیم الشافعی - عبدالرحیم

---

(55) حاجی خلیفه - کشف الظنون ج ثانی ص 415

بن خلیل الرومی مصطفی بن شعبان ابن کمال پاشا وغیرہ کی شرحیں زیادہ مشہور ہیں -

لیکن ہندوستان میں اس کتاب کے ساتھ کوئی خاص دلچسپی نہیں دکھائی گئی اور نہ ہی یہاں اس کے شروح و حواشی کا کوئی خاص چرچا سنائی دیتا ہے صرف آخری زمانہ میں نواب صدیق حسن خاں نے "تعریف الرباح" کے نام سے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا - ملا عبد الحکیم سیالکوٹی غالباً علمائے روم کی علمی و درسی روایات سے متاثر تھے اور علمائے روم کے دوش بدوش افادہ و افاضہ میں مصروف تھے - لہذا صرف انھوں نے ہندوستان میں "مراح الارواح" پر حاشیہ تحریر کیا -

2 - تکملہ حاشیہ عبد الغفور 3 - حاشیہ علی حاشیہ عبد الغفور ـــ

"کافیہ" علم نحو میں شیخ جمال الدین ابی عمر و عثمان بن عمر کا جواب ابن حاجب مالکی کے نام سے مشہور ہیں کا مشہور متن ہے اس کی اہمیت و شہرت کے بارے میں حاجی خلیفہ نے لکھا ہے ـــ

"وھو مختصر معتبر شھرتہ مغنیتہ عن التعریف -" (56)

ابن حاجب کی یہ شہرہ آفاق تصنیف عربی گرامر کی قابل قدر کتابوں میں شمار ہوتی ہے اور غالباً بہت کم کتابوں کو اس قدر شہرت حاصل ہوئی ہے جتنی کہ "کافیہ" کو ملی - جن علماء و فضلاء نے "کافیہ" کی شروح لکھیں یا ان شروح پر حواشی لکھے ان کا شمار ممکن نہیں مشاہیر شراح میں خود مصنف ابن حاجب

---

(56) حاجی خلیفہ - کشف الظنون بحوالہ المعارف مئی 1968ء ص 43

کے علاوہ شیخ رضی الدین محمد بن الحسن الاسترآبادی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں ۔ دوسرے مشہور شارح نامور فارسی شاعر مولانا جامی تھے جن کی شرح (الفوائد الضیائیہ) اپنی شہرت کی بنا پر انھیں کے نام سے "شرح جامی" مشہور ہوگئی اور آج تک مدارس عربیہ میں کافیہ کے ساتھ داخل ہے ۔ "کافیہ" ہندوستان میں غالباً آٹھویں صدی ہجری کے شروع میں متعارف ہوئی اس سلسلے میں سب سے پہلے عالم جن کا نام اس کی شرح کے سلسلے میں آتا ہے وہ ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی تھے ۔ ان کی شرح جو ہندوستان کے باہر "شرح ہندی" کے نام سے مشہور تھی عرصہ تک علمائے روم و عجم کے تحشیہ کے موضوع بنی رہی مشاہیر علمائے ولایت میں ملا توقانی۔ خطیب ابوالفضل گازرونی اور میر غیاث الدین منصور نے اس پر حواشی لکھے ۔

حاشیہ عبدالغفور اور اس کا پس منظر یہ ہے کہ "شرح جامی" جس کا ابھی تذکرہ ہو چکا ہے اور جو آج بھی مدراس عربیہ کے درس میں داخل ہے۔ علماء نے اس شرح کے ساتھ بھی اصل متن (کافیہ) سے کم اعتنا نہیں کیا ۔ چنانچہ سب سے پہلے ملا عصام الدین اسفرائنی نے اس پر حاشیہ لکھا اور اکثر مقامات پر مولانا جامی پر اعتراضات کئے لہذا مولانا جامی کے شاگرد رشید مولانا عبدالغفور لاری نے ایک حاشیہ لکھا جس میں ملا عصام کے اعتراضات کا جواب دیا مگر وہ اسے مکمل نہ کرسکے ۔ چنانچہ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی نے اس غیر مکمل "حاشیہ" کی تکمیل کی جو "تکملہ حاشیہ عبدالغفور" کے نام سے مشہور ہے ملا عبدالغفور کے اس غیر مکمل حاشیہ کی تکمیل کے بعد انھوں نے اس پر ایک اور حاشیہ لکھا جو حاشیہ علی حاشیہ عبدالغفور" کے نام سے جانا گیا ۔ اصل میں ملا عبدالغفور لاری نے اپنے حاشیہ میں ملا عصام الدین کے اعتراضات کا جواب

دیا تھا بعد ازاں ان دونوں مطارحات پر دوسرے علماء نے محاکمہ کیا چنانچہ مولانا مصلح الدین لاری نے اپنے حاشیہ میں ملا عصام الدین اور ملا عبد الغفور دونوں کے حواشی پر تعرض کیا - اس قسم کا دوسرا محاکمہ مولانا عیسی بن محمد صفوی الایجی (م - 955ھ) نے کیا - لہذا جب ملا عبد الحکیم نے اس کی مزید تشریح کردی تو دنیائے ادب میں ایک اور نادر و نایاب تصنیف کا اضافہ ہوا شرح جامی کے اس حاشیہ کا ایک مخطوطہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی لائبریری میں بھی ہے -

4 - حاشیہ مطول

علم بلاغت کے موضوع پر بہت سی کتب تحریر کی گئیں اور ان بہترین نصابی کتب میں "السکاکی" کی معروف تصنیف "مفتاح العلوم" ہے- اس پر بےشمار شروح و حواشی قلمبند کئے گئے پھر ان شروح و حواشی کی بھی مزید شرحیں اور حاشیے لکھے گئے -

"مفتاح العلوم" مختلف علوم ادب مثلاً صرف نحو بلاغت عروض وغیرہ کا مجموعہ ہے اس پر جن علماء نے شروح لکھیں ان میں قطب الدین شیرازی، سعد الدین تفتازانی اور میر سید شریف کی شروح خصوصیت سے مشہور ہیں - لیکن ان میں زیادہ -

مقبولیت شمس الدین محمد بن عبد الرحمن بن عمر القزوینی الشافعی المعروف بہ خطیب دمشق (م - 739ھ) کی "تلخیص المفتاح" کو ہوئی "تلخیص المفتاح" مفتاح العلوم سکاکی " القسم الثالث کا اختصار ہے جو معانی بیان اور بدیع کے فنون پر مشتمل ہے یہ کتاب ایک مقدمہ اور تین فنون نیز ایک خاتمہ

پر مشتمل ہے مقدمہ فصاحت و بلاغت کی تعریف پر فن اول علم معانی پر فن ثانی علم بیان پر اور فن ثالث علم بدیع پر مشتمل ہے خاتمہ سرقات مشعریہ کی بحث پر ہے - بہرحال "تلخیص المفتاح" نے جلد ہی اصل یعنی "مفتاح العلوم" کی جگہ حاصل کرلی - اور اکثر افاضل علما نے اس پر شروح لکھیں چنانچہ حاجی خلیفہ نے لکھا ہے ـــ

"ولما کان ھذا المتن مما یتلقی بحسن التّلقی والقبول اقبل علیہ معشر الفواضل والفحول راکب علی درسہ و حفظہ اولو المعقول و المنقول و صار کا صلصلہ محط رحال تحریرات الرجال و ضبط انوار الافکار و مزوحم آرا ٔ البال ۔" (57)

چنانچہ اس فرط اعتنا کے نتیجے میں جن فحول علما ٔ نے اس پر شروح لکھیں حاجی خلیفہ نے ان کی ایک طویل فہرست دی ہے - لیکن "تلخیص المفتاح" کی شروح میں سب سے زیادہ قبول عام سعد الدین تفتازانی کی شروح کو نصیب ہوا انھوں نے "تلخیص المفتاح" کی دو شرحیں لکھیں ایک مبسوط جسے 748ھ میں "المطول" کے نام سے مکمل کیا اور دوسری مختصر جسے "مختصرالمعانی" کے نام سے 756ھ میں تکمیل کو پہنچایا اور یہ دونوں کتابیں بہت مقبول بھی ہوئیں چنانچہ جن علما نے "مطول" پر حواشی لکھے ان میں میر سید شریف- مرزا جان شیرازی - مولانا احمد تاشی - شمس الدین محمد بن احمد وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں -

ہندوستان میں درس و تحشیہ کے ذریعہ ایک ساتھ غیر معمولی اعتنا کیا گیا چونکہ یہاں شروع ہی سے "مفتاح العلوم" کا رواج رہا اور آٹھویں صدی

(57) حاجی خلیفہ - کشف الظنون - ج اول ص 323

ھجری میں مولانا معین الدین عمرانی جو قاضی عضد الدین الایجی کے ھمعصر تھے نے اس پر حاشیہ لکھا تھا ۔ اس کے علاوہ "مطول" موجودہ دور تک عربی مدارس میں پڑھائی جاتی رہی ھے لہذا اکثر علمائے کبار نے "مطول" پر حواشی لکھے جن میں شیخ طاھر بن رضی ھمدانی مولانا وجیہہ الدین گجراتی قاضی نوراللہ شوستری - مفتی وجیہہ الدین گوپامئوی خاص طور پر مشہور ھیں ۔ متأخرین فضلا ئے ھند میں سید محمد بن محمد قنوجی۔ شیخ نورالدین بن محمد صالح گجراتی ۔ مولانا نورالدین کشمیری - قاضی نجف علی بن عظیم الدین جھجری قاضی عبدالنبی احمد نگری ۔ شیخ فریدالدین احمد آبادی شیخ جمال الدین رکن الدین گجراتی کے حواشی کا ذکر ملتاھے (58)

ظاھر ھے ایسی اھم کتاب علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کی توجہ سے کس طرح محروم رہ سکتی تھی لہذا وقت کے عام دستور کے مطابق انھوں نے بھی علوم بلاغت کے اس عظیم شاھکار (مطول) پر ایک محققانہ حاشیہ لکھا ۔

5 - حاشیہ شریفیہ

میر غلام علی آزاد بلگرامی نے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کی تصانیف میں "حاشیہ شریفیہ" کا بھی ذکر کیا ھے مگر یہ نام مبہم ھے متداول درسی کتابوں میں "شریفیہ" "سراجیہ" کی شرح کا نام ھے جو علم الفرائض میں ھے ۔ میر غلام علی آزاد نے "حاشیہ شریفیہ" کا ذکر حاشیہ مطول کے فوراً بعد کیا ھے اس سے خیال کیا جاتا ھے کہ شائید اس سے مراد میر سید شریف کا "حاشیہ مطول" ھو جو عام طور پر "میر مطول" کے نام سے مشہور ھے ۔ میرسید شریف

---

(58) عبدالحئی الحسنی ۔ الثقافتہ الاسلامیہ فی الھند (اردو) ص 39

اور سعد الدین تفتازانی کے درمیان بڑے ناخوشگوار تعلقات تھے اس لئے اکثر ان پر حریفانہ چوٹیں کرتے رہتے تھے ۔ چنانچہ انھوں نے اپنے "حاشیہ مطول" میں بھی ان پر اعتراضات کئے ھیں جس کا جواب بعد میں خسرو نے اپنے حاشیہ میں دیا ۔

میر سید شریف کے "حاشیہ مطول" پر جن لوگوں نے حواشی لکھے ان میں مولانا مصلح الدین مصطفی الرومی کا حاشیہ اس لئے مشہور ھے کہ اس میں ملا خسرو کے جوابی اعتراضات کا جواب دیا گیا دوسرا حاشیہ ملا یوسف بن حسین الکرماستی کا ھے اس کے علاوہ ایک اور حاشیہ شریف مرتضی نے بھی لکھا تھا ۔ میر سید شریف جرجانی نے جن کتابوں پر حواشی لکھے ھیں وہ میر یا شریفیہ کے اضافہ کے ساتھ مشہور ھیں ۔ اور ملا عبد الحکیم سیالکوٹی بھی اپنی تصنیفی سرگرمیوں میں علمائے روم کے شانہ بشانہ تھے اس لئے ممکن ھے کہ انھوں نے "حاشیہ شریفیہ" "میر مطول" جو مطول پر میر سید شریف جرجانی کا حاشیہ ھے اس پر حاشیہ لکھا ھو ۔

---

6 - الرسالته الخاقانیته (مستقل تصانیف)
(الدرته الثمینته فی علم الواجب تعالی)

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی ایک عالم بےبدل اور صاحب تصنیفات عالیہ تھے ان کی تالیفات و تصنیفات کی شان یہ ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ مابعد کے زمانہ میں مشہور عالم ہوئیں بلکہ آج بھی دینی مدارس میں ان کی قدرومنزلت میں کوئی فرق نہیں آیا - خود مولانا سیالکوٹی کے عہد میں ہی ان کی شہرت و عظمت کا چرچا ہر سو ہو رہا تھا - ڈاکٹر زبیر احمد ان کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں ---

"He was an eminent theologian, well versed in all the branches of Islamic learning. Shahjahan had a high regard for him. He wrotes several books the reputation of which spread for and wide in his life time."(59)

اس سے قبل ان کی تصنیفات کے بارے میں سیر حاصل بحث ہوچکی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے زیادہ تر علوم مروجہ کی مشہور درسی کتابوں کے حواشی ہی لکھنے پر اکتفا کیا تھا ان کی مستقل تصانیف کی تعداد بہت کم ہے مگر بیشتر ازیں ان شروح و حواشی کی قدر و منزلت بھی واضح کردی گئی ہے ان کی سب سے عظیم الشان تصنیف "الرسالته الخاقانیه" ہے جسے "الدرته الثمینه فی علم الواجب تعالی" کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے اسلامی عقائد و نظریات کی تشریح و توضیح سے ان کو خاص دلچسپی تھی

---

(59) Dr. Zubaid Ahmed, Contribution of India in Arabic Literature.

بحوالہ ماہنامہ ثقافت - جون 1967ء ص 24

اسی بنا پر انھوں نے عقائد و منطق و فلسفہ کی بہت سی کتابوں پر قابل قدر حواشی تحریر کئے -

کہا جاتا ہے کہ انھوں نے بعض مستقل تصانیف چھوڑی ہیں - مزید برآں انھوں نے اپنے خواجہ تاش حضرت مجدد الف ثانی کے دعویٰ مجددیت کی تائید میں بھی ایک رسالہ سپرد قلم کیا جس کا نام دلائل التجدید رکھا - پنجاب یونیورسٹی لاہور کی لائبریری میں محفوظ ایک مخطوطہ "زاد اللبیب فی سفر الجیب" بھی انھی سے منسوب ہے جہاں تک راقمہ کی معلومات کا تعلق ہے ان کی مستقل تصانیف میں سے یہی ایک تصنیف "الرسالہ الخاقانیہ" ہے جس کے قلمی نسخے دنیا کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں یہ ان کتابوں میں سے ایک ہے جو ہندوستان میں مسلمانوں کے خاص فلسفہ علم الکلام پر مستقل طور پر تصنیف کی گئیں چنانچہ مولانا عبدالحئی رائے بریلوی نے اس کا ذکر اپنی قابل قدر کتاب "الثقافتہ الاسلامیہ فی الھند" میں ـــ

من الکتب المستقلستہ فی الکلام (60)

کے عنوان کے تحت پیش کیا ہے علم کلام کی اس تصنیف کو بھی انھوں نے شاہ جہاں کے نام جو ان کا مربی اور قدردان تھا معنون کیا تھا - چنانچہ اسی لئے اس کا نام "الرسالتہ الخاقانیہ" رکھا گیا - کتاب کے آخر میں مولانا سیالکوٹی لکھتے ہیں ـــ

"ولیکن ھذا آخر ماقصد نا ایرادتہ فی ھذہ الرسالتہ الخاقانیتہ (61)

---

(60) مولانا عبدالحئی رائے بریلوی - الثقانتہ الاسلامیہ فی الھند ص 238

(61) مجلہ ادارہ تحقیقات پاکستان - اپریل 1965ء ص 148

البتہ اس رسالے کا ذکر بعض دوسرے ناموں سے بھی ملتا ہے ۔

سبحتہ المرجان میں اس کا ذکر "الدرتہ الثمینہ فی اثبات الواجب تعالی ۔ ۔ ۔ ۔" (62)

اور مآثر الکرام میں درۂ ثمینہ در اثبات واجب تعالی ہے۔(63) اس کے علاوہ "نزہتہ الخواطر" و بہجتہ المسامع والنواظر میں "الدرتہ الثمینتہ فی اثبات علم الواجب" کے نام سے کیا گیا ہے۔(64) "حدائق الحنفیہ" کے حاشیے میں اس کا نام "الدرتہ الثمینہ فی اثبات واجب تعالی" (65)

اسلامیہ کالج لائبریری پشاور والے نسخے کے آخر میں یہ عبارت تحریر کی گئی ہے ۔

تمت ھذہ الرسالتہ المسماتہ بالدرتہ الثمینتہ (66)

"الرسالتہ الخاقانیہ" کا ایک نسخہ رام پور میں ہے۔ شبیر احمد خاں غوری اس سلسلے میں یوں لکھتے ہیں ۔

"A rare manuscript copy of this precious pearl is preserved in Raza Library, Rampur No.411 Fann-i Kalam, old catalogue. Attached with this tract a letter of Allami Sadullah Khan, the illustrious Prime Minister of the Emperor Shahjahan, adressed to the author

---

(62) غلام علی آزاد بلگرامی ۔ سبحتہ المرجان ص 66

(63) " " " " ۔ مآثر الکرام ص 205

(64) عبدالحئی رائے بریلوی ۔ نزہتہ الخواطر ج 5 ص 211

(65) فقیر محمد جہلمی ۔ حدائق الحنفیہ ۔ ص 414

(66) مجلۂ ادارہ تحقیقات پاکستان ۔ اپریل 1965ء ص 148

(Mulla Abdul Hakim) in response to which he composed this "Risalah" or tract."(67)

"الرسالته الخاقانیه" کے قلمی نسخے رامپور کے علاوہ مختلف ناموں سے مندرجہ ذیل مختلف لائبریریوں میں بھی موجود ہیں -

1 - انڈیا آفس لائبریری لندن

الدرۃ الثمنیہ (فی اثبات الواجب (MS.No. 2012, Fall,35,39 Delhi 1877 a.)

2 - ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ

(الف) در ثمنیہ (The veluable pearl)

(ب) رسالۂ خاقانیہ MS. No. (old) 556
(List of MS. acquired during 1809-10, p.4)

3 - رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال

الخاقانیہ فی تحقیق مبحث العلم (Bibliotheca India,pp.387-88)

4 - کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن

رسالۂ خاقانیہ (یہ نسخہ مصنف کی زندگی میں خود ان کے اصل نسخے سے نقل کیا گیا)

(فہرست مخطوطات جلد دوم نمبر 1094 علم کلام)

5 - پیٹرز برگ لائبریری روس

الرسالتہ الخاقانیتہ -
(Bukhara Collection, No.440)(Brokelmann, Supp.11,p.614)

6 - اسلامیہ کالج لائبریری پشاور

(الف) الرسالتہ الخاقانیہ فی علم الباری (بذیل فہرست نمبر 85814)

(ب) رسالہ عبد الحکیم سیالکوٹی فی علم الواجب تعالی (بذیل فہرست نمبر 1964/3)

---

(67) مجلۂ ادارہ تحقیقات پاکستان - اکتوبر 1964ء ص 47

7 - نیشنل میوزیم کراچی

الرسالته الخاقانیته لعبد الحکیم السیالکوتی فی مباحث الکلام

اس کے علاوہ اس مخطوطہ کی ایک عکسی نقل پنجاب یونیوسٹی لائبریری میں بھی مہیا کی گئی ہے -

" الرسالته الخاقانیه" کا سبب تصنیف یہ ہے کہ ایران کے حکمراں شاہ صفی کی وفات پر جب اس کا بیٹا شاہ عباس دوم تخت نشیں ہوا تو شہنشاہ ہند شاہ جہاں نے مرحوم شاہ کی تعزیت اور شاہ عباس کی تخت نشینی پر ہدیہ تہنیک پیش کرنے کے لئے اپنے امیر "جاں نثار خاں" کی زیر قیادت ایک سفارت ایران بھیجی جس میں محمد فاروق (مشرف) اور محب علی (وقائع نویس) بھی شامل تھے - ان کے بارے میں ملا عبد الحمید لاہوری رقمطراز ہیں ـــ

"وہشر دہم ایں ماہ (صفر 1086ھ) او را (جاں نثار خاں) بخلعت و جمد ہر و باضافہ پانصدی ذات دو ہزاری پانصد سوار ..... سر افراز ساختہ دستوری دادند و ..... مصحوب او گرامی مرحلہ منہی از مراسم تعریف و مہنی از لوازم تہنیت کہ علامی سعد اللہ خاں بامرا علی انشاء نمودہ بالختی مرصع آلات و پنج ہزار پارچہ ..... برسم ارمغاں ارسال فرمودند ۔" (68)

چونکہ برصغیر کو اس زمانے میں علوم عقلیہ کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا لہذا جب یہ سفارت ایران پہنچی تو ایرانی امراء سے ان کی ملاقاتیں بھی خوب رہیں اور علمی محفلوں کا انعقاد بھی عمل میں لایا گیا - ایران کے وزیراعظم

---

(68) عبد الحمید لاہوری - پادشاہ نامہ ج 2 ص 493

خلیفہ سلطان اعتماد الدولہ کے ساتھ ان ہندوستانی علماء کی معقولات کے مختلف مسائل پر بے تکلفانہ گفتگو بھی ہوتی رہی ۔ مولانا محمد فاروق اور محب علی کو اپنی فلسفہ دانی پر بڑا ناز تھا دوسری طرف وزیراعظم ایران بھی عالم فاضل شخص تھا چنانچہ ایک علمی محفل میں اس نے ہندوستانی علماء سے سوال کیا کہ امام غزالی نے قدم عالم علم واجب تعالی اور نفی حشر اجساد کے سلسلے میں ابو نصر فارابی اور ابن سینا کی تکفیر کی ہے ۔ لیکن بعض علماء نے ان مسائل کے بارے میں تاویل سے کام لیا ہے آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے ؟ سفارت ہند کے ارکان وزیر اعظم کے ان فاضلانہ سوالوں کا جواب نہ دے سکے کیونکہ ہندوستانی فضلا حقائق سے کوئی دلچسپی نہ رکھتے تھے لہذا انھوں نے سوال از آسماں جواب از ریسماں" کے مصداق اپنی ناواقفیت کو لفاظی کے پردے میں چھپانے کی کوشش کی لیکن ان کا جہل مرکب اہل نظر سے مخفی نہ رہ سکا اور ہندوستانی فضل و کمال کی دیار غیر میں بڑی رسوائی ہوئی ۔ اس طرح علوم عقلیہ میں ہندوستانی شہرت کو زبردست دھکا لگا ۔ علمی میدان میں اس "شکست" کی خبر شاہ جہاں کو کابل میں پہنچی بادشاہ نامہ کے مطابق وہ 18 صفر 1057ھ کو لاہور سے روانہ ہوا اور ربیع الاول کے آخر میں کابل پہنچا تھا ۔ اگرچہ اسے اس خبر سے بہت افسوس ہوا مگر وہ ایران کے مقابلے میں اتنی جلدی شکست تسلیم کرنے والا نہیں تھا ۔ لہذا اس نے مزید وقت ضائع کئے بغیر اپنے وزیر سعد اللہ خاں کو حکم دیا کہ مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی کو خط لکھا جائے کہ وہ مسائل ثلاثہ مذکورہ کے سلسلہ میں ایک مختصر مگر جامع رسالہ لکھکر دربار میں روانہ کریں (69)

رسالہ خاقانیہ کا مکمل تعارف پیش کرنے سے پیشتر ہندوستان اور ایران کے تعلقات کے اجمالی جائزے کے علاوہ امام غزالی اور ان کی شہرہ آفاق تصنیف

---

(69) ماہنامہ ثقافت ۔ لاہور جون 1967ء ص 26

"تہافتہ الفلاسفہ" کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے کیونکہ اس جائزے کے بعد ہی قاری کے ذہن میں "الرسالتہ الخاقانیہ" کا مکمل نقشہ بن سکےگا اور وہ اسے اچھی طرح سمجھ سکے گا ۔

دسویں صدی کے آغاز میں ایران میں صفوی حکومت قائم ہوئی یہ ایک قسم کی "قومی ریاست تھی اس لیے رجعت پسند تحریکیں جنھوں نے اپنی تنظیم فلسفیانہ بنیادوں پر رکھی تھی ۔ ان میں دو تحریکیں بہت اہم تھیں مسلمانوں میں فرقہ "نقطویہ" اور پارسیوں میں فرقہ "آذر کیوانیہ" ۔ نقطوی تحریک کا بانی محمود پیسخوانی تھا اور چونکہ سابق ملحدانہ احیائی تحریکوں کی طرح نقطوی تحریک بھی ایران کے قومی مزاج کے لئے بڑی خوشگوار تھی اسی لئے اس کی تعداد بڑھنے لگی مگر شاہ عباس صفوی نے بڑی سختی سے اس تحریک کا مواخذہ کیا اور 1002ھ میں بےشمار نقطوی قتل کردیئے گئے اس طرح اس کی داورگیر سے نقطویوں کے لئے ایران میں رہنا ناممکن ہوگیا تو یا تو وہ تقیہ کرنے پر مجبور ہوئے یا بھاگ کر ہندوستان چلے آئے جہاں اس وقت اکبر کا عہد حکومت تھا اور وہ اس قسم کی بدعات کا دل و جان سے قدردان تھا ۔

دوسری تحریک پارسیوں میں آذر کیوانیوں کی تھی اس کا بانی آذر کیوان قدیم ایران کے ایک خاندان سے تعلق رکھتا تھا ۔ لیکن اس تحریک کو بھی ایران میں کامیابی نہ ہوئی اور شاہ عباس نے جو نقطویوں پر سختی کی تھی اسے دیکھنے کے بعد مجوسیت کے احیاء کے سارے خواب کافور ہوگئے اور انھوں نے بھی ہندوستان کا رخ کرنا زیادہ مناسب سمجھا ۔ عہد اکبری کے تفلسف زدہ اور اسلام بیزار ماحول نے ان کی ہر طرح ہمت افزائی کی الحاد پسند

شعراء کے علاوہ حکمت و معقولات کے فضلاء بھی قدر دانی کی تلاش میں ایران سے ہندوستان آئے ان میں ابوالفتح گیلانی ۔ حکیم ہمام ۔ قاضی محمد یزدی ۔ میر مرتضی شریفی زیادہ مشہور ہیں ۔ گیارھویں صدی کے ایرانی فضلاء میں شیخ بہاؤ الدین عاملی اور میر باقر داماد مشہور ہیں وہ فلسفہ کے بہت مشہور عالموں میں سے تھے ہندوستان کے بہت سے فضلاء میر باقر سے پڑھکر آئے لہذا ان کے شاگردوں کے علاوہ جو ان کے ہم پیشہ حریف تھے وہ بھی ان کے علم و فضل کے معترف تھے میر باقر اپنے زمانے کے عبقری اعظم تھے انھوں نے فلسفہ حاضر الوقت کی ثروت میں نئے نئے نظریات و تصورات کا اضافہ کیا ان میں حدیث دھری کا مسئلہ سب سے زیادہ مشہور ہے ۔ فلاسفہ کی تقلید میں وہ حدوثِ زمان کے منکر تھے لیکن تعلیمات اسلامی کا تقاضا یہ تھا کہ حدوث عالم کی تائید کی جائے اور فلاسفہ کی حدوث ذاتی جو قدم عالم کا دوسرا نام ہے پھر قناعت نہ کی جائے اسی لئے انھوں نے قدم زماں اور حدوث عالم کے مابین مفاہمت کی کوشش کرتے ہوئے حدوث دھری کا نظریہ تراشا ہندوستان کے علمی حلقوں میں بھی اس کا رد و قبول دونوں ہی طرح استقبال کیا گیا ۔ ان کے شاگرد و عقیدت مند اس نئے انکشاف کو سراہتے تھے مگر مخالفین میں بھی صف اول کے علماء تھے جن میں ملا محمود جونپوری قابل توجہ ہیں لیکن فلسفہ کی تردید و ابطال میں خصوصیت کا شرف صرف امام غزالی کی شہرہ آفاق تصنیف "تہافت الفلاسفہ" کو حاصل ہے یوں بھی ان کی شخصیت اسلامی فکر کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے وہ امام الحرمین مصنف کتاب "الشامل فی علم الکلام" کے شاگرد تھے ۔ اس زمانہ میں فلسفہ و منطق کا رواج عام ہوگیا تھا اس لئے ضرورت اس بات کی سمجھی گئی کہ جہاں اسلام کی بنیادی تعلیمات کا فلسفہ

سے تصادم ہوتا ہے وہاں اس کا تنقیدی جائزہ لیا جائے ۔ اس نئے انداز بحث کلام کا آغاز امام غزالی نے کیا انھوں نے فلسفہ کے ابطال سے پہلے بڑی سنجیدگی اور ذمہ داری سے اس کا مطالعہ کیا اور اس کی تعلیمات کو "مقاصد الفلاسفہ" کے نام سے مرتب کیا ۔ اس کے بعد فلاسفہ کے مواقف کو دیانت داری کے ساتھ متعین کرنے کی کوشش کی ۔ اور اس کے لئے ارسطو کی تعلیمات کو منتخب کیا ۔ چنانچہ "تہافت الفلاسفہ" کے مقدمہ میں فرماتے ہیں ـــ

"لیعلم ان الخواض فی حکایته اختلاف الفلاسفته تطویل فان
خطبهم طویل و فزاعهم کثیر و بہ آراهم منتشرته و طرقهم
متباعدته متدابره فلنقتصر علی اظهار التناقض فی رائی
مقدمهم الذی هوا الفیلسوف المطلق و المعلم الاول فانه
رتب علومهم و هذ بهما بذعمهم و وحذف الحشومن آرائهم
و انتقی ما هوالاقرب الی اصول اهوائهم و هوارسطاطالیس ۔" (70)

(ترجمہ) جاننا چاہئے کہ فلاسفہ کے اختلافات میں غور خوض تطویل للطائل ہے کیونکہ ان کا تخبط طویل ہے ۔ ان کی نزاعیں کثیر ہیں ۔ ان کے آرا و مذاہب میں پراگندگی ہے ان کے مناہج بحث ایک دوسرے سے الگ ہیں ۔لہذا ہم ان کے پیشوا کی رایوں میں جو تناقض ہے اس کے اظہار پر اکتفا کریں گے یہ پیشوا ارسطو ہی ہے جو فلسفی علی الاطلاق اور معلم اول ہے اسی نے ان کے علوم کو مرتب کیا اور ان کے گمان میں انھیں منقح کیا تھا اور حشو و زوائد کو حذف کرکے ان کے اصولی مزعومات و منظومات کو منتخب کیا تھا اور وہ ارسطو ہے)

---

(70) تہافتہ الفلاسفہ للامام غزالی مطبوعہ مطبعہ ج : 1 ص : 3 بحوالہ معارف ج : 91 مارچ 1963ء ص : 430

لیکن خود ارسطو کے کلام کی توجیہہ و تاویل میں اس کے تلامذہ و متبعین کے درمیان شدید اختلاف تھا ۔ اس لئے امام غزالی نے ارسطاطالیسی فلسفہ کے نقد و تردید کے لئے اس کی ان ھی تعبیرات کو منتخب کیا جو ابونصر فارابی اور شیخ بو علی سینا سے منقول تھیں اس کے بعد انھوں نے ان مسائل پر تنقیدی نظر ڈالی چنانچہ تہافت الفلاسفہ کے مقدمہ کے بعد انھوں انھوں نے ان بیس مسائل کو لیا جن کے اندر فلسفہ اور شریعیت کے درمیان تصادم ھوتا ھے ان مسائل کی تفصیل غیر ضروری ھے مگر سوال یہ ھے کہ آیا یہ تمام بنیادی اختلافات ھیں جن کی بنا پر فلاسفہ کی تکفیر واجب ھو یا صرف بعض اساسی طور پر منافی اسلام ھیں اس کا جواب امام غزالی نے کتاب کے خاتمہ پر یوں دیا ھے ـــــ

"فان قال قائل قد فصلتھم مذاھب ھٰؤلاء افتقطعون بکفرھم و وجوب القتل لمن یعتقد اعتقادھم قلنا تکفیرھم لابد منه فی ثلاث مسائل احداھا مسئلته قدم العالم وقولھم ان الجواھر کلھا قدیمته والثانیته قولھم ان اللّٰہ تعالی لایحیط علما بالجذئیات الحادثته من الاشخاص ۔والثالثته فی انکار بعث الاجساد و حشرھا فھذہ المسائل الثلاث لاتلائم الاسلام بوجه و معتقدھا معتقد کذب الانبیاء۔۔۔۔۔ و ھذا ھو الکفر الصریح الذی لم یعتقدہ احد من فرق المسلمین ۔" (71)

---

(71) تہافت الفلاسفہ ۔ امام غزالی ج 1 ص 90 - 91 بحوالہ معارف ج 101 جنوری 1968ء ص 435

(ترجمہ) پس اگر کوئی کہنے والا کہے کہ تم نے فلاسفہ کے مذہب کی تفصیل تو بیان کردی یہ بھی تو بتاؤ کہ تم قطعیت کے ساتھ ان کی تکفیر نیز اس بات کے قائل ہو کہ جو ان کے معقولات پر اعتقاد رکھتا ہو وہ واجب القتل ہے تو اس کے جواب میں ہمارا کہنا ہے کہ تین مسئلوں میں ان کی تکفیر ناگزیر ہے - اول قدم عالم کا قول اور فلاسفہ کا یہ کہنا کہ جواہر سب کے سب قدیم ہیں - دوم فلاسفہ کا یہ کہنا کہ اللہ تعالی کا علم جزئیات حادثہ پر محیط نہیں ہے - سوم فلاسفہ کا بعث بعد الموت اور حشر اجساد کا انکار یہ تین مسئلے کسی طرح بھی اسلام کے ساتھ ہم آہنگ نہیں ہوسکتے اور ان کا اعتقاد رکھنے والا انبیا علیہم السلام کے جھوٹ بولنے کا معتقد ہے ..... جو صریح کفر ہے اور جس پر اسلامی فرقوں میں سے کسی فرقہ کا اعتقاد نہیں ہے -

عام طور پر مشہور ہے کہ امام غزالی نے مسائل ثلاثہ قدم عالم انکار باری تعالی بجزئیات وادیہ اور انکار حشر جسمانی کی بنا پر فارابی اور بوعلی سینا کی تکفیر کی ہے - مگر امر واقعہ یہ ہے کہ امام صاحب نے ان دونوں کی براہ راست نہیں بلکہ بالواسطہ تکفیر کی ہے انھوں نے پہلے تو یہ کہا کہ یونانی فلسفہ کا مثل ارسطو ہے اور ارسطو کے قابل اعتماد شارح اور ترجمان ابونصر فارابی اور شیخ بوعلی سینا ہیں اور یہ جن مسائل کی ارسطو کی جانب سے تعلیم دیتے ہیں ان میں سے یہ مسائل ثلاثہ بھی ہیں اور یہ تینوں مسائل متفقہ طور پر کفر صریح ہیں اس لئے ان کے قائلین (ابن سینا اور فارابی) واجب التکفیر ہیں انھوں نے ان دونوں کی کتابوں کے باقاعدہ حوالے تو نہیں دیئے مگر ان تصانیف کے مطالعہ کے بعد واضح ہو جاتا ہے کہ امام غزالی کی گرفت غلط نہیں تھی (72)

---

(72) معارف - جنوری 1968ء ج 101 ص 436

"تہافت الفلاسفہ" کی اشاعت کے بعد فلاسفہ کی صفوں میں کھلبلی مچ گئی شیخ بو علی سینا اور اس کے پیش رووٴں نے فلسفہ کی جو فلک بوس عمارت قائم کی تھی امام غزالی کے رد اور اعتراضات کے بعد ریت کی دیوار کی طرح زمین بوس ہوگئی اور اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے "غزالی" جیسا ہی عبقری وقت درکار تھا وگرد "فلسفیانہ عبقریت" جو کندی سے شروع ہوئی تھی اور بو علی سینا کے یہاں اپنے شباب پر پہنچی اب اپنے دن ختم کرچکی تھی - اور پھر فلاسفہ اس درجہ مطعون ہو چکے تھے کہ وہ کھل کر اپنے فلاسفی ہونے کا اعلان بھی نہیں کرسکتے تھے یہ کیفیت تو مشرق کی تھی - مغرب (اندلس) کی حالت اس سے بھی بدتر تھی تفلسف کے الزام میں ابن رشد اور اس کے پیش رووٴں کو شدائد کا سامنا تھا - پھر بھی ابن رشد نے ہمت نہ ہاری اور یونانی فلسفہ کی سربفلک عمارت کو جسے امام غزالی کے شدید حملوں نے ہلا کر رکھ دیا تھا - اپنی سعی پیہم اور زور استدلال سے گرنے سے بچا لیا اور امام غزالی کے اعتراضات کا دوبدو جواب دیا - چنانچہ انھوں نے تہافت الفلاسفہ کے رد میں "تہافت التہافت" کے عنوان سے کتاب لکھی بہرحال مغرب میں تو ابن رشد کے بعد اس پایہ کا کوئی فلسفی پیدا نہ ہوا مگر مشرق میں صورت حال مختلف تھی یہاں زوال کے بعد بڑے عظیم المرتبت اور جلیل القدر مفکر پیدا ہوئے جو بیک وقت فلسفی اور متکلم تھے ان میں نصیرالدین طوسی۔ قطب الدین شیرازی - نجم الدین کاتبی - اثیر الدین ابہری - قطب الدین رازی وغیرہ قابل ذکر ہیں - سلاطین کو اس مسئلہ سے کوئی دلچسپی نہ تھی روم میں تو سلطان محمد فاتح نے محض علمی سرپرستی اور علماء کی ہمت افزائی کے لئے محاکمہ لکھنے کا امتحان لیا تھا رہا ہندوستان؛ تو یہاں کے بادشاہ شاہ جہاں کو بھی اس سے کوئی دلچسپی نہ تھی مگر جب سفارت خانہ کے عملہ

کی بوالفضولی کے ہاتھوں ہندوستان کا علمی وقار ایرانی فضلاء کے مقابلہ میں کھویا گیا تو بادشاہ کو اس کی بحالی کا خیال پیدا ہوا اور محض اس کھوئے ہوئے وقار کی بحالی کے لئے اس نے علامہ سیالکوٹی سے یہ رسالہ الدرتہ الثمنیہ لکھوایا (73)

چنانچہ دسویں اور گیارھویں صدی ہجری میں (جب یہ واقعہ ظہور پذیر ہوا) یہ ماحول تھا کہ شاہ عباس صفوی کی سخت گیری کے باوجود فلسفہ کی نشاتہ ثانیہ ہو رہی تھی اور طبعتیں ایک بار پھر فارابی اور ابن سینا کی عظمت کی جانب مائل تھیں چونکہ امام غزالی نے "تہافت الفلاسفہ" میں فارابی اور ابن سینا کی بالواسطہ تکفیر کی تھی اس لئے فلسفہ کی نشاتہ ثانیہ کے ساتھ ساتھ ایران میں ان مسائل کی طرف بھی رجحان بڑھ رہا تھا اور لوگ امام غزالی کی عظمت فکر کے باوجود خود کو ان کے اس تکفیری موقف کے ساتھ اتفاق کرنے سے قاصر پاتے تھے چنانچہ گیارھویں صدی کے وسط میں یعنی 1056ھ میں جب شاہ جہاں کے سفارتی وفد کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا اور ہندوستانی علماء اس کا کوئی شافی جواب نہ دے سکے اور جب شاہ جہاں کو اس واقعے کی اطلاع ملی تو اسے بڑا صدمہ ہوا اور اس کے ایما پر وزیر سعد اللہ خاں نے علامہ سیالکوٹی سے موضوع زیر بحث پر ایک سیر حاصل بحث لکھنے کی درخواست کی اور اس استدعا کے نتیجے میں علامہ عبد الحکیم سیالکوٹی نے اپنا مشہور رسالہ "الدرتہ الثمنیہ" تصنیف کیا ۔ اس کے بعد علم باری کا مسئلہ علمی حلقوں میں گرمی محفل کا سامان بن گیا اور اکثر علمائے نامدار نے اس پر طبع آزمائی کی مگر یہ سب کچھ ایران کی علمی بحثوں کا اور وہاں کے رجحانات کا تسلسل تھا جو ہندوستانی فکر میں اس طور سے منعکس ہو رہا تھا ۔

---

(73) معارف ج 102 جولائی 1968ء ص 25

ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کے "الدرته الثمنیه" کا سن تصنیف 1057ھ ہے انھوں نے رسالہ کے آخر میں لکھا ہے ـــ

"ولیکن هذا آخر ما اردنا ایراده فی هذه الرسالته الخاقانیه
حامداً اللّٰه تعالی و مصلیاً علی نبیه وآله شارعاً فی تحریره
صغوته یوم الجمته خامس شهر ربیع الثانی مستماً فی آخر
یوم الجمعته ثانی عشرمنه من 1057ھ ۔" (74)

لہذا ان کی اس غیر مبہم تصریح کے علاوہ رسالہ کی ترتیب و تحریر کا تاریخی پس منظر بھی اس بات کا شاہد ہے کہ یہ رسالہ 1057ھ میں ہی تصنیف کیا گیا ۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ جب ہندوستانی علماء وزیراعظم ایران کے سوالات کا شافی جواب نہ دے سکے تو شاہ جہاں کو اس بات سے نہایت صدمہ پہنچا تھا ۔ غرض یہ مناظرہ 1057ھ کے ابتدائی مہینوں میں ہوا ہوگا کیونکہ 10 ذی الحجہ کو جب یہ سفارت ایران پہنچی تو اس کے بعد کا زمانہ سیاسی گفت و شنید میں گذرا ہوگا اور پھر ثقافتی تعلقات اس حد تک بڑھانے کے لئے بھی ہندوستانی سفارتی عملے کو عام ایرانی فضلاء پر اپنی بتحر علمی کا سکہ بٹھا کر وزیر اعظم ایران کے ساتھ علمی مجالس قائم کرنے میں دو تین مہینے تو ضرور لگے ہوں گے لہذا یہ بآسانی تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ یہ مناظرہ صفر یا ربیع الاول 1057ھ میں ہوا ہوگا اس کے بعد پرچہ نویس نے اس ہوا خیزی کی اطلاع بادشاہ کو دی ہوگی جو آخر ربیع الاول میں اس کے گوش گذار ہوئی اس وقت بادشاہ کابل میں تھے کیونکہ آخر صفر 1057ھ میں وہ لاہور سے روانہ ہوئے تھے بہر حال جب اس ہوا خیزی کی خبر بادشاہ کو ملی

---

(74) معارف جلد 102 اگست 1968ء ص 101

تو اس کا رنجیدہ ہونا فطری امر تھا مزاج شناس وزیر سعداللہ خاں نے نگاہوں کو پہچان لیا اور فوراً ہی گرانی طبع کو دور کرنے کی تدبیر بھی سوچ لی اور اس کام کی انجام دہی کے لئے ان کی نگہ انتخاب نے افاضل دربار میں سے جس شخص کو چن لیا وہ علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کی ذات گرامی تھی اس کی تصدیق شہیر احمد خاں غوری ان الفاظ میں کرتے ہیں ـــــ

"Shahjahan was very much dismayed and took this views a blow to India's national prestige. But he was not a man to accept defeat so easily and would not rest untill the last prestige was regained. He did not take much time in deciding to choose a right champion for this academic contest ..... so he bade his grand WAZIR SADULLAH KHAN to write a letter to Mullah Abdul Hakim to compose a short but comprehensive tract on the under discussion."[75]

وزیر اعظم سعداللہ خاں نے علامہ کو خط لکھکر پندرہ دن کے اندر رسالہ لکھنے کی فرمائش کی چنانچہ انھوں نے علامہ سیالکوٹی کو جو مکتوب بھیجا اس میں لکھا ہے ۔

" از افراد وقائع ایران زمینی بمسامع حقائق مجامع رسید کہ افادت پناہ افاضت دستگاہ خلیفہ سلطان وزیر دانش در عراق کہ اعلم العلمائے آں دیار است از محمد فاروق مشرف و محب علی واقعہ نویس کہ بامارت مآب جاں نثار خاں سفیر متعین اند پس از دعوائے ایناں بفضل و کمال پرسیدہ باشد کہ امام غزالی در مسئلہ قدم عالم و نفی عالم واجب تعالی شانہ عما یقول الظالمون فی حق انفسہم

---

(75) مجلہ ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان - اکتوبر 1986ء ص 72

و الجاهلون بالله جهلا مركبا بجزئيات مادیه حادثه نفی حشر
اجساد تکفیر ابو نصر فارابی و شیخ ابو علی سینا نموده و جمعی
تاویل کلام حکماء کرده اند - این مراتب را تقریر باید کرد
مدعیان دروغ چون شمع کشته بے فروغ ماندند . . . . . لهذا
به کمترین مریدان حکم شد که بآن فضائل و کمالات دستگاه
سطرے چند بر نگار دو بر گزارد که آن افادت و اضافت مرتبه
را درین مسائل مختصرے جامع و موجزے مفید که مستجمع کلمات
حکماء وتاویلات علماء وجه تکفیر اسلامیین و اقوال لمیین و مباحث
و مناظرات و شکوک و شبهات و ازالات و ازاحات واسوله و اجوبه
و غایت تدقیقات و نهایت تحقیقات واصل کلام در هر باب و اساس
سخن در هر جواب و انچه بران ظفر یافته باشد و برهان که
بدان فائز شد و باشند و احاطه مسائل متعلقه باین مطلب
علمی از حضوری حصولی و بودن علم عین عالم عین معلوم باعتراف
تعلق بجزئیات بروجه کلی است یا جزئی و تحریر آنکه جزئیت
وکلیت مفهوم تابع مدرک است - باتابع مدرک و یاواجب جزئی
بست یانه و بیان آنکه ادراک تعلقے است و احساسے نیست
و شمول علم بمغیبات و مشخصات از زمان وغیر آن و بقاء علم
و بمعلوم باتبدل زمان و حضور زمان بجمیع اجزاء من لدن ازل
الآزال الی ابد الآباد ومع کونه غیر قارته جهانکه باشد در
حضرت خلافت در عرض ده پانزده روز باید فرستاد که ایران
فرستاده شود و آنچنان باید بود که قابل فرستادن باشد

لایق اضافه بآں فضائل دستگاه بود و در روزگار ازاں
مار گویند و در تاریخ نامه یا نوشته شود ۔" (76)

یه خط ملا عبد الحکیم سیالکوٹی کو ربیع الثانی 1057ھ کے آغاز میں ملا اس میں ملامی سعد اللہ خاں نے ان کو صرف پندرہ دن کے اندر ایک جامع اور مختصر رساله لکھنے کی فرمائش کی لیکن ملا صاحب نے اسے صرف ایک ھی ھفته میں مکمل کردیا اگرچه آخری چند صفحات میں مولانا نے حشر اجساد اور عالم کے حادث و قدیم ھونے کے بارے میں بھی فاضلانه بحث کی ھے لیکن ان کے پیش نظر اھم مسئله علم باری تعالی تھا ۔ غالباً یہی وجه ھے که اس رساله کو "الخاقانیه فی مبحث العلم" "الرسالته الخاقانیه فی علم الباری تعالی" "رساله عبد الحکیم سیالکوٹی فی علم الواجب تعالی وغیره ناموں سے یاد کیا جاتا ھے

ڈاکٹر زبیر احمد نے اپنی تصنیف میں Text books of scholastic Theology. کے تحت صرف دو کتابوں کا ذکر کیا ھے جن میں سے پہلی مولانا عبد الحکیم کی "الرسالته الخاقانیه" اور دوسری شیخ عبد الوھاب قنوجی کی "بحرالمذاھب" ھیں "رسالته الخاقانیه" کے متعلق وہ لکھتے ھیں ـــــ

"The tract is interesting and lucid in its manner of discussing the subject....77

حقیقت یه ھے که علامه سیالکوٹی نے بادشاہ کی اس توقع کو حرفاً حرفاً پورا کیا ان تاثرات کی تفصیل تو نہیں ملتی جو ایران کے باکمالوں پر اس کے مطالعه سے پیدا ھوئے اور نه اس انعام و اکرام کی تفصیل کا پته چلتا ھے جو اس رساله کی ترتیب و تحریر کے صلے میں بادشاہ کی جانب سے مولانا سیالکوٹی کو

---

(76) معارف ج 91 مارچ 1963ء نمبر 3 ص 205

(77) Zubaid Ahmad, "Contribution of India to Arabic Literature".
بحواله ماھنامه ثقافت لاھور جون 1967ء ص 26

عطا کئے گئے لیکن علامی سعداللہ خاں کی یہ آرزو یقیناً پوری ہوگئی زمانہ میں آج تک اس کے نشانات موجود ہیں اور تذکرہ تراجم کی کتب میں آج بھی اس کا حوالہ دیا جاتا ہے اور اس طرح ہندوستان کی کلامی عبقریت کا یہ شاہکار ظہور پذیر ہوا جس کے دیباچہ میں علامہ سیالکوٹی فرماتے ہیں ـــ

"یقول العبد المسکین عبدالحکیم ابن شمس الدین ہذہ قواعد عالیتہ و فرائد غالیتہ نظمتھا القلوب ھاویتہ و آذان واعیہ بامرا الملک القمقام ..... ابو المظفر شہاب الدین محمد شاہ جہاں صاحب القرآن الثانی ..... اللھم کما فضلتہ با لسلطنتہ الکبری فی الدنیا تنعمد بالسعادتہ العظمیٰ فی العقبیٰ ۔

"الرسالتہ الخاقانیہ" میں تین اہم مسائل کلمیہ پر بحث کی گئی ہے ـــ

1 - مسئلہ علم باری تعالی

2 - حشر اجساد

3 - قدم وحدوث عالم

اگرچہ انھوں نے مذکورہ بالا تینوں مسائل پر بڑے عالمانہ انداز میں روشنی ڈالی ہے لیکن بحث کا رخ زیادہ تر مسئلہ علم باری کی طرف رہا ہے قرآنی تصریحات کے ساتھ ساتھ یونانی فلاسفہ اور حکمائے اسلام کے اقوال و نظریات جمع کرکے ان پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے ۔

سب سے پہلے مسئلہ علم الواجب تعالی کی تشریح و توضیح کی ہے اور اسے تین ابحاث میں تقسیم کیا ہے ـــ

البحث الاول - فی اثباته (اثبات العلم له تعالی)

البحث الثانی - فی ان علمه ما هو و کیف هو ؟

البحث الثالث - فی عموم علمه تعالی

علم واجب کے سلسلے میں پہلی بحث کے بارے میں لکھتے ھیں —

اتفق الکل علیه الاشر ذمته من القدماء لایعبا ئبهم . دوسری بحث (علم الہی اور اس کی کیفیت) کے سلسلے میں جستہ جستہ اقتباسات ملاحظہ ھوں —

فقال افلاطون - انه (ان علمه تعالی) صور قائمته بنفسها .....

وقال الاشاعره - انه قائم بذاته تعالی .....

وقال الجمهور الفلاسفته - علمه تعالی عین ذاته .....

واما طریق اثباته فالمشاهدته بالریاضات الشاقّته .....

ولما کان ذاته - تعالی نورالانوار کان ذاته بذاته فی اجل مراتب الظهور ولا یکون الغیبته والخفاء فی ذاته تعالی اصلاً فیکون عالماً و معلوماً علما من غیر تکثر و اثننیته لا بذات ولا بالاعتبار .....

قال فی الشفاء ..... فذاته عقل و معقول و عاقل لا ان هناک اشیاء متکثرته .....

وقال الفارابی ان واجب الوجود مبد اکل فیض .....

و اعلم ان تحقیق علمه تعالی - کما تقدم علق نفیس لمن له قلب یقظان و ملکته فی العلوم الحقیقته و المعارف الالهیته .

تیسری بحث - (عمو میت علم الہی) کے متعلق اس طرح رقمطراز ھیں —

اتفق المسلمون علی عموم علمه تعالی لکل ما یطلق علیه الشئی موجود اکان او معدو ماجزئیاکان او کلیا .....

وقال المحقق الدوانی ـــ حاصل مذهب الفلاسفته انه یعلم الاشیاء کلها بتجر التعقل لا بطریق الاحساس و التخیل فلا یعذب عن علمه شئی من الاشیاء . . . .

و علم الباری فعلی مقدم علی المعلول الخارجی منصور المعلومات حاصلته له قبل وجودها . . . . .

و تفصیل ما اختاره الشیخ (ابن سینا) . . . . . انه تعالی اذا کان یعقل ذاته فیعقل لوازم ذاته . . . . .

مسائل ثلاثه کے بارے میں الرساله الخاقانیه کی ساری بحث کی بنیاد امام غزالی کے اس قول پر رکھی گئی ہے -

ان مجموع ما غلط الفلاسفته فیه یرجع الی عشرین اصلا -

یجب تکفیر هم فی ثلاثه منها و تبدیعهم فی سبعته عشر . . . . .

من ذلک قولهم ان الاجسام لایحشر . . . . .

ومن ذلک قولهم ان اللّٰه تعالی یعلم الکلیات دون الجزئیات . . . . .

ومن ذلک تولهم بقدم العالم و از لیته . . . . .

اس سلسلے میں امام غزالی کے نظریات پیش کرنے کے علاوہ مصنف نے محقق دوانی اور امام رازی کی آرا کو بھی خاص طور پر قلم بند کیا اور ہر مسئلے کے بارے میں اپنی رائے بھی تحریر کی ہے -

حشر جسمانی کے قائلین کے بارے میں کہتے ہیں ـــ

" اقول تکفیر هم بانکار الحشر الجسمانی حق لانه مما نطق به الکلام المجید بحیث خرج عن احتمال التاویل لآیات - آخر سورته یٰسین "

امام رازی کی رائے تو یہ ہے کہ رسولؐ کی تعلیمات پر ایمان رکھتے ہوئے حشر جسمانی کا انکار ممکن ہی نہیں -

علامہ سیالکوٹی نفی قدم عالم کے بارے میں دوانی کے نظریے کو بنیاد بنا کر اپنا دعوی اور دلیل اس طرح بیان کرتے ہیں ۔

" اقول لا یمکن الجمع بینهما ایضاً لان الحشر علی ماورد به الشرع یتقضی انشقاق السموات ۔
وطیها و فنائها ۔ والقائلون بقدم العالم یقولون بامتناع الخرق علیها فضلاً عن فنائها ۔"

اللہ تعالی کے عالم بالجزئیات ہونے سے انکار اور اس کی بناء پر تکفیر کے بارے میں انھوں نے حسب ذیل تصریح کی ہے ــــ

" و اما تکفیر هم بانکار العلم بالجزئیات فان کان المراد ما هو لظاهر منه فهو حق ۔ لانه انکار للنصوص الدالته علی عموم علمه تعالی ..... و انکار لما اجمع علیه المسلمون بل ابطال للشریعته ۔"
و ان کان المراد منه ما اول به فمرجعه الی انکار نحو العلم الذی هو نقص فی حقه تعالی فی زعمهم .....
وبهذا القدر لا یتحقون التکفیر ۔"

چونکہ مسائل زیر بحث خاصے پیچیدہ اور مشکل ہیں اس لئے وہ خود بھی ان کی طرف توجہ مبذول کراتے ہیں علم باری تعالی کی بحث کے آخر میں فرماتے ہیں ۔

و هذا القدر من انبیاں کاف لمن له لطف قریحته"

رسالہ کا سب سے آخری مسئلہ جس کی طرف مصنف نے ضمنی طور پر توجہ دلائی

ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب شریف ہے ان کے نزدیک کم از کم چار پشتوں تک ہر مسلمان کو رسولؐ کے آباد اجداد کے نام معلوم ہونے چاہئیں -

انڈیا آفس لائبریری کے مخطوطہ کا اختتام ان الفاظ پر ہوتا ہے۔

"ولیکن ہذا آخر ما قصد نا ایرادہ فی ہذہ الرسالتہ الخاقانیہ حامداً اللہ و مصلیاً علی نبیہ و آلہ -

پشاور والے نسخے میں اس کے بعد یہ الفاظ ملتے ہیں ـــــ

"شارعاً فی تحریرہ ضحوتہ یوم الجمعتہ خامس شہر ربیع الثانی متمماً فی آخر یوم الجمعتہ ثانی عشر منہ من سنتہ الف و خمیسن و سبع -

7 - ترجمہ غنیتہ الطالبین ـــــ

علامہ سیالکوٹی کی اس شہرہ آفاق تصنیف کے تفصیلی جائزے کے بعد ان کی دوسری تصنیفات میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے منسوب ان کی مشہور عالم تصنیف "غنیتہ الطالبین" کا فارسی ترجمہ ہے - انھوں نے یہ فارسی ترجمہ اپنے وقت کے ولی کامل اور شیخ عارف "بلاول قادری لاہوری" کی فرمائش پر کیا تھا - اس ترجمہ کے ساتھ ہی بطور وضاحت مولوی عبداللہ البیب کا خطبہ بھی موجود ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ شیخ جیلانیؒ کی اجازت روحانی پر کیا گیا ـــــ

"ایں نسخہ ترجمہ کتاب غنیتہ الطالبین است کہ باستدعائے شیخ شیوخ ولی وقت - عارف کامل - سالار طائفہ اخیار - شیخ

بلاول قادری لاهوری رحمته الله علیه ..... ابی و استاذی
و وشیقی عبدالحکیم بن شیخ شمس الدین قدس سرهما العزیز
نوشته اند و صورت واقعه چنیں بود که آنحضرت پس از استدعائے
شیخ استعاره کردند و در استخاره اجازت نوشتن ترجمه نیافتند
چوں حسب وعده که بشیخ بود طلب ترجمه کرد ..... چوں
بایں قصد استخاره کردند اجازت شد - ایں ترجمه بتحریر آمد
ایں مقاله فقیر عبدالله المقلب باللبیب از زبان حقائق تبیان حضرت
قدسی الله سره العزیز شنیده - در اول ایں نسخه نوشته شد تا
برطالبان صادق معلوم بود نسخه از انتحال مامون و مصئون شده-" (78)

ان مندرجه بالا تصنیفات کے علاوه تذکره نگاروں نے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کی مندرجه ذیل کتب کا بھی ذکر کیا هے- مگر یه کتابیں نه هی کہیں طبع هوئیں اور نه هی ان کے مخطوطات کا پته چلتا هے ـــ

القول المحیط (منطق)
حاشیه شرح تہذیب (منطق)
حاشیه شریطیه
کتاب مشهود
دلائل التجدید - وغیره (79)

---

(78) ماهنامه ثقافت - جون 1967ء ص 23

(79) پروفیسر اختر راهی - تذکره مصنفین درس نظامی ص 144

باب پنجم :

علمی مرتبہ اور مقام

— مصنف کی حیثیت سے
— مفسر کی حیثیت سے
— اصول فقہ کی ماہر کی حیثیت سے
— ادیب کی حیثیت سے۔

علمی مرتبہ اور مقام

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی عہد شاہ جہانی کی ان مایہ ناز ہستیوں میں سے ہیں جن کا علمی بتحر دینی بصیرت مجتہدانہ ذوق اور احکام اسلامی کی کلیات و جزئیات پر کامل دسترس عوام و خواص کے نزدیک مسلم تھی ۔ مولانا صاحب کی شخصیت اس حیثیت سے اپنے معاصرین میں ممتاز ہے کہ ان کے فکر ونظر مصروفیات و مشغولیات کا دائرہ کافی وسعت رکھتا ہے ۔ انھیں علوم عقلیہ و نقلیہ میں بڑی مہارت حاصل تھی وہ ایک فاضل مصنف اور انشاء پرداز بھی تھے جس طرح وہ معقولات و منقولات کے درس میں مہارت فن کا ثبوت دیتے تھے اسی طرح تصنیفات و تالیفات میں زور قلم اور متانت بیان کا پورا لحاظ رکھتے تھے چنانچہ ایک طرف وہ اگر سیالکوٹ میں طلبائے علوم دینیہ کو قرآن و حدیث فقہ و فتاوی کی دولت سے مالامال کر رہے تھے تو دوسری طرف سالکان راہ طریقت کو تصوف و سلوک کے اسرار و رموز سمجھا رہے تھے سلطنت وقت کو دینی امور میں مشورے دیتے ہیں تو دوسری طرف مظلوموں اور حاجت مندوں کی ضروریات پوری کرنےکا انتظام کر رہے ہیں ان کا ذاتی کمالات ان کا تقوی نیز ان کا علمی بتحر معاصرین میں ان کے علمی مرتبہ و مقام کو متعین کرنے کے لئے کافی ہے ان کی علمی شہرت خود ان کی حیات ہی میں قسطنطنیہ - ایران وغیرہ ممالک تک پہنچ چکی تھی ۔ عربی نثر میں ان کی تحریریں بہت اہمیت کی حامل ہیں ان کا تصنیفی میدان بیشتر شروح و حواشی کا رہا اور اپنی تمام عمر درس و تدریس میں صرف کی ان کے علمی مقام کے بارے میں مولانا شبیر احمد خاں غوری یوں رقمطراز ہیں ـــ

But when after the death of Jahangir, Shahjahan ascended the throne, he took keen interest in the promotion of learning

and knowledge and began to patronize the scholars and divines of his country. His fame as patron of Science and literature reached even the distant corners of Persia and scholars of that country after completing their studies in Shriaz, came to India to avail the munificence of the Timurids, so much so, that Shiraz. The University town, of the then Iran, was generally regarded as a training centre of India. Nahawandi in his Maathir-i Rahimi quotes a certain physician who had heard in Persia that:

"شیراز مکتب خانہ ہندوستان است" (1)

ملا عبدالحکیم سیالکوٹی نے اپنی تمام عمر درس و تدریس اور تصنیف میں گذاری اور عہد اکبری میں اکبرآباد میں اس کے قائم کردہ مدرسے میں کافی عرصے تک مشہور و معروف شاعر قدسی کے ساتھ فرائض درس و تدریس انجام دیئے وہ، جیسا کہ عرض کیا گیا ہے علم کلام تفسیر بلاغت منطق و فلسفہ نحو اصول فقہ اور علم فرائض میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور ان تمام علوم میں ان کی کوئی نہ کوئی یادگار تصنیف ہے اگرچہ زیادہ تر معروف درسی کتابوں کے شروح و حواشی ہیں مگر اپنی تعلیقات و حواشی کی بنا پر وہ علمی دنیا میں مشہور و معروف ہیں اور ہندوستانی علما کی صف میں ایک اعلی و ارفع مقام پر فائز ہیں حافظ عبدالرحمان امرتسری نے اپنے سفرنامہ میں ان کی نسبت لکھا ہے ــــ

"مولوی صاحب شاہ جہاں بادشاہ کے زمانے میں زبردست عالم اور صاحب تصانیف گذرے ہیں آپ نواب سعد اللہ خاں وزیراعظم

---

(1) Journal of Research Society of Pakistan, Oct. 1964, p.52.

کے ہم سبق تھے عراق شام اور استنبول کی متعدد درسگاہوں میں مجھے آپ کی تصانیف داخل درس دیکھنے کا موقع ملا اگرچہ نواب سعداللہ خاں کو ہندوستان کی وزارت کا رتبہ حاصل ہے مگر ہندوستان سے باہر بلاد اسلامیہ میں علمی حیثیت سے جو شہرت مولوی عبدالحکیم کو حاصل ہے اسے کوئی مصنف حاصل نہیں کرسکا ۔" (2)

محمد صالح کنبوہ کا کہنا ہے ـــ

"بہ نیروی کمالات خدا داد و نہایت معرفت مبدا" و معاد برکتب معتبرہ کہ ہمگی از تصانیف استادان پادشاہ نیست حواشی خرد پسند معنی طراز بقلم آوردہ ۔" (3)

ملا عبدالحمید لاہوری لکھتے ہیں ـــ

"در فنون علوم بنام پادشاہ دانش نواز تصانیف رائقہ دارد" (4)

غلام علی آزاد بلگرامی ان کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں ـــ

" علامہ زماں و افتخار زمانیاں است الحق و در جمیع فنون درسی مثل او از زمین ہند بر نہ ساختت ۔" (5)

---

(2) سیاحت ہند لاہور ۔ حافظ عبدالرحمن امرتسری ص 60

(3) شاہ جہاں نامہ ج 3 محمد صالح کنبوہ ص - 376

(4) عبدالحمید لاہوری ۔ پادشاہ نامہ ج 1 حصہ 2 ص 340

(5) غلام علی آزاد بلگرامی ۔ مآثر الکرام ص 205

مولانا محمد ہاشم جو حضرت مجدد الف ثانی کے مریدوں میں سے تھے "زبدتہ المقامات" میں لکھتے ہیں کہ حضرت مجدد فرمایا کرتے تھے مولانا عبدالحکیم علوم عقلیہ و نقلیہ میں تصانیف عالیہ رکھتے ہیں اور اس وقت دیار ہند میں ان کا کوئی ثانی نہیں -

فقیر محمد جہلمی نے "حدائق الحنفیہ" میں لکھا ہے کہ علامہ سیالکوٹی بڑے عالم فاضل فقیہہ محدث و مفسر اور خصوصاً علم معقولات میں یگانہ آفاق اور صاحب تصانیف عالیہ تھے (6)

جس وقت مولانا عبدالحکیم نے جنم لیا پورے عالم اسلام پر جمود و انحطاط کا دور تھا اور علماء و مصنفین نے نئی نئی تخلیقات اور تصنیفات لکھنے کے بجائے اپنے آپ کو شروح و حواشی تک مقید کرلیا تھا لہذا ایسے حالات میں ہندوستانی علماء سے صرف اسی قدر ہمت کی توقع کی جاسکتی تھی اور وہ اس توقع پر حتی المقدور پورے بھی اترے اس وقت کے بڑے بڑے علماء عظیم المرتبت متقدمین میں فضلا کے فنون کی تشریح و توضیح ہی میں مصروف تھے اس لئے شروح و حواشی اس دور میں اس قدر نظر عتاب سے نہیں دیکھے جاتے تھے بقول منشی محمد الدین فوق ـــ

"اس کوشش اور کاوش میں بعض بزرگوں نے اپنا نصب العین اور زندگی کا مدعا ہی چمنستان علم کی نخل پیرائی اور مشکل کتابوں کی عقدہ کشائی کو قرار دیا ان رہنمایان وادی پرخار میں میر سید شریف جرجانی مولانا بحرالعلوم عبدالعلی لکھنوی

---

(6) دائرہ معارف اسلامیہ - اردو ص 837

ہمارے مخدوم مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی یا ہمارے قریب تر زمانے میں عبدالحلیم لکھنوی اور ان کے فرزند مولانا عبدالحئی لکھنوی صف اول میں جگہ پانے کے مستحق ہیں ان بزرگوں کی بدولت سینکڑوں قابل قدر بیش قیمت مگر مشکل تصانیف کے گراں بہا جواہر ریزے صاف و مجلا ہوکر ہم تک پہنچے اور اسلامی لٹریچر کی نفیس نعمتیں اور باریک و لطیف بحثیں قیام و استحکام کا خلعت پہن کر اور سلاست و سہولت کے زیور سے آراستہ ہوکر نابینا کو بینا اور بے دست و پا کو کارفرما بنانے کا باعث بنیں سمجھنے میں ہماری ہمت تصور کرے اور ہماری نظر سیر چشمی دکھائے تو چشمۂ آفتاب راچہ گناہ ۔" (7)

چنانچہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی جنھوں نے اپنے خون جگر سے گلستان علم کی آبیاری کی تھی اور در حقیقت وہ علمائے وقت کے بادشاہ اور تصانیف عالیہ کے مالک تھے ۔ ان کی شرحیں اور حاشیے ہمارے مکاتب کے انتہائی درجوں میں ابھی تک بڑی قدروقیمت سے دیکھے جاتے ہیں ۔ ان کے ذاتی کمالات اور علمی بتحر معاصرین میں ان کے مرتبہ و مقام کو متعین کرنے کے لئے کافی ہے ۔ ذیل میں تفصیل سے یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ ان کا علمی مرتبہ و مقام کیا ہے ۔

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی ایک استاذ کی حیثیت سے ـــــ

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ شاہ جہاں نے سیالکوٹ میں ایک بہت بڑی جاگیر عنایت کی تھی اور ذاتی آرام و آسائش کی زندگی گذارنے کے باوجود

---

(7) ماہنامہ ثقافت - جون 1967ء ص 15

انھوں نے اپنے شہر کے بسنے والوں اور مسافروں کی ضروریات سے کبھی چشم پوشی نہ کی چنانچہ علوم متداولہ سے فراغت کے بعد انھوں نے اپنے مولد و مسکن سیالکوٹ کو مسند درس بچھا کر زینت بخشی انھوں نے اپنی قیام گاہ کے قریب ھی ایک عظیم الشان مدرسہ اور مسجد تعمیر کی مدرسہ کی ترقی میں آپ کے انداز درس و تدریس اور طلباء کے ساتھ شفقت و محبت کا زیادہ اثر ھوا اور جب ان کے علمی تبحر اور فقہی بصیرت کا چرچا دور دور تک پھیل گیا تو طلبہ علوم دینیہ کا ایک سیل رواں تھا جو سیالکوٹ کی جانب بڑھا چلا آرھا تھا اور دیکھتے ھی دیکھتے وہ معمولی مدرسہ چند سالوں میں آج کی اصطلاح میں یونیورسٹی کی شکل اختیار کرگیا ۔ اس میں نہ صرف ھندوستان بلکہ بیرون ھند سے بھی طلبہ کی ایک کثیر تعداد ھر وقت موجود رھا کرتی تھی اس عظیم الشان مدرسہ میں طلبہ کو مفت تعلیم دی جاتی تھی اور ان کی روزمرہ کی تمام ضروریات بھی مولانا خود ھی پوری کرتے تھے ۔ مدرسہ سے ان کو غیر معمولی محبت تھی اسی کو وہ اپنی امیدوں کا مرکز اور تمناؤں کا حاصل سمجھتے تھے ۔

ملا سیالکوٹی اس مدرسہ کے استاد کی حیثیت سے نہ صرف یہ کہ طلباء کو علوم متداولہ کا درس دیتے تھے ۔ بلکہ ان کی اخلاقی تربیت کا بھی پورا خیال رکھتے تھے ۔ انھوں نے کبھی بھی دور دراز سے آئے ھوئے بچوں کا اس حیثیت سے کوئی نقصان نہیں کیا کہ تعلیم کے دوران مدرسہ چھوڑ کر باھر چلے جائیں ایک استادکاجو مقام اور اس کی جو ذمہ داریاں ھوتی ھیں ھم ان کو مکمل طور پر ملا سیالکوٹی کی ذات میں پاتے ھیں ۔

استاد کی کامیابی کا پتہ اس کے شاگردوں سے بھی لگایا جاسکتا ھے کہ اس سے فیض یاب ھوکر جو لوگ نکلے خود ان کا علمی پایہ کتنا بلند تھا یا انھوں

نے عوام و خواص کے درمیان اپنا کیا مقام بنایا تھا ۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ استاد جس ذوق کے حامل تھے شاگردوں نے اس کا کتنا اثر قبول کیا ہے اور اس شاہراہ پر کس قدر چلے ہیں جس پر استاد محترم چلتے رہے تھے یہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں ہم ملا سیالکوٹی کی پوری تصویر دیکھ سکتے ہیں اس نقطہ نظر سے ملا سیالکوٹی کے تلامذہ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ان میں اگر ایک طرف ملا محمد افضل جونپوری ہیں تو دوسری طرف شیخ عبدالعزیز اکبرآبادی اور مولوی محمد معظم وغیرہ ہیں جنھوں نے استاذ کی تربیت سے استفادہ کرکے نہ صرف منصب افتاء کو زینت بخشی بلکہ زہد و تقوی اور تحقیقی صلاحیتوں سے عوام و خواص دونوں کو یکساں فائدہ پہنچایا ۔ میر سید اسماعیل بلگرامی نے کتب درسیہ میں مہارت تامہ انھیں کی تربیت میں حاصل کی تھی اور استاد کا جو رنگ تھا اس میں وہ پورے طور پر رنگ چکے تھے چنانچہ ان کی شہرت ایک فقیہہ کی حیثیت سے ہے اور اس کے علاوہ طلبۂ علم کی ایک کثیر تعداد نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ۔ اس کے علاوہ مولوی محمد معظم ساکن بٹنہ کی تربیت اور ان کے علمی و مذہبی ذوق کو جلا ملا سیالکوٹی کی مرہون منت ہے آپ سے انھوں نے تفسیر حدیث فقہ غرضیکہ تمام علوم دینیہ میں اپنے ہمعصروں پر گوئے سبقت لے گئے اور یہی نہیں بلکہ انھیں قرآن مجید مع تفسیر بیضاوی حفظ تھا ۔ ان کے دیگر تلامذہ کی خدمات اور علمی کارناموں سے ہمیں یہ ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کے استاد کی علمی حیثیت کیا تھی اور ان کا علمی مرتبہ و مقام کس قدر بلند تھا ۔ دراصل ایک استاذ کی حیثیت سے انھوں نے اپنے شاگردوں کو معاشرے کی علمی سطح سے اوپر اٹھانے کی جدوجہد کی اور یہ ایک حقیقت ہے کہ وہ اپنی اس جدوجہد میں بڑی حد تک کامیاب رہے اپنے طلبۂ میں انھوں نے

وہی علمی ذوق پیدا کرنے کی کوشش کی جو خود ان کو فطرت کی طرف سے ملا تھا بدقسمتی سے ان کے تلامذہ کی پوری فہرست دستیاب نہیں ہوسکی ورنہ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ اس عالم بے بدل نے عمر عزیز کا قیمتی حصہ صرف کرکے امت کے دامن کو کیسے کیسے لعل و جواہر سے پر کیا ہے اور قال اللہ و قال الرسول کی جو صدا ایک طویل عرصے تک سیالکوٹ میں گونجتی رہی اس کی عطر بیزیاں نسل در نسل منتقل ہوتی ہوئی کہاں تک پہنچی ہیں ۔

دربار اکبری و جہانگیری دنیا کی دولت اور شاہانہ طمطراق کے ساتھ سامنے استقبال کو کھڑا تھا اور ملا سیالکوٹی کو بار بار دعوت مل رہی تھی کہ اپنی عزت و شوکت کو اگر بڑھانا چاہتے ہو تو آؤ اسی رنگ میں رنگ جاؤ اور دنیاوی وجاہت سے مالا مال ہوکر معاشرے میں اس حیثیت سے اپنا مقام پیدا کرو مگر اس درویش صفت صوفی متبحر عالم نے کبھی اس دنیائے فانی اور اس کی زوال پذیر نعمتوں کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا اور ہمیشہ اپنی سادگی اور متوسط طرز زندگی پر قانع رہے چنانچہ اس بات سے متاثر ہوکر جہانگیر نے ان کو جاگیر بخشی کہ وہ اپنے روزانہ معمولات سے بےفکر ہوکر دین کی خدمت کرسکیں مگر بعد میں عہد شاہ جہانی میں وہ اپنی متبحر علمی کر بنا پر شاہی دربار سے منسلک ہوگئے اور شاہ جہاں بھی ان کو ان کی علمی خدمات کے صلے میں خوب نوازتا تھا ۔

مولانا سیالکوٹی ایک مصنف کی حیثیت سے ـــــ

درس و تدریس کی مصروف ترین زندگی گذارنے اور عوام و خواص ہر دو حلقے سے گہرے مراسم قائم ہونے اور ان سے برابر تبادلۂ خیالات ہوتے رہنے

کے باوجود عبدالحکیم سیالکوٹی تصنیفی و تحقیقی ذوق بھی رکھتے تھے دیگر مشغولیات کے ساتھ تصنیفی کام بہت کم مشکل کام ہے اس میں بڑی جانکاہی اور عرق ریزی کی ضروریات پڑتی ہے تالیف و تصنیف کا کام جس ذہنی سکون اور قلبی اطمینان کا طالب ہے وہ عوامی زندگی گزارنے والے شخص کو بہت کم میسر ہوتا ہے لیکن مولانا صاحب کی شخصیت اس حیثیت سے بھی منفرد ہے زندگی کے قیمتی اوقات طلبہ کے ساتھ گذارنے اور حکومت وقت سے خصوصی مراسم ہونے کی وجہ سے دارالسلطنت بھی آتے جاتے رہے تاہم انھوں نے اپنی اس فطری خصوصیت کو جو تصنیف کے لئے اللہ نے ان کے اندر پیدا کی تھی ضائع نہیں ہونے دیا بلکہ ابتدا ہی سے اس میدان میں کام کرتے رہے ۔ تصنیفی میدان میں جب ہم ان کو دیکھتے ہیں تو ایسا نہیں ہے کہ صرف ایک موضوع پر کسی ایک شعبہ میں اشہب قلم دوڑا رہے ہوں بلکہ ان کے تگ و تاز کا محور متعدد موضوعات ہیں اور ہر موضوع پر پورے اعتماد کے ساتھ لکھتے ہیں کسی بھی تصنیف سے یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ ان کو اس سے کچھ کم لگاؤ تھا ۔ فن تفسیر میں مولانا عبدالحکیم نے "تفسیر بیضاوی" پر حاشیہ لکھا ۔ اگرچہ ہندوستان میں تفسیر بیضاوی پر بہت سی شروح و حواشی لکھے گئے مگر ان کا حاشیہ سب سے زیادہ مشہور ہے اور اس کا مطالعہ بہ نسبت دوسرے مشروح و حواشی کے سب سے زیادہ کیا جاتا ہے تفسیر بیضاوی کا اہم ترین حصہ وہ ہے جو ابتدائی سورتوں البقرہ آل عمران سے متعلق ہے چنانچہ مولانا عبدالحکیم نے بھی اسی حصہ تفسیر پر حاشیہ لکھا مگر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس کو پایہ تکمیل تک پہنچاسکے چنانچہ ان کا یہ حاشیہ دوسرے پارے کے 3/4 حصے تک موجود ہے۔ یہ حاشیہ اسقدر مقبول ہوا کہ تین سو سال گذرنے کے باوجود آج بھی عربی مدارس میں

شامل نصاب ہے اس کے علاوہ دیگر علوم اسلامیہ پر بھی انھوں نے اپنی گرانقدر تصنیفات چھوڑی ہیں اور جن کی علمی خدمات سے انکار نہیں کیا جاسکتا ۔ اس طرح ہم مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کو جب ایک مصنف کی حیثیت سے دیکھتے ہیں تو ان کا علمی مرتبہ ومقام بہت بلند نظر آتا ہے ۔ تصنیفی سلسلے کی کڑیاں ان کی وہ خدمات ہی ہیں جو انھوں نے اپنے اجداد کی علمی کتابوں کی تہذیب و تنقیح کرکے انجام دی ہیں ۔

مولانا عبدالحکیم ایک مفسر کی حیثیت سے ـــ

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کی شہرت دیگر حیثیات کے علاوہ ایک مفسر کی حیثیت سے بھی ممتاز ہے تفسیری خدمات میں جہاں انھوں نے ایک طویل عرصے تک طالبان علوم نبوت کو قرآنی علوم سے فائدہ پہنچایا ہے تو دوسری طرف قرآن پاک کی ان آیات کی تفسیر لکھ کر جن سے بہت سے اشد ضروری مسائل مستنبط ہیں اپنے موضوع پر متفرد تفسیر تیار کی ۔ مولانا سیالکوٹی کا طریقہ تفسیر بھی ان کی علمی حیثیت کو اجاگر کرتا ہے نہایت سلجھے ہوئے اسلوب اور مسائل و احکام کو بتدریج بیان کرکے مسئلہ کو بالکل واضح کردیتے ہیں کسی بھی مسئلہ میں کوئی بھی خفا یا پیچیدگی باقی نہیں رہتی ۔ المحبّی نے بڑے زوردار الفاظ میں مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے حاشیے کی تحسین کی ہے ۔ وہ لکھتے ہیں ـــ

"حاشیته علی تفسیر البیضاوی علی بعض سوره البقرته رائیتها و طالعت فیها ابحاثاً دقیقته ۔" (8)

اسی حاشیہ کی حسب ذیل خصوصیات ہیں ۔

---

(8) المحبّی ۔ خلاصۃ الاثر جز ثانی ص 318

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے تفسیر بیضاوی کے مشکل الفاظ و محاورات کی نحوی اور لغوی تشریح و توضیح کرتے ہیں ۔ غیر واضح اور مغلق جملوں کی وضاحت و صراحت کی گئی ہے ان حواشی کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ علامہ سیالکوٹی حنفی ہونے کی حیثیت سے اپنے مکتب فکر کے تمام دلائل و شواہد کا پورا پورا دفاع کرتے ہیں جبکہ علامہ بیضاوی شافعی مکتب کے پیروکار ہیں چنانچہ فقہ حنفی سے وابستگی کی بنا پر جب وہ اختلافی مسائل پر قلم اٹھاتے ہیں تو ان کی وسعت معلومات کا اندازہ ہوتا ہے ائمہ اربعہ کے اقوال اور ان کے دلائل کا تذکرہ خاص طور سے امام شافعی کے اقوال اور ان کے دلائل کا تذکرہ بالتفصیل کرتے ہیں اور اقوال و دلائل کا ذکر اس ترتیب سے کرتے ہیں کہ ایک لمحہ کے لئے قاری حیران رہ جاتا ہے کہ یہ تو امام اعظم کا کوئی مخالف ان پر اعتراضات کی بوچھار کر رہا ہے لیکن جب ان اعتراضات کا جواب دیتے ہیں تو تمام شبہات رفع ہو جاتے ہیں اور مذہب امام ابو حنیفہ سامنے آجاتا ہے ملا عبدالحکیم نے تفسیر بیضاوی میں بیان کردہ احادیث کا جائزہ لے کر ان احادیث کی سند بیان کی ہے جو علامہ بیضاوی نے چھوڑ دی تھیں اور جن کی طرف انھوں نے محض مختصراً اشارہ کیا تھا ان کا پورا پورا متن لکھا ہے ۔ مولانا سیالکوٹی کی یہ تفسیر اپنی جامعیت وسعت سلاست اور موضوع کے لحاظ سے صحیح معنوں میں برصغیر کی پہلی کتاب ہے کیونکہ اس سے قبل اور اس کے بعد بھی بہت سی تفسیریں لکھی گئیں ان میں وہ بات نہیں تھی جو اس کتاب میں موجود ہے یہ مطبوعہ ہے ۔ ہندوستان کے علاوہ استنبول ۔ ترکی میں بھی شائع ہوچکی ہے فن تفسیر میں مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کی دوسری تالیف زمخشری کی "الکشاف" کا حاشیہ ہے جس کا مخطوطہ رام پور میں موجود ہے اور ابھی تک شائع نہیں ہوا ہے۔

اصول فقہ کے ماہر کی حیثیت سے ـــــ

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کی شہرت ایک اصولی کی حیثیت سے بھی بہت زیادہ ہے فقہ کے موضوع پر ان کے دو مشہور حواشی "حاشیہ علی التلویح" اور "حاشیہ علی الحسامی" نے ان کو حیات جاوداں عطا کردی ہے ۔

"تلویح توضیح" اصول فقہ کی بڑی مستند کتاب ہے اس کا متن "تنقیح الاصول" علامہ صدر الشریعہ کی تصنیف ہے بعد میں انھوں نے اس پر "التوضیح فی حل غوامض التنقیح" کے عنوان سے شرح لکھی جس پر آٹھویں صدی کے وسط میں تفتازانی نے "تلویح" کے نام سے حاشیہ لکھا اور کچھ دن بعد یہی حاشیہ اصول فقہ کی مستند کتاب کی حیثیت سے مدارس کے اعلی نصاب میں داخل ہوگیا اور کم از کم ہندوستان میں آج کے دن تک داخل ہے "تلویح توضیح" کا سب سے اہم حصہ "مقدمات اربعہ" ہیں جو "حسن و قبح افعال" کے مسئلہ کی توضیح میں صدرالشریعہ کا خصوصی کارنامہ گنے جاتے ہیں چنانچہ اس کی ندرت کے پیش نظر حواشی نویسی دیگر مغلقات "تلویح" کے ساتھ ان مقدمات اربعہ کی شرح و تفسیر بھی کرتے رہے مگر بعد میں اس کی جلالت شان کے پیش نظر علماء نے مستقلاً اسے بحث و تمحیص کا موضوع بنادیا ۔ ہندوستانی علماء نے عموماً پوری "تلویح توضیح" پر حواشی لکھے مگر مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی اس باب میں منفرد ہیں انھوں نے اس کے صرف "مقدمات اربعہ" کو ہی اپنی کاوش فکر کا موضوع بنایا ۔

اس کے علاوہ ان کے علمی مرتبہ و مقام کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی تمام کتب خواہ کسی بھی موضوع پر ہوں اپنی معلومات اور انداز بیان کے اعتبار سے بےنظیر ہیں اور تین صدیاں گذرنے کے باوجود قدیم

یا جدید کتابوں میں سے کوئی بھی ان کا بدل نہ بن سکیں ۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ کتنی گہرائی سے مولانا صاحب نے ان تصنیفات کا جائزہ لیا ہے اور کتنی باریک بینی سے ان کے شروح و حواشی تحریر کئے ہیں ۔ مثال کے طور پر علم کلام کی دو مشہور کتابیں "العقائد النسفیہ" اور "العقائد العضدیہ" ہیں یہ دونوں کتابیں مع متون و حواشی علم کلام کی بیش بہا دولت ہیں اور درسگاہوں میں ان کا مطالعہ فن کا ایک ضروری جز سمجھا جاتا ہے اور بہت سے علماء نے ان کی بےشمار شرحیں اور ان پر حاشیے لکھے ۔ مولانا سیالکوٹی نے بھی ان دونوں شرحوں کی مزید تشریح و توضیح کی طرف توجہ دی اور سچی بات یہ ہے کہ اس کا پورا پورا حق ادا کردیا ۔ جہاں تک شرح عقائد نسفی کا تعلق ہے انھوں نے مولانا احمد بن موسی الخیالی کی شرح پر شرح تفتا زانی پر حواشی لکھے ہیں خیالی کی شرح کے اگرچہ بہت سے حواشی لکھے گئے لیکن مولانا عبد الحکیم کا "حاشیہ خیالی" سب سے بہتر سمجھا جاتا ہے اس میں انھوں نے تمام مشکل مقامات کو اس طرح حل کیا ہے کہ طلبہ کے لئے خیالی کو سمجھنا نہایت آسان ہو گیا ہے کسی نے کہا ہے ؎

خیالات خیالی بس عظیم است

برائے حل او عبد الحکیم است

اس کے علاوہ عقائد عضدیہ کے حواشی انھوں نے علامہ دوانی کی شرح پر تحریر کئے ہیں ۔ عضد الدین الایجی ہی کی ایک مشہور زمانہ تصنیف المواقف ہے اس پر بھی بے شمار شرحیں لکھی گئیں مگر ہندوستانی علماء میں صرف مولانا عبد الحکیم ہی ہیں جن کا نام اس تالیف کی عمدگی و برتری کا بذات خود ضامن ہے اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا سیالکوٹی نے ان حواشی کا کتنی گہرائی سے

جائزہ لیا ہے اور کتنی باریک بینی سے ان کی شرح فرمائی ہے اس سے جہاں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف کی نگاہ بہت تیز ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی علمی سطح کتنی بلند ہے ۔ مثال کے طور پر خود مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی حواشی خیالی پر تبصرے کے بعد فرماتے ہیں ــــ

"فصرت برهته من عنفوان الشباب فی حل مبانیه و انتهبت فرصته عن اعین الزمان لتحقیق معانیه ..... فحققت مقاصده و بینت مصادره و موارده ..... مجیباً عن شبهته الناظرین فجاء بحمد الله تعالی موافقاً للمامول و تم بعون الله تعالی مطابقاً للمسئول ۔"

یا "شرح المواقف" کے مقدمہ میں ملا سیالکوٹی فرماتے ہیں کہ انھوں نے اسے اپنے صاحبزادے مولانا عبداللہ لبیب کے لئے جب وہ اس کتاب کو ان سے پڑھتے تھے لکھا تھا فرماتے ہیں ــــ

"هذه فوائد بل فرائد علّقتها علی شرح المواقف لسید المحققین و افضل المدققین عند قراته قرته العین لهذا الغریب عبدالله الملقب باللبیب تذکره للاحباب و تحفته للاصحاب وعدته لیوم الحساب و انا الفقیر المتمسک بالحبل المتین عبدالحکیم بن الشیخ شمس الدین ۔" (9)

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے علمی مرتبہ و مقام کے تعین کے سلسلے میں ان کی نحوی و صرفی معلومات بھی کچھ کم اہمیت نہیں رکھتی ہیں بلکہ اس لحاظ سے

---

(9) المعارف لاہور ۔ اپریل 1968ء ص 26 - 33

ان کا مقام بہت بلند نظر آتا ہے الفاظ کی تشریح میں افعال کے تغیرات و تصریفات کی جو اہمیت ہے اس سے سبھی واقف ہیں اس موضوع پر بھی انھوں نے بہت سے معروف درسی جن میں حاشیہ علی المطول ۔ حاشیہ علی حاشیہ عبد الغفور۔ تکملہ حاشیہ عبد الغفور علی شرح الجامی اور حاشیہ شرح مراح الارواح وغیرہ پر حواشی لکھے ہیں ۔ ملا صاحب نے ان کتب میں نحو و صرف کا بدرجہ اتم خیال رکھا ہے ۔ انھوں نے الفاظ کے اشتقاق وغیرہ سے بھی بحث کی ہے اور ان سے جو مختلف معانی پیدا ہوتے ہیں ان کا بالتفصیل تذکرہ کیا ہے ۔

ان تمام مباحث سے پتہ چلتا ہے کہ نحو و صرف اور ان کے لواحقات پر مولانا سیالکوٹی کی نظر کتنی وسیع تھی اور ان کو ان مباحث پر کتنا عبور حاصل تھا نحو و صرف کے ایک ماہر کا جو اندازہ و اسلوب بیان ہوتا ہے وہ ان کی تمام تحریروں میں نمایاں ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جہاں وہ متبحر عالم دین فقیہہ اور اصولی تھے ۔

ایک ادیب کی حیثیت سے ـــــ

زبان و بیان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور نہ اس کی اس حیثیت کا انکار کیا جاسکتا ہے کہ اس کی فصاحت و بلاغت شستگی و روانی اور برجستگی سے مخاطب اور قاری پر براہ راست اثر ہوتا ہے اور جو بات بھی ان خوبیوں سے آراستہ کرکے پیش کی جائے گی اس کا وزن بھی محسوس کیا جائےگا ادب کی اس حقیقت سے ہر صاحب ذوق واقف ہے ۔

مولانا سیالکوٹی کی تحریروں کا مطالعہ جب ہم اس حیثیت سے کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک مفسر مجتہد اور اصول فقہ علم کلام و فلسفہ کے

ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ زبان و ادب کے نشیب و فراز سے واقف بھی تھے ۔ اور اس کی نوک پلک سنوار کر اپنی بات کو خوبصورت انداز سے پیش کرنے کا ملکہ بھی ان کو وہبی طور پر ملا تھا ۔

جب ہندوستانی مسلمان عہد اکبری اور کسی حد تک عہد جہانگیری میں دینی لحاظ سے تباہ و برباد اور الحاد و بےدینی کی پستی کے گڑھے میں پڑے تھے اور ان کو سہارا دینے والا کوئی نہ تھا تو مولانا سیالکوٹی کی طبیعت میں بے چینی پیدا ہوئی اور انھوں نے اس وقت کی تمام درسی کتب کو آسان سے آسان ترین بنانے کا تہیہ کر لیا اور اپنی عمر صرف تدریس و تالیف کے لئے وقف کردی ۔ تاریخ پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی حالت جب زیادہ خراب ہوگئی تو ان کے خواجہ تاش شیخ احمد سرہندی نے بیانگ دہل اکبری کفر و الحاد کے خلاف محاذ تیار کیا اور درس و تدریس کے ذریعہ مسلمان قوم کو بیدار کرنے کی کوشش کی ۔ اور اسلامی ہند کی تاریخ کے قدیم دھاروں کو موڑ کر نئی راہوں سے آشنا کرایا ۔ ان کی شخصیت بڑی ہمہ گیر اور پہلو دار تھی ۔ انھوں نے تقریباً ہر شعبے میں غیر فانی نقوش چھوڑے ہیں وہ مسلمانوں کے سچے بہی خواہ تھے اور اپنی تحریروں سے ہندوستان کے وقار کو بام عروج پر پہنچا دیا ۔ یوں تو انھوں نے بےشمار کتب تحریر کی ہیں اوران سب میں ان کی انفرادیت نظر آتی ہے ان کی نثر کا حسن اس کی سادگی اور دلآویزی میں مضمر ہے ۔

مولانا عبدالحکیم کو مرحوم ہوئے صدیاں گذر چکی ہیں اور تفسیر بیضاوی سمیت ان کی تمام تصانیف کو بھی۔ مگر ہندوستان کی ادبی زندگی سے ان کی شخصیت کا رشتہ ابھی تک نہیں ٹوٹا ہے ۔ اصل میں وہ بنیادی طور پر ہی مصنف تھے اور تدریس و تصنیف کے لئے ہی پیدا کئے گئے تھے اور اسی ذریعہ سے

انھوں نے اپنی پہچان بھی کروائی -

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں گذر چکا ہے کہ وہ اپنے وقت کی نابغہ روزگار ہستی تھے ان کی فکر کا محور تفسیر حدیث قرآن فقہ منطق و فلسفہ وغیرہ تھا - کون نہیں جانتا کہ "حاشیہ تفسیر بیضاوی" ان کی ایسی کتاب ہے جس کی طرف زمانہ قدیم میں ہی نہیں بلکہ ہر عہد میں بار بار رجوع کرنا پڑے گا - قرآن کریم کا گہرا مطالعہ یوں تو ہماری مستحسن روائیتوں کا ایک اٹوٹ سلسلہ ہے لیکن ہم اس سے واقف ہیں کہ صرف پہلے دو پاروں کی تفسیر کے ضمن میں موصوف نے جتنے اور جیسے جیسے ہفت خواں طے کئے ہیں ان کی نظیرملنا مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہے - میں اگلی پچھلی تفاسیر کی اہمیت کم نہیں کرنا چاہتی اور نہ ہی ان سے اس حاشیہ کا موازنہ و مقابلہ مقصود ہے بلکہ میری مراد صرف یہ ہے کہ قرآن کریم وہ کتاب ہے جس میں کائنات اور اس کے متعلقات کے اہم اور غیر اہم تمام معاملوں اور زندگی کے تمام پہلوؤں پر نہ صرف روشنی ڈالی گئی ہے بلکہ ہمیشہ کے لئے تمام مسائل حل کردیئے گئے ہیں ایسے میں وہ جو اس کے تمام رموز و نکات کی تفہیم کی سعی میں مصروف ہو اور اس کا مطالعہ دلیل و برہان کی راہوں سے گذرتا ہو تو اسے ایک بلند پایہ مفکر بنانے میں کون سی چیز مانع ہو سکتی ہے اگرچہ ان کا یہ حاشیہ مکمل نہیں ہے مگر پھر بھی اپنے اندر ایک جہان معنی رکھے ہوئے ہے - مولانا صاحب کی تمام تصانیف موضوع کے اعتبار سے خشک کہی جاسکتی ہیں لیکن ایک کہنہ مشق ادیب کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کو نہایت سلجھے ہوئے انداز میں بیان کردیا ہے - فنی کمالات میں لاجواب ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی کتب عربی ادب کا ایک شاہکار ہیں ان کی عبارات میں ایسی سلاست

اور دلفریبی ہے کہ زمانہ حال کے ماہرین ادب اس کے مثل ایک صفحہ بھی پیش کرنے سے قاصر ہیں ۔

انھوں نے اپنی تحریروں کو متن کے ساتھ اس کمال مہارت سے پیوست کردیا ہے کہ دونوں مل کر ایک جامع تصنیف معلوم ہوتی ہیں اور اگر متن سے علامت متن کو ہٹا دیا جائے تو شرح کے بجائے ایک مستقل کتاب کا گمان ہونے لگتا ہے فصاحت و بلاغت کا اعلی معیار جو شروع میں قائم فرمایا تو اخیر کتاب تک اس میں کوئی فرق نہیں آنے دیتے ان کی تحریریں صرف و نحو اشتقاق اور فن ادب کے جملہ ابواب کو اپنے جلو میں لئے ہوئے ہیں لہذا ان کی کتب اسم بامسمٰی اور روشنیوں کا مینار ہیں ان کی عبارت میں جو روانی ہے وہ ہر سطر میں نمایاں ہے اس کے ساتھ ساتھ جامعیت بھی ان میں پائی جاتی ہے مخالف کے نقطہ نظر کی ترجمانی اور پھر اپنے موقف کو مدلل کرنا اور اس کے باوجود کسی طرح کا الجھاؤ عبارت میں پیدا نہ ہونے دینا وغیرہ خصوصیات ان کی ہر تصنیف میں ظاہر ہیں انھوں نے اپنی تحریر کی شگفتگی میں کہیں فرق نہیں آنے دیا ایسا لگتا ہے کہ مصنف کا قلم جب ایک موضوع پر اٹھا ہے تو مسلسل چلتا رہا ہے اور یکسانیت کا پورا لحاظ رکھا گیاہے ۔ ملا صاحب کی زیادہ تر کتب اب ناپید ہو چکی ہیں ورنہ ان کی ادبی بصیرت کا اس سے بخوبی اندازہ ہوجاتا ۔

ادیب کچھ فطری صلاحتیں لیکر ہی پیدا ہوتا ہے ذوق و وجدان میں کسی سے زیادہ وہبی علم کا اثر ہوتا ہے ۔

ادب میں جہاں الفاظ و تراکیب کے دروبست دیکھے جاتے ہیں وہاں معانی و مفاہیم پر بھی نظر رکھی جاتی ہے حسن ترتیب انداز بیان اور

مدلل طرز تحریر سے معانی میں جو گہرائی پیدا ہوتی ہے اس سے ہر صاحب ذوق واقف ہے ۔ ملا سیالکوٹی کی تحریروں میں الفاظ کی جملہ خوبیوں کے ساتھ ساتھ معانی کی تمام خوبیاں بھی پائی جاتی ہیں ۔ وہ اپنے انداز بیان اور غور و فکر سے اپنا مدعا ظاہر کرتے جاتے ہیں اور سننے اور سمجھنے والا مطمئن ہو جاتا ہے ۔ بیشتر مسائل میں علماء کے اختلاف کی پہلے تصریح کرتے ہیں ان کا آرا نقل کرتے ہیں پھر ان پر عالمانہ بحث کے بعد مرجع جات کو شرح و بسط کے ساتھ مدلل کردیتے ہیں ۔ ان کا یہ انداز بیان ان کے بلند علمی مرتبہ کا مدلل ثبوت ہے اور معاصرین میں ان کا مقام ان تمام حیثیتوں سے کافی بلند ہے ان کی یہ کتب جہاں اپنے موضوع میں منفرد ہیں وہیں ان کا انداز و اسلوب بیان بھی جداگانہ حیثیت کا حامل ہے ۔

مجموعی طور پر ایک مفکر کی حیثیت سے مولانا نے قرآن کریم اور حدیث کی بنیادوں پر زندگی کی تعمیر کا نقشہ مرتب فرمایا ہے ویسے تو زندگی کے مختلف پہلوؤں سے متعلق ان کا نقطہ نظر تفصیل کے ساتھ ان کی تمام نگارشات میں پھیلا ہوا ہے لیکن اپنے مطالعہ کی روشنی میں جو نکات نظر آتے ہیں ان میں نیکی کا حکم برائی سے انکار صبر کی وصیت دوستی و دشمنی صرف اللہ کے لئے سچائی کے راستے میں سوائے خدا کے کسی سے نہ ڈرنا خوف شریعت کے ہر حکم کی اطاعت وغیرہ قابل ذکر ہیں ۔ ان نکات کا بغور مطالعہ اس بات کا احساس دلاتا ہے کہ ملا سیالکوٹی کی زندگی میں وہی باتیں شامل ہیں جو قرآن و حدیث یا فقہ کی کتب میں تفصیل سے ملتی ہیں ۔ ان کی زندگی ایک کھلی

ہوئی کتاب کی مانند ہے جس کا ہر ورق تصنیفی و تدریسی سر گرمیوں سے بھرا ہوا ہے ۔

مندرجہ بالا سطور میں مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے علمی مرتبہ و مقام کے تعین کے لئے ہم نے ان کی شخصیت کا مطالعہ جن مختلف پہلوؤں سے کیا ان سے بآسانی یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ واقعی ہر حیثیت سے ان کا علمی مقام بہت بلند ہے کبھی وہ ایک مشفق استاد کی حیثیت سے۔کبھی ایک ماہر ادیب ، فلسفی اور مفکر کی حیثیت سے ہمارے سامنے آتے ہیں اور کبھی وہ مجتہد کی طرح احکام قرآنی کی تشریح و تفسیر فرماتے ہیں تو کبھی نحوی و صرفی مسائل پر نہایت اعتماد سے گفتگو فرماتے ہیں مگر یہ گفتگو بےجان نہیں ہوتی بلکہ زبان و ادب کی جملہ نزاکتوں سے سنوار کر مخاطب کے سامنے پیش کی جاتی ہے ۔

مآخذ ومراجع :

مـــــاخـــذات

عـــربی کتب ـــ

1 - ابجد العلوم - نواب صدیق حسن خان (م - 1307ء) بھوپال 1296ھ

2 - الثقافته الاسلامیته فی الھند - سید عبدالحئی الحسنی - اطبقته الاولی دمشق 1377ھ/1958ء

3 - الاعلام - ج الرابع - خیر الدین الزرکلی - اطبع التاسع تشرین الثانی نومبر 1990ء - دارالعلم للملایین - بیروت لبنان

4 - خلاصته الاثر - جز الثانی - المحبّی

5 - رجال السند والھند - قاضی اطھر مبارکپوری - مطبع حجازیه 1958ء

6 - سبحته المرجان - سید غلام علی آزاد بلگرامی

7 - کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون مصطفی بن عبداللہ حاجی خلیفه استنبول 1360ھ/1941ء

8 - معجم المولّفین - عمر رضا کحاله - الجزالخامس - 1377ھ/1908ء مطبه الشرقی بدمشق المکتبه العربیه بدمشق

9 - معجم البلدان - یاقوت الحموی - بیروت 1955ء/1323ھ

10 - نزھته الخواطر و بھجته المسامع و النواظر - علامه عبدالحئی بن فخرالدین الجزالخامس - مطبع مجلس دائره المعارف العثمانیه حیدرآباد 1947ء

11 - هدیته العارفین - اسماعیل پاشا البغدادی - جلد اول استانبول 1951ء

فارسی کتب —

1 - اخبارالاخیار - شاه عبدالحق محدث دهلوی - 1309ھ دهلی

2 - اقبال نامه جہانگیری - معتمد خان 1865ء - ایشیاٹک سوسائٹی بنگال طبع کردہ کلکتہ -

3 - بادشاہ نامہ - عبدالحمید لاہوری - جلد دوم 1868ء ایشیاٹک سوسائٹی بنگال

4 - تصفیہ شرح تسویہ - مولانا شاہ علی انور قلندر کاکوری مطبوعہ 1343ء

5 - عمل صالح - محمد صالح کنبوہ - جلد سوم - طبع دوم - فروری 1972ء کلب روڈ لاہور -

6 - مآثر الکرام - میر غلام علی آزاد بلگرامی - دفتر اول - 1910ء/1327ھ

7 - مآثر الامراء - جلد 2 شاہ نواز خان - آگرہ

8 - مرآتہ العالم - بختاور خان

9 - مکتوبات شاہ محب اللہ الہ آبادی - آزاد لائبریری سبحان اللہ کلشن مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

10 - منتخب التواریخ - عبدالقادر بدایونی - در کالج پریس طبع شد -

11 - خزینتہ الاصفیاء - غلام سرور چشتی لکھنؤ

اردو کتب —

1 - اخبار الاخیار - شیخ عبدالحق محدث دہلوی - مترجم مولانا اقبال الدین مطبوعہ - انٹر نیشنل پریس کراچی

2 - اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں - مولانا عبد الحئی - مترجم مولانا ابوالعرفان ندوی - ناشر دارالمصنفین اعظم گڑھ یو پی

3 - اودھ کے چند عربی علما - ڈاکٹر مسعود انور علوی کا کوروی - 1995ء - کتب خانہ انوریہ تکیہ شریف کاظمیہ کاکوری لکھنؤ

4 - باحوال المصنفین - مولانا محمد حنیف گنگوہی - 1389ھ/1949ء دیو بند یو - پی

5 - بزم تیموریہ - سید صلح الدین عبدالرحمن - 1367ھ/ 1947ء مطبع معارف اعظم گڑھ

6 - تاریخ جہانگیر - ڈاکٹر بینی پرشاد - مترجم رحم علی ہاشمی دہلی

7 - تاریخ تفسیر و مفسرین - ظام احمد حریری - 1985ء تاج کمپنی ترکمان گیٹ - دہلی

8 - تاریخ شاہ جہاں - بنارسی پرشاد سکسینہ - مترجم ڈاکٹر سید اعجاز حسین - ترقی اردو بیورو - نئی دہلی

9 - تاریخ دعوت و عزیمت - مولانا سید ابوالحسن علی ندوی - جلد اول 1400ھ/1980ء - حصہ چہارم دارالعلوم ندوتہ العلماء لکھنؤ

10 - تاریخ سلاطین شرقی و اولیائے جونپور - سید اقبال احمد جونپوری جلد دوم - شیراز پبلشنگ ہاؤس - یو- پی

11 - تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند - سید فیاض محمود و پروفیسر عبدالقیوم - جلد دوم - 1972ء - پنجاب یونیورسٹی لاہور-

12 - تاریخ صوفیائے گجرات - ڈاکٹر ظہور الحسن شارب - جنوری 1981ء
ناشر جمیل اکیڈمی احمد آباد گجرات

13 - تاریخ سندھ - ابو ظفر ندوی - دارالمصنفین اعظم گڑھ 1970ء

14 - تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت - سید ہاشمی فرید آبادی
انجمن ترقی اردو پاکستان

15 - تذکرہ علمائے ہند - مولوی رحمان علی - مترجم محمد ایوب قادری
1961ء - پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی

16 - تذکرہ علماء و مشائخ - محمد الدین فوق - مارچ 1920ء
گلزار محمدی اسٹیم پریس لاہور

17 - تذکرہ علماء - مولانا محمد حسین آزاد - مارچ 1922ء
میر امیر بخش کریمی پریس -

18 - تذکرہ مشاہیر کاکوری - مولانا شاہ علی حیدر کاکوری
1027ھ - لکھنؤ

19 - تذکرہ صوفیائے سندھ - اعجاز الحق قدوسی - نومبر 1909ء کراچی

20 - تذکرہ صوفیائے پنجاب - اعجاز الحق قدوسی - مئی 1962ء
ناشر سلیمان اکیڈمی کراچی

21 - تذکرہ مصنفین درس نظامی - پروفیسر اختر راہی -
1398ھ/1978ء مطبع فالکن پریس لاہور

22 - تعارف مخطوطات کتب خانہ دارالعلوم دیو بند - ظفر الدین
ناشر دارالعلوم دیوبند (یو- پی)

23 - جہانگیر - ادارہ تصنیف و تالیف کتاب منزل کشمیری بازار لاہور
سلسلہ مطبوعات نمبر 262

24 - ہندوستانی مفسرین اور ان کی تفسیریں - ڈاکٹر محمد سالم قدوائی
اگست 1973ء مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی

25 - ہندوستان کے عہد ماضی میں مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری -
سید صباح الدین -
عبدالرحمن - جلد دوم - طبع اول 1603ھ/1983ء
مطبع معارف اعظم گڑھ

26 - ہندوستان کے سلاطین علماء و مشائخ - سید صباح الدین عبدالرحمن
1384ھ/1964ء - معارف پریس اعظم گڑھ

27 - ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی کارنامے —
1383ھ/ 1963ء دارالمصنفین - اعظم گڑھ

28 - ہندوستان کے عہد وسطی کا فوجی نظام - سید صباح الدین عبدالرحمن
1960ء - معارف پریس اعظم گڑھ

29 - حدائق الحنفیہ - فقیر محمد جہلمی -
1308ھ - مطبع نول کشور لکھنؤ

30 - ہندوستان میں نظام تعلیم و تربیت - مناظر احسن گیلانی
مطبع نظامی حیدرآباد

31 - ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں - مولانا ابوالحسنات ندوی

32 - ہندوستان شاہان مغلیہ کے عہد میں - سید محمد میاں
یونین پرنٹنگ پریس دہلی 1964ء

33 - ہندوستانی معاشرہ عہد وسطی میں - کنور محمد اشرف
مترجم - قمرالدین 1974ء مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

34 - ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے تمدنی جلوے - سید صباح الدین
عبدالرحمن - 1974ء مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

35 - حکمائے اسلام - مولانا عبدالسلام ندوی - حصہ اول و دوم
مطبع معارف - اعظم گڑھ

36 - حیات شیخ عبدالحق دہلوی - پروفیسر خلیق احمد نظامی
1373ھ - ندوۃ المصنفین دہلی

37 - دائرہ معارف اسلامیہ (تا - الثور) جلد 6 - دانشگاہ پنجاب لاہور

38 - دائرہ معارف اسلامیہ - (ص - العجلی) 1393ھ/1973ء - دانشگاہ
پنجاب - لاہور - طبع اول جلد 12

39 - دائرہ معارف اسلامیہ (علم - علماء) جلد 1/14 دانشگاہ پنجاب لاہو

40 - دائرہ معارف اسلامیہ (ف - القیوم) جلد 15 - دانشگاہ پنجاب لاہ

41 - دیار یورپ میں علم اور علماء - مولانا قاضی اطہر مبارکپوری
فروری 1979ء/1399ھ - مطبوعہ جمال پرنٹنگ
پریس - دہلی

42 - رود کوثر - شیخ محمد اکرام - 1941ء تاج کمپنی
بندروڈ کراچی

43 - سلاطین دھلی کے مذھبی رجحانات - خلیق احمد نظامی
1377ھ/1958ء مطبوعہ - الجمیعتہ پریس دھلی

44 - سلاطین ھند - مفتی انتظام اللہ

45 - سیاحت ھند لاھور - حافظ عبدالرحمن امرتسری
15 دسمبر 1909ء لاھور

46 - سکینتہ الاولیاء - شاھزادہ دارا شکوہ مترجم پروفیسر مقبول بیگ
بدخشانی - طابع بشیر وانی اگسٹ پرانٹرز دھلی

47 - شاہ جہاں نامہ - محمد صالح کنبوہ - مترجم ممتاز لیاقت
اگست 1982ء سنگ میل پبلی کیشنز لاھور

48 - علمائے ھند کا شاندار ماضی - مولانا محمد میاں دیوبندی
نومبر 1946ء دھلی پرنٹنگ پریس دھلی

49 - عربی زبان عہد مغلیہ میں - ڈاکٹر شبیر احمد قادرآبادی
1982ء نظامی پریس لکھنو

50 - عربی ادبیات میں پاک و ھند کا حصہ - ڈاکٹر زبید احمد -
مترجم شاھد حسین - ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاھور

51 - علوم القرآن - ڈاکٹر صبحی صالح - مترجم نظام احمد حریری
مطبوعہ تاج پرنٹرز - نئی دھلی

52 - عربی ادب میں اودھ کا حصہ - ڈاکٹر مسعود انور علوی
1990ء کتب انوریہ تکیہ شریف کاظمیہ کاکوری لکھنو

53 - عرب و ھند کے تعلقات - سید سلیمان ندوی
معارف اعظم گڑھ 1970ء

54 - عربوں کی جہاز رانی - سید سلیمان ندوی - اعظم گڑھ
1354ھ

55 - فہرست مخطوطات - دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور

56 - فقہائے ہند - محمد اسحاق بھٹی - جلد چہارم حصہ اول
1977ء - ادارۂ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور

57 - کواکب - ڈاکٹر مسعود انور علوی - ریڈر شعبہ عربی علی گڑھ
بار اول 1987ء - نشاط آفسٹ پریس ٹانڈہ فیض آباد

58 - ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ - ثروت صولت
مارچ 1984ء مطبوعہ - انٹر نیشنل پریس کراچی

59 - مسلم ثقافت ہندوستان میں - عبدالمجید سالک
1959ء - دارۂ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور

رسائل

1 - معارف - شاہ معین الدین احمد ندوی - جلد 88 اگست 1961ء
دارالمصنفین اعظم گڑھ

2 - معارف - سید سلیمان ندوی - جلد 37 مئی 1936ء
دارالمصنفین اعظم گڑھ

3 - معارف - سید سلیمان ندوی - جلد 56 جولائی تا دسمبر 1945ء
مطبوعہ معارف پریس اعظم گڑھ

4 - معارف - شاہ معین الدین احمد ندوی - ج 91 جنوری تا جون
1963ء دفتر دارالمصنفین اعظم گڑھ

5 - معارف - شاہ معین الدین احمد ندوی - جلد 101 جون 1968ء
دار المصنفین اعظم گڑھ

6 - معارف - شاہ معین الدین احمد ندوی - جلد 102 - جولائی تا دسمبر
1968ء دارالمصنفین اعظم گڑھ

7 - معارف - شاہ معین الدین احمد ندوی - جلد 111 جون 1973ء
دار المصنفین اعظم گڑھ

8 - معارف - شاہ معین الدین احمد ندوی - جلد 112 - نومبر 1973ء
دار المصنفین اعظم گڑھ

9 - معارف - ضیاء الدین اصلاحی - جلد 151 جنوری تا جون 1993ء
دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ

10 - المعارف - ڈاکٹر شیخ محمد اکرام - جلد 10 - مارچ تا مئی 1968ء
ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور

11 - ماہنامہ ثقافت - ڈاکٹر شیخ محمد اکرام جلد 16 اپریل تا جون
1967ء ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور

12 - اورینٹل کالج میگزین لاہور - مولوی محمد شفیع - جلد 4 مئی اگست
1927ء مطبع کریمی لاہور

13 - The Journal of the Research Society of Pakistan, Vol.I
Part II, Oct. 1964, Research Society of Pakistan.

14 - The Journal of the Research Society of Pakistan, Vol.II
Part II, April 1965, Research Society of Pakistan.